افغانستان کی چوٹیوں پر

قافلہ دعوت وجہاد

تالیف

مولانا امیر حمزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قافلہ دعوت و جہاد

تعارف

میرے معزز قارئین......! آیئے میں آپ کو افغانستان کے مجاہدوں ،غازیوں اور شہیدوں کی ایمان افروز داستانیں سناؤں۔

⌘ افغانستان کے علاقے نورستان کا سفرنامہ سناؤں کہ جسے سنتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ یہ بیسویں صدی میں پانچ سو سال پہلے کی دنیا کہاں سے نمودار ہوگئی۔

⌘ کافرستان کی سیر کراؤں کہ جو پاکستان ہی کا اک دور دراز پہاڑی علاقہ ہے کہ جہاں کافر بستے ہیں۔

⌘ مرکز جماعۃ الدعوۃ والارشاد پاکستان کے جہادی کردار سے آگاہ کروں کہ جس نے سید بادشاہ کے قافلے کی یادیں تازہ کردیں۔

⌘ شیخ جمیل الرحمن ﷫ اور ان کی جماعت کا تعارف کراؤں کہ جو شاہ اسماعیل شہید کے روپ میں افغانستان کے افق پر توحید کا ستارہ بن کر نمودار ہوا اور امارت اسلامی کے نام سے تاریخ کا ایک باب رقم کرگیا۔

⌘ ان "جہاد پیا" عربوں کا ذکر کروں کہ جنہوں نے اپنی جان اور مال افغانستان کی پہاڑی چوٹیوں پر اس لیے قربان کردیا تا کہ وہ اسلام کی چوٹی (جہاد) کو سر کرلیں۔

میرے قارئین کرام......! یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے ''قافلہ دعوت و جہاد'' کی صورت میں یہ ایک تاریخی دستاویز ہے، ان اہل توحید کی جنہوں نے افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کیا اور ان کی جد وجہد کے نتیجے میں اللہ کی توفیق سے کمیونزم اور دھریت اپنی موت مر کر دفن ہوگئی، آج اس کا کوئی نام لیوا نہیں۔

امیر حمزہ

قافلہ دعوت و جہاد

روسی ریچھ کے منہ پر جہادی طمانچہ

قافلہ دعوت و جہاد نورستان کے سفر پر

منزل کی جانب رواں دواں

اسلام کے شاہین جہاد کی چٹان پر

''زم زم'' پینے والوں نے جب جہادی جام پیے

جان کے بدلے جنت کے خریدار

ابن سعود کے انقلابات کی جھلک

جب کنڑ سے روسی بھاگے

اقامت دین اور معسکر پر حزب اسلامی کی یلغار

دیر (پاکستان) میں شیخ کی تحریک کے اثرات

خادم الحرمین اور شیخ جمیل الرحمٰن شہید رحمہ اللہ سے تعصب کیوں؟

تقدیم

زیر نظر تصنیف لطیف ہمارے فاضل اور عزیز دوست بھائی جناب امیر حمزہ (ﷺ) کی ہے جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاد کے اہم ترین موضوع پر یہ پہلا عظیم علمی و جماعتی سرمایہ ہے جو منظر عام پر آیا ہے۔ اسلوب انتہائی سہل و سلیس اور دلنشیں ہے۔ بلاغت کا یہ عالم ہے کہ ہر جملہ دل میں اتر جاتا ہے۔ بیان میں کسی تکلف یا تصنع کا کوئی شائبہ نہیں۔

اس کتاب میں جہاد افغانستان کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے اس میں یہ پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ مشرق و مغرب کے سلفی مجاہدین کا جہاد افغانستان میں وسیع و عریض کردار تاریخی حقائق و وثائق کی روشنی میں واضح اور نمایاں ہو جائے۔

حضرات گرامی.....! جہاد افغانستان وہ تاریخ ہے جس کی شروعات بھی ہمارے سامنے ہوئی اور اختتام بھی ہمارے سامنے ہوا اور اس جہاد کے ثمرات طیبہ اور نتائج حمیدہ کا ہم نے بچشم خود مشاہدہ کیا۔ اس جہاد پر ایک دور وہ بھی تھا جب آغاز میں علمائے عرب کی ایک ٹیم نے اسے خودکشی کے مترادف قرار دیا۔ ان کی حجت یہ تھی کہ طاقت کا کوئی توازن نہیں، لٹھ بردار اور بعض پرانی رائفلوں کے حاملین کے مقابلے میں بہت بڑی ایٹمی طاقت روس ہے جو دنیا پر چھا جانے کے خواب دیکھ رہی ہے اور امریکہ جیسی بڑی ایٹمی طاقت روس کی اس شوکت کو توڑنے کے لیے اس کے خلاف سٹار وار کا پروگرام بنا رہی ہے۔

مگر مجاہدین نے اپنی جد وجہد جاری رکھی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مجاہدین اس جہادی تحریک میں شامل ہوتے گئے اور روسی ریچھ کو افغانستان کے پہاڑوں پر ایسا رگڑا کہ عالم کفر جہاد کے نام سے تھرتھر کانپنے لگا۔ روس ٹوٹ گیا، کمیونزم کا طلسم ریزہ ریزہ ہوگیا، سات مسلمان ریاستیں وجود میں آگئیں اور دعوت دین کے تمام مسدود راستے کھل گئے۔ دوسری طرف افغانستان سے روسی مستعمرین اور دیگر کمیونسٹ عبرتناک شکست کھا کر بھاگ گئے اور جہاد کی برکت سے افغانستان کے دو صوبوں میں اسلامی نظام نافذ ہوگیا:

۱۔ نورستان ۲۔ کنڑ

نیز عمومی افغانستان میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ یہ ایک ایسی تاریخ ہے جس سے عامۃ الناس کو متعارف اور روشناس کرانا ضروری تھا اور کم از کم جماعت اہل حدیث کے کاندھوں پر ایک قرض تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا امیر حمزہ صاحب کو جنہوں نے اس اہم کام کا سارا بار اپنے کندھوں پر اٹھا کر جماعت کو اس بوجھ سے آزاد کردیا۔

اب اس اہم دستاویز کی صورت میں سلفی کردار کے حوالے سے جہاد افغانستان کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ یہ سلفی جہادی قافلہ کن نشیب وفراز سے گزرا، کیسے کیسے مراحل طے کیے، مخالفین کی طرف سے کیسی کیسی مزاحمتوں، مخالفتوں اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر اللہ کے فرمان کے مطابق:

﴿ إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴾ [محمد:۷]

”اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا“

اللہ تعالیٰ نے کن کامیابیوں اور کامرانیوں سے نوازا، یہ تمام تفصیلات اس کتاب کے مطالعہ سے سامنے آجائیں گی۔ مؤلف کے اخلاص وتقویٰ کو دیکھتے ہوئے مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اس کتاب کو قبول عام حاصل ہوگا بلکہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ کتاب کا پہلا ایڈیشن طبع ہوتے ہی ہاتھ ہاتھ نکل گیا۔ وللہ الحمد!

ان شاء اللہ یہ کتاب پاکستان کے سلفی نوجوانوں میں احیائے جہاد کے سلسلہ میں سنگ میل ثابت ہوگی۔ ویسے جہاد کے تعلق سے پاکستان کے نوجوانوں میں کافی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور اس میں مرکزی کردار ہمارے قابل فخر ادارے مرکز جماعۃ الدعوۃ والارشاد کا ہے جو ہمارے قابل صد احترام دوست جناب حافظ محمد سعید ﷾ کی ادارت وقیادت اور ان کے رفقائے کار کی محنتوں اور کاوشوں سے اپنے حقیقی ہدف قیام خلافت و امارت کی طرف رواں دواں ہے۔ جسے شیخ العرب والعجم، فضیلۃ الشیخ السید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اور دوسرے جلیل القدر بزرگوں کی رفاقت وسایۂ عاطفت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ منہج کی استقامت اور عقیدہ کی صلابت عطا فرمائے اور اس قافلۂ حق کو قیام امارت وخلافت کے ہدف تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں امیر حمزہ صاحب کو اس عظیم کارنامے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

((فَمَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ))

”جس نے انسانوں کی قدر دانی نہیں کی اس نے اللہ کی قدر دانی نہیں کی۔“

اور دعا کرتے ہیں کہ یہ عظیم علمی سرمایہ قیامت کے دن ان کے حسنات کے پلڑا میں انتہائی نمایاں ہو اور ان کی نجات کا سبب بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام بنا دے اور اس کے ذریعہ بالخصوص سلفی نوجوان کو منہج سلف صالحین کا فہم وشعور عطا فرمائے۔ اَللّٰهُمَّ آمِيْنَ

((وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ مَنِ اقْتَدٰى بِهَدْيِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ))

فضیلۃ الشیخ مولانا عبداللہ ناصر رحمانی ﷾ (کراچی)

باب ①

"بات یہ ہے کہ (جہاد کرنے والوں کو) اللہ کے راستے میں پیاس نہیں لگتی، مشقت اور بھوک کا سامنا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ایسی جگہوں کو روندتے ہیں (کہ جن کے روندنے سے) کافر غصہ میں آئیں اور نہ ہی وہ دشمن کو کچھ نقصان پہنچاتے ہیں مگر (ان کارروائیوں کی وجہ سے) ان کے لیے عمل صالح لکھ لیا جاتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ اللہ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، وہ چھوٹی یا بڑی شے جو بھی خرچ کرتے ہیں اور کوئی وادی طے نہیں کرتے مگر وہ ان کے کھاتے میں لکھ دی جاتی ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے بہت اچھے کام (جہاد) کا بدلا ان کو دے ڈالے۔"

کمیونزم کے نام سے یہودی آگے بڑھتے رہے، مسلمانوں کے علاقے نگلتے رہے، مسجدیں ڈھاتے رہے، قرآن جلاتے رہے، رب تعالیٰ اور اس کے دین کا مذاق اڑاتے رہے، اب یہ افغانستان آ گئے اور افغانیوں نے ٹکے لہرانے شروع کر دیے۔ وہ گھر بار سے اجڑ گئے، زخمی ہو گئے، خون میں نہا گئے مگر یہودیوں کی اولاد کمیونسٹوں کو ٹکے مارتے رہے۔ یہ آوازیں پاکستان کے بارڈر پر اور پھر ملک کے اندر سنائی دینے لگیں، اخبارات میں اس کا چرچا ہونے لگا، دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ سے شور مچنے لگا۔ اب جن کے دلوں میں توحید تھی، اپنے مولا کی محبت تھی، رب کے وقار کا بڑا پاس تھا اور اس پر مر مٹنے کا پختہ خیال تھا، وہ کھنچتے چلے آئے۔ سعودیہ سے، امارات سے، روسی نظریے کے حامل ملکوں الجزائر، تیونس، لیبیا اور یمن سے بھی۔ غرض وہ دنیا کے ہر کونے سے آنے لگے۔ وہ پاکستان میں آتے اور پھر افغانستان کی راہ لیتے۔ وہ رب کے دشمنوں کو ہاون اور کلاشن کے برسٹوں سے طمانچے مارتے، میزائلوں سے تھپڑ رسید کرتے اور راکٹ لانچروں سے گھونسے مارتے۔

باب ②

جس طرح ہمارے ہاں کسی پاگل آدمی کو مجذوب ولی کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے

اسی طرح افغانستان میں عقل سے عاری ایک بابے کو ''دیوانہ بابا'' کے نام سے پہنچی ہوئی سرکار مشہور کردیا اور اس کے قصبہ میں شرک کی خوب آبیاری کی گئی۔تو شرقی نورستانیوں نے نہ صرف یہ کہ دیوانہ بابا کے قصبہ کو شرک سے پاک کردیا ہے بلکہ اس جیسے تمام علاقوں سے شرک وبدعت کا نام ونشاں تک مٹا ڈالا ہے جو ان کے قبضہ میں آئے۔

عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ ٹوکری بھی بہت سے کام دیتی ہے۔عورتیں آٹا بھی اسی ٹوکری میں پیس کرلاتی ہیں۔ ایندھن کی لکڑیاں بھی چن چن کر اسی ٹوکری میں ڈالتی جاتی ہیں اور جب مکان بنانا ہوتو مرد اورعورتیں پتھر اور مٹی بھی اسی ٹوکری میں اٹھا کر لاتے ہیں۔پھر گھریلو کام کاج اور کھانا وغیرہ تیار کرنے کے علاوہ کھیتوں اور باغوں سے پھل وغیرہ بھی عورتیں ہی لاتی ہیں لیکن ہمارے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس قدر مشقت کے باوجود یہ اپنے شوہروں کی انتہائی خدمت گزار ہیں اور دیندار ایسی کہ کھیتوں میں بھی نماز نہیں چھوڑتیں اور پردے کی پابند اور محتاط ایسی کہ اتنا کام کاج کرنے کے باوجودکوئی اجنبی ان کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اور پھر اس شرم وحیا کوہم نے چھوٹی چھوٹی بچیوں میں بھی دیکھا کہ ایک پانچ سالہ بچی ہمیں دیکھ کر اپنے ننھے منھے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ سنبھال رہی تھی۔تب ہماری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

باب ④

یہ تمام لوگ رضا کارانہ طور پر افغانستان میں جہاد کے لیے گئے تھے۔پاک فوج کے افسر اور دیگر لوگ براہ راست آئی، ایس، آئی میں پوسٹ ہوتے تھے۔جنرل اختر انہیں آئی، ایس، آئی کے مختلف شعبوں میں خود پوسٹ کرتے اور عام طور پر اچھے اور دلیر افسروں کومیرے پاس بھیج دیتے۔ یہ لوگ ۲ سے ۳ سال کے لیے میرے پاس آیا کرتے تھے۔میں ان کو انٹرویو کے بعد تربیت، آپریشنز اور سپلائی وغیرہ کے مختلف کاموں پر مامور کیا کرتا تھا۔میں ہمیشہ نئے آنے والوں سے ان کی جہاد کے بارے میں رضا کارانہ رضامندی کا عندیہ ضرور لیتا اور پھر بڑی

سوچ بچار کے بعد انہیں افغانستان میں مخصوص فوجی کارروائیوں کے لیے چنتا۔

باب ④

اس روز جو پہلی نماز عشاء ہم نے ان بھائیوں کے ہمراہ پڑھی اس نماز کا جتنا لطف زندگی میں پہلی بار آ رہا تھا کبھی نہیں آیا...... انہی دنوں کی بات ہے کہ روسیوں اور مجاہدین کے مابین ''خوست'' کا معرکہ زوروں پر تھا، روزانہ ہمیں اس چھاؤنی میں خبریں ملا کرتی تھیں...... آج پچاس عرب شہید ہو گئے...... آج بیس شہید ہو گئے اور اتنے زخمی ہو گئے......!! خوست کے محاذ پر چلنے والی توپوں، میزائلوں اور بموں کی آوازیں بھی ہمیں یہاں سنائی دیتی تھیں اور پھر وائرلیس پر شہادت کی خبریں بھی۔ جونہی کوئی خبر آتی ہر مجاہد کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو جاتا:

'' اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ ا ...... اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ ا ''

سچی بات تو یہ ہے کہ افغانستان کے ہر پہاڑ کی چوٹی، وادی، میدان اور ہر درہ اپنے اندر مجاہدین کے جہاد اور شہادتوں کی اس قدر داستانیں سموئے ہوئے ہے کہ ہر وادی، ہر درہ اور ہر چوٹی پر جو بارہ سال تک جہاد ہوتا رہا، ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے اور یوں پورے افغانستان میں پھیلی ہوئی داستانوں کو اکٹھا کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں لکھی جا سکتی ہیں اور یہ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں مجاہدوں کے جہاد پر اور عرب مجاہدوں کی بے لوث معرکہ آرائیوں پر۔ ہم نے مرکز الدعوۃ والارشاد کے چند مجاہدوں کی ایک ایک داستان نمونے کے طور پر رقم کردی ہے وگرنہ اگر باقی مجاہدوں کی داستانیں بھی اکٹھی کی جائیں تو علیحدہ سے ایک کتاب بن سکتی ہے۔ مگر میں نے جو زیر نظر کتاب مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو محض اس وجہ سے کہ اس کو کتاب وسنت کے پھولوں سے آراستہ کر دوں تا کہ جہاد کی مہک اور خوشبو سے اپنے غافل بھائیوں کو جگا دوں۔

باب ⑤

میرے لاڈلے عبدالعزیز! جدہ کے رہنے والے تجھے سلام کہتے ہیں اور اللہ کے فضل کے

ساتھ تیرے لیے فتح یابی اور ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ تو ایسا ہی ہو جیسے ہم تجھ سے امیدیں باندھے بیٹھے ہیں اور تیرا بھائی عبد اللہ دن رات یہ دعائیں کرتا ہے کہ وہ تیرے ساتھ افغانستان کے میدان جہاد میں ملاقات کرے۔ تو بھی اس کے لیے دعا کر کہ اللہ اس کی تمنا اور دعا کو قبول فرمائے۔ (آمین)

بیٹے ابو العالیہ! سب مائیں اپنے بیٹوں سے محبت کرتی ہیں مگر کامیاب اور حقیقی محبت وہی ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہے جو چاہتی ہے کہ اس کے بیٹے کا چہرہ دین کے نور سے روشن ہو، اس کا بیٹا آفاق میں گم رہے، اللہ کے ہاں اس کے درجات بلند ہوں اور یوں وہ ایک ایسا کامیاب انسان بن جائے کہ تمام نگاہیں اس کی جانب اٹھ جائیں۔ سب کی نظریں اسے بلند مقام اور احترام سے دیکھیں۔ دنیا سے جنت تک جتنے درمیانی مقامات اور درجات ہیں ہر مقام کا وہ آنے والے کل کی طرح منتظر رہے۔ ماں سوچے کہ کیسے یہ زمین میرے بیٹے کے لیے آخرت کے حصول کا سبب بنے گی؟ جو ماں اپنے بیٹے کے لیے یوں سوچے اور یوں عملی قدم اٹھائے وہی اپنے بیٹے سے حقیقی پیار کرنے والی ہے۔

باب ⑥

اسی دوران خالد سیف شہید رحمہ اللہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چھیڑ دیا اور کہنے لگے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”ٹھٹھرتی ہوئی رات ہو، سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی ہو اور مجھے کہا جائے کہ میں دشمن کا مقابلہ کروں۔ اس کے مقابلے میں دوسری طرف شب زفاف ہو۔ آج ہی نئی بیوی گھر آئی ہو اور مجھے ان دونوں میں سے ایک چیز اختیار کرنے کو کہا جائے تو میں میدان کارزار کو ترجیح دوں گا۔“

باب ⑦

صوبہ کنڑ میں اسمار سے اوپر شٹر یلے نامی قصبہ میں رہتا تھا۔ جب شیخ جمیل الرحمن نے جہاد شروع کیا تو میں نے بھی پشاور میں شیخ کے مدرسے میں پڑھنا شروع کر دیا۔ جب مدرسہ

میں چھٹیاں ہوتیں تو جہاد کے لیے چلا جاتا۔ چھ سال قبل بری کوٹ میں کمیونسٹوں کے ساتھ ایک لڑائی میں مجھے قیدی بنالیا گیا۔ قیدی بنا کر بری کوٹ سے میرے اپنے ہی صوبے کنڑ کے دارالحکومت اسدآباد منتقل کر دیا گیا۔ یہاں مجھے تین ماہ رکھا گیا اور مجھ سے مجاہدین کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے تفتیش کی جاتی رہی۔ اذیت اور تکالیف میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ فوجی بوٹوں کے ٹھڈے مار مار کر دریا کے ٹھنڈے پانی میں ڈبو دیتے۔ جب سمجھتے کہ مرنے کے قریب ہوگیا ہے تو نکال لیتے۔ ایک دفعہ ایک انتہائی چھوٹے سے تنگ و تاریک کمرے میں جب مجھے حد سے زیادہ زدوکوب کیا گیا تو میں نے انہیں اللہ کا واسطہ دے کر رحم کی درخواست کی تو انہوں نے بڑی رعونت سے کہا:

ایں جا خدا نیست............... یہاں خدا نہیں ہے۔ (نعوذباللہ!)

باب ⑨

بی بی سی اور وائس آف امریکہ نے اپنی خبروں میں بتلایا کہ یہ شدید ترین معرکہ شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ کی جماعۃ الدعوۃ نے لڑا۔

رات کے وقت مجاہدین جب اس فتح کے بعد پہاڑ سے نیچے اترے، تو شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ نے اس فتح کی مبارک دیتے ہوئے مجاہدین سے یوں خطاب کیا:

”اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو اور جان لو کہ اللہ ایمان داروں کے ساتھ ہے۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور اسی کی حمایت سے ہم فتح یاب ہوئے ہیں۔“

باب ⑨

مجاہد بھائیو......! جہاد اس لیے فرض نہیں ہوا کہ ایک کمانڈر اس گاؤں میں امیر یا حاکم ہو جائے اور دوسرا کمانڈر دوسرے گاؤں کا امیر ہو جائے اور دور جاہلیت کی طرح ایک بار پھر گروہی اور قبائلی زندگی شروع ہو۔ بلکہ یہ جہاد اسلام کی حاکمیت کے لیے تھا، ظلم و جاہلیت اور غیر اسلامی نظام کے خاتمے کے لیے تھا، اس وقت افغانستان میں ایک بھی علاقہ ایسا نہیں

جہاں امن کی ضمانت ہو اور شریعت کی حاکمیت ہو۔

مگر..... جنہیں یہ ایک عرصہ سے زیب دیتی آئی ہے انہوں نے خفیہ منصوبے کے تحت گولی چلائی کہ جس کی توقع نہ تھی۔ پھر یہ گولی آخر کار امارت اسلامی کے سقوط کے چند ہی دن بعد امیر کے ماتھے کے نیچے دونوں آنکھوں کے درمیان پیوست ہوگئی۔ آج شاہ شہید کی یاد پھر تازہ ہوگئی کہ انہیں بھی پیشانی پر ہی گولی لگی تھی، جو اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر غلبۂ اسلام کی خواہشیں لیے خاک آلود ہوا کرتی تھیں..... کتنی پیاری لگتی ہوگی ایسی پیشانی اس کے بنانے والے کو۔ جس مصر کے اخوانی نے یہ گولی ماری اسے تو موقع پر ہی ہلاک کر دیا گیا۔

باب ⑩

پشاور اور سرحد کے دوسرے کئی علاقوں سمیت دیر بھی سرحد کا وہ علاقہ ہے جہاں ڈیڑھ سو سال قبل شاہ اسماعیل شہید نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور یہاں اللہ کے قانون کا نفاذ کیا۔ یہ شاہ شہید کی دعوت اور جہاد کا نتیجہ ہی ہے کہ آج بھی توحید آباد، کالا باغ اور ہزارہ وگلیات کے کئی دیہات اہل حدیث ہیں اور یہ شاہ شہید کی تحریک دعوت و جہاد ہی کی برکت ہے کہ ریاست دیر میں اس وقت سے لے کر پاکستان میں شامل ہونے تک کسی نہ کسی صورت میں شریعت محمدی کے مطابق ہی فیصلے ہوتے رہے ہیں۔ دیر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقوں کا یہ وہ واحد ضلع ہے کہ جس میں کوئی غیر مسلم نہیں ہے اور یہ اعزاز یہاں کی ووٹر لسٹ میں بھی درج ہے۔

باب ⑪

"عام تاثر یہ تھا کہ ساری امداد امریکہ سے آ رہی ہے جہاں سے اسلحہ کے بھرے ہوئے جہاز پاکستان پہنچتے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس جتنی امداد امریکہ دے رہا تھا کم وبیش اتنی ہی سعودی عرب سے آ رہی تھی جہاں سے سینکڑوں لوگ ذاتی طور پر جہاد میں حصہ لینے کے لیے پاکستان اور پھر افغانستان پہنچتے تھے۔ اگر سعودی عرب سمیت کویت اور خلیجی ممالک کے ذاتی

طور پر عطیات دینے والوں کی امداد شامل کر دی جائے تو عربوں کی مدد بحیثیت مجموعی امریکہ سے بڑھ جاتی تھی۔ سعودی عرب کی سیکرٹ سروسز کے سربراہ شہزادہ ترکی باقاعدگی سے پاکستان کے خفیہ دورے کرتے اور آئی ایس آئی کے صدر دفتر میں جنرل اختر عبدالرحمٰن سے تفصیلی ملاقاتیں کرتے رہتے تھے، جہاں ان کی خواہش پر ان کے لیے کریلے کا سالن پکایا جاتا اور انار کے جوس سے ان کی تواضع کی جاتی۔ بہت سے عرب زکوٰۃ کی رقم مجاہدین کے لیے بجھواتے۔ آئی ایس آئی کے اعلیٰ افسروں کے بقول اگر سعودی امداد نہ ہوتی تو افغانستان سے روسی فوج کی واپسی کا ہدف کبھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

آخر انصاف کی آنکھ خون کے آنسو کیوں نہ روئے کہ جب روسی کمیونسٹ افغانستان میں ظلم ڈھائیں تو سعودی پیسہ ہی نہیں وہاں کے عوام اور شہزادے تک اپنی جانوں کو لے کر افغانوں کے ساتھ ہو جائیں مگر جب انہی روسیوں کا بغل بچہ، روسی بلاک کا بندہ صدام کویت میں ظلم ڈھائے تو مجددی اور ربانی تو اپنے مجاہد بھیجیں جب کہ حکمت یار اپنے مجاہد بھیجنا تو درکنار ربانی اور مجددی کی بھی مخالفت کرے۔ قاضی حسین احمد بھی ان سے اختلاف کرے۔

روسی ریچھ کے منہ پر جہادی طمانچہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اللہ کا دشمن میرے مولا کا مذاق اڑا رہا ہے تو انہوں نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور کہا: ''اس مولا کی قسم! جس کی مٹھی میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی جان ہے اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو اے اللہ کے دشمن! میں تیری گردن اڑا دیتا۔''

فخاض دربار رسالت میں آ گیا، اپنا کیس حکمران مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور کہنے لگا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دیکھیے! آپ کے ساتھی نے میرے ساتھ یہ یہ ظلم کیا ہے۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ نے کس وجہ سے اس کے تھپڑ مارا؟'' تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس اللہ کے دشمن نے بڑا بھاری کلمہ بولا، اس نے کہا: ''اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ غنی ہیں'' اس نے یہ کہا اور مجھے اپنے اللہ کے لیے غصہ آ گیا۔ اور میں نے اس کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔'' یہ سنتے ہی فحاض نے انکار کر دیا اور کہنے لگا: ''میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔'' اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گواہی دینے والا کوئی موجود نہ تھا، یہودی مکر گیا تھا اور باقی سب یہودی بھی اس کی پشت پر تھے۔ یہ بڑا پریشان کن سماں تھا لیکن اللہ نے اپنے نبی کے ساتھی کی عزت وصداقت کا عرش سے اعلان کرتے ہوئے یوں شہادت دی:

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَ نَحْنُ اَغْنِيَاءُ ﴾

[آل عمران: ۱۸۱]

''اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔''

قارئین کرام......! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مولا کی گستاخی پر رب کے دشمن کے طمانچہ مارا اور جب صدیق کی صداقت پر حرف آنے لگا تو رب تعالیٰ نے صدیق کی صداقت وعزت کی پاسداری کا عرش سے اعلان کر دیا۔

اس واقعہ کو چودہ سو سال بیت گئے کہ بیسویں صدی کے شروع میں ایک فخاص ''کارل مارکس'' کے نام سے اٹھا، اس یہودی نے اللہ کی دشمنی میں وہ کردار ادا کیا کہ فخاص سے بھی بازی لے گیا۔ اس نے رب کی ہستی کا مطلق انکار کر دیا۔ اس کے پیروکار لینن یہودی نے اس نظریے کی آبیاری کی اور پھر ان یہودیوں کی طرف سے یہ اعلان ہونے لگے: ''ہم نے مذہبی جنونیوں کے رب کو ٹھوکریں مار کر روس سے نکال دیا ہے۔'' (نعوذ باللہ من ذلك) پھر ایک انتہائی مکروہ مجسمہ بنا کر روس کی سرحد پر نصب کر دیا۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

کمیونزم کے نام سے یہودی آگے بڑھتے رہے، مسلمانوں کے علاقے نگلتے رہے، مسجدیں ڈھاتے رہے، قرآن جلاتے رہے، رب تعالیٰ اور اس کے دین کا مذاق اڑاتے رہے، اب یہ افغانستان آ گئے اور افغانیوں نے مکے لہرانے شروع کر دیے۔ وہ گھربار سے اجڑ گئے، زخمی ہو گئے، خون میں نہا گئے مگر یہودیوں کی اولاد کمیونسٹوں کو مکے مارتے رہے۔ یہ آوازیں پاکستان کے بارڈر پر اور پھر ملک کے اندر سنائی دینے لگیں، اخبارات میں اس کا چرچا ہونے لگا، دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ سے شور مچنے لگا۔ اب جن کے دلوں میں توحید تھی، اپنے مولا کی محبت تھی، رب کے وقار کا بڑا پاس تھا اور اس پر مر مٹنے کا پختہ خیال تھا، وہ کھنچے چلے آئے۔ سعودیہ سے، امارات سے، روسی نظریے کے حامل ملکوں الجزائر، تیونس، لیبیا اور یمن سے بھی۔ غرض وہ دنیا کے ہر کونے سے آنے لگے۔ وہ پاکستان میں آتے اور پھر

افغانستان کی راہ لیتے۔ وہ رب کے دشمنوں کو ہاون اور کلاشن کے برسٹوں سے طمانچے مارتے، میزائلوں سے تھپڑ رسید کرتے اور راکٹ لانچروں سے گھونسے مارتے۔

مجاہدین طالب علم:

جہاد کے طفیل جنت کا سودا افغانستان میں ہو رہا تھا، وہاں تجارت جاری تھی، کاروبار ہو رہا تھا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ﴾ [التوبة: ۱۱۱]

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے، وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں تو (کافروں کو) قتل کرتے ہیں اور خود (کافروں کے ہاتھوں) مارے جاتے ہیں (شہید ہوتے ہیں)۔“

اس کاروبار اور تجارت کی تفصیل اخبارات میں چھپ رہی تھی۔ لوگوں کو بتلایا جا رہا تھا کہ افغانستان میں جہاد کا دروازہ کھل گیا ہے اور یہ وہ دروازہ ہے جس سے ہو کر انسان سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ جہادی کاروبار سے جنت کے حصول کا یہ وہ جذبہ تھا جس نے ایک موحد طالب علم کے دل میں اس وقت انگڑائی لی جب اس نے ۱۹۷۹ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخلہ لیا۔ یہی وہ دن تھے جب روسی افغانستان میں آئے تھے اور ظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ اس طالب علم کو ظلم کی انہی خبروں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ عملی تعاون کرنے پر ابھارا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ صوبہ سرحد کا شہر پشاور جو افغان جہاد کی سرگرمیوں اور خبروں کا عالمی مرکز تھا، وہاں کے باسی مولانا حبیب اللہ سلفی کا تقرر جامعہ سلفیہ میں بحیثیت استاد ہو گیا۔ یہ طالب علم اس استاد سے پوچھتا رہا کہ مجھے بتلاؤ میں افغانستان کیسے جا سکتا ہوں؟ پھر یہ طالب علم ۱۹۸۱ء میں ماموں کانجن کے مدرسہ تعلیم الاسلام میں داخل ہوا تو اتفاق سے وہاں افغانستان کے تین طالب علم عبید اللہ ثانی، نقیب اللہ اور عبداللہ حصول علم کے لیے

آئے ہوئے تھے۔ اس طالب علم نے ان سے دوستی لگائی تو محض اس وجہ سے کہ ان کے ذریعہ افغانستان میں جہاد کے لیے جاؤں۔ ان ساتھیوں نے کہا: ''مدرسے میں جب چھٹیاں ہوگئیں تو ہم اپنے کمانڈر سے پوچھیں گے، اجازت مل گئی تو پھر آپ کو باخبر کریں گے۔'' اب طالب علم نے چھٹیوں کا انتظار شروع کر دیا۔

یہ نوجوان اب جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کا طالب علم تھا۔ یہاں اس نے پانچویں سال میں جامع ترمذی پڑھنا شروع کی۔ جہاد کا راستہ تلاش کرتے کرتے اسے تین سال ہو چکے تھے۔ اب ۱۹۸۲ء کا سال تھا مگر جدوجہد تھی کہ جہاد کے لیے متواتر جاری تھی۔ آخر کار وہ وقت آہی گیا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جدوجہد کرنے والے کو راستہ دکھایا۔ یہ راستہ کس قدر ایمان افروز اور دشوار گزار تھا؟ یہ اس راہ کے راہی طالب علم مجاہد سے سنتے ہیں۔ جسے میرے خیال کے مطابق پاکستان کے اہل توحید میں اوّلیت وسبقت کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے میں اس کی جدوجہد کو روس کے منہ پر اولین طمانچہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔

راہ جہاد کی روداد:

افغانستان میں جہاد کے لیے کیسے جاؤں؟ انہی سوچوں میں گم ایک روز بیٹھا تھا کہ بڑے بھائی نے بتلایا کہ عبدالقادر اعوان جو کہ ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب ''ٹانک'' بستی کا رہنے والا ہے، وہ جہاد کے لیے افغانستان میں آدمی بھیجتا ہے اور آج کل وہ جامعہ سلفیہ میں استاد ہے۔ چنانچہ میں فوراً عبدالقادر صاحب کے پاس پہنچا، ان سے بات کی تو انہوں نے کہا: ''افغانستان لے جانے والا آدمی آئے گا تو تمہیں اس کے ساتھ بھیج دوں گا۔'' چنانچہ دس دن بعد میرے پاس عبدالقادر صاحب کا بھیجا ہوا آدمی فضل الرحمٰن خلیل آ گیا۔ یہ عبدالقادر کے علاقے کا ہی رہنے والا تھا۔ فضل الرحمٰن جب جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں پہنچا اور اس نے بتلایا کہ میں آپ کو لینے کے لیے آیا ہوں تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، یہ تو وہ خبر تھی جسے سننے کے لیے میں عرصہ تین سال سے جدوجہد کر رہا تھا۔

میں نے فضل الرحمٰن سے کہا: ''آپ یہاں بیٹھیں، میں گھر سے سامان لے کر صبح تک یہاں پہنچ جاؤں گا۔'' اب اتفاق کی بات کہ میں گھر سے اسی روز مدرسہ آیا تھا اور اب پھر اسی روز آدھی رات کو گھر پہنچ گیا۔ میرے اس اچانک اور وہ بھی آدھی رات کو پلٹنے پر والدہ پریشان ہوگئیں۔ میں نے ان کی پریشانی یہ کہہ کر دور کرنے کی کوشش کی کہ میرا تو افغانستان جانے کا پروگرام ہے مگر اس پروگرام کا سنتے وہ اور زیادہ پریشان ہوگئیں۔ اب والدہ نے والد صاحب کو جگایا، میرا ماجرہ بیان کیا تو والد محترم بھی پریشان ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے روکنا چاہا اور سمجھانا شروع ہوگئے مگر میں نے موقع پا کر دیوار پھلانگی اور گوجرانوالہ پہنچ گیا۔ میرے پہنچنے کے ایک گھنٹہ بعد ہی میری والدہ، خالہ اور خالہ زاد بھائی بھی میرے پیچھے گوجرانوالہ آگئے۔ یہاں انہوں نے مجھے بہت منانے کی کوشش کی مگر میں نہ مانا۔ انہوں نے میرے استاد حافظ عبدالسلام صاحب سے کہا: ''آپ اس کو روکیں۔'' مگر حافظ صاحب کو اللہ سلامت رکھے انہوں نے مجھے نہیں روکا۔

ہماری اگلی منزل فیصل آباد شہر تھا۔ اس لیے کہ فضل الرحمٰن نے وہاں سے بھی ایک ساتھی کو لینا تھا۔ چنانچہ ہم سب فیصل آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ روانہ ہوتے وقت طاہر عبداللہ نے کہا: ''کدھر جا رہے ہو؟'' میں نے کہا: ''جہاد پر۔'' اس نے کہا: ''میں بھی جاؤں گا۔'' چنانچہ طاہر عبداللہ بھی ہمراہ ہولیا اور فیصل آباد سے عبدالغنی بھی ہمارا ساتھی بن گیا۔ یہ بھی جامعہ محمدیہ کا ہی طالب علم تھا۔ اب جب والدہ محترمہ نے دیکھا کہ یہ تو بہرصورت جائے گا تو انہوں نے مجھے اجازت دے دی اور پھر والد صاحب کو ٹیلی فون کر کے صورتحال بتائی تو انہوں نے بھی فون پر مجھے جہاد کے لیے جانے کی اجازت دے دی۔

اب ہم میانوالی کی طرف روانہ ہونے لگے تو والدہ نے مجھے دو ہزار روپے دیے اور کہا: ''یہ رقم فضل الرحمٰن کو ہی دے دو۔'' ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ پیسوں کے لیے میرے بیٹے کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو پیسے اس کے پاس ہوں گے لہٰذا پیسوں کے لیے یہ میرے

بیٹے کو نقصان نہ پہنچائے ۔ یہ وہ احتیاط تھی جو ایک ماں اپنے بیٹے کے لیے کر رہی تھی ۔

میانوالی سے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے، وہاں سے جنوبی وزیرستان کے شہر ''اعظم ورسک'' گئے ۔ اب ہم ارض جہاد افغانستان کے قریب تھے ۔یہیں سے ہم نے سنا کہ ایک لنگڑے مجاہد نے گن شپ ہیلی کاپٹر کو کلاشنکوف سے مار گرایا ہے ۔مجاہدین اس واقعہ کے بعد بڑے خوش دکھائی دے رہے تھے ۔

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ صوبہ پکتیکا کے ایک گاؤں میں جو وادی ''کٹواز'' میں ہے، وہاں دو ہیلی کاپٹر آئے ۔ ایک اڑتا رہا جب کہ دوسرا نیچے اترا ۔ انہوں نے ایک افغان عورت کو پکڑا، اس کے اردگرد چار پانچ روسی تھے ۔اسی طرح وہ ظالم اس عورت کو لے کر ہیلی کاپٹر میں داخل ہو گئے ۔ تین مجاہد جو یہ منظر دیکھ رہے تھے ان میں دو کے پاس صرف ڈنڈے تھے جب کہ ایک کے پاس کلاشنکوف تھی ۔کلاشن بردار چھپ کر بیٹھ گیا ۔ یہ لنگڑا تھا اور کلاشن اس کے پاس غنیمت کی تھی ۔ اس نے ہیلی کاپٹر کی پچھلی پنکھڑی پر برسٹ دے مارا ۔ اب ہیلی کاپٹر اڑنے کی سکت کھو چکا تھا ۔ وہ گرنے لگا اور جب اوپر والے ہیلی کاپٹر نے دیکھا کہ یہ اب گرے گا تو اس نے اوپر سے بم مار کر اپنے ہی ہیلی کاپٹر کو تباہ کر دیا ۔ روسی بھی مر گئے اور افغان عورت کی عزت بھی بچ گئی اور وہ اپنے اللہ کے پاس جا پہنچی ۔ اس واقعہ نے پورے علاقے میں خوشی کی لہر دوڑا دی ۔

افغانستان کے شہر پکتیکا میں :

یہ خوش کن خبر سننے کے بعد آخر ہم بھی اسی علاقے پکتیکا میں جا پہنچے ۔ یہاں میرا قیام تقریباً سات ماہ رہا ۔ اس ابتدائی دور میں کلاشنکوف بڑا قیمتی ہتھیار ہوا کرتا تھا ۔ یہ گن کسی بڑے کمانڈر کے کندھے کی ہی زینت ہوا کرتی تھی ۔ہم جب کبھی اسے دیکھتے تو اسے ہاتھ لگا کر چھونے کو ہی ترسا کرتے تھے ۔ ہمارے پاس تو عام بندوقیں اور رائفلیں ہی ہوا کرتی تھیں اور وہ بھی اپنی خرید کردہ تھیں ۔

ان دنوں ہم جہاد اس طرح کرتے کہ سارا سارا دن کسی مجاہد کے گھر سوتے اور رات کو گشت کرتے، جہاں ہمیں روسی دکھائی دیتے انھیں نشانہ بناتے۔ بارودی سرنگیں ہمارے پاس ہوتی تھیں جن کو ہم راستوں پر نصب کر دیتے، جس کے اوپر سے جو روسی گاڑی گزرتی اس کے پرخچے اڑ جاتے۔

پکتیکا میں کچھ دن تو ہم نے صاحبزادہ عبدالرحیم کے پاس گزارے پھر ایک دوسرے کمانڈر فرید الدین کے پاس چلے گئے۔ ہم نے اس کمانڈر کے جہادی مرکز سے ہی اسلحہ کی ٹریننگ لی۔ کمانڈر فرید الدین نے ایک جگہ پہاڑوں کے درے کے راستے اندر سرنگ نکال رکھی تھی۔ یہ سرنگ کیا تھی؟ اس میں بڑے بڑے کمرے تھے، یہاں کمیونسٹوں کو قید کیا جاتا تھا اور سرنگوں میں یہ کمرے بمباری سے محفوظ بھی رہتے تھے۔

میں یہاں ساڑھے تین ماہ گزار کر پاکستان پہنچا تو چند فرزندان توحید کو لے کر پکتیکا پہنچا۔ ان میں عبداللہ کوٹلی رائے ابو بکر، رینالہ خورد سے زاہد، چھانگا مانگا سے محمد زکریا اور عباس تھے۔ سرگودھا سے بھائی عبدالقہار صاحب، جو کہ آج کل فرانس میں ہوتے ہیں یہ بھی وہاں پہنچے ہوئے تھے، چنانچہ ہم چھ اہل حدیث ساتھی تھے۔

چار حنفی مسلک کے تھے۔ کمانڈر فرید الدین نے ہم سب کو وادی ارغون کے مرکز عبدالحمید میں پہنچنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ ہم دو دن کے سفر کے بعد مرکز میں پہنچے۔

یہ حقیقت قابل ذکر ہے کہ عبدالقہار بھائی مجھ سے بھی پہلے وہ اہل حدیث ساتھی ہیں جو مولانا ارشاد صاحب کے ہمراہ افغانستان میں پہنچے تھے۔ انہوں نے ''محمد خیل'' کے قریب مولوی نیک محمد کے مرکز میں ڈیڑھ ماہ تک جہاد کی ٹریننگ لی اور پھر افغانستان میں جہاد کرتے رہے...... وہ اپنے ایک معرکے کی روداد سناتے ہوئے بتاتے ہیں کہ......

ایک روز ''دریائے ٹوچی'' کے کنارے ہم اپنے مرکز میں بیٹھے تھے کہ چند میٹر دور درختوں کے جھنڈ سے کچھ آوازیں آئیں جیسے چند لوگ درختوں کے درمیان میں چل رہے

ہوں۔ہم خیمے سے باہر نکلے تو ہم سے پچاس میٹر کے فاصلے پر جو سامنے والی پہاڑی تھی اس کے پیچھے سے لائٹ بھی دکھائی دی۔اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ روسی کمیونسٹ ہیں اور ہم پر حملہ آور ہونے والے ہیں، چنانچہ میں نے ساتھیوں کو الرٹ کیا اور خود خیمے کے ساتھ ایک عمارت پر چڑھ گیا۔ اب دشمن ہمارے قریب آ گیا تھا چنانچہ مقابلہ ہوا اور دشمن بھاگ اٹھا۔صبح ہم نے دیکھا کہ قریب والی پگڈنڈی پر بہت سا خون پڑا تھا، اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ دشمن زخمی ہوکر کراہتا ہوا بھاگا ہے۔

ہمارے کمانڈر مولوی نیک بہادر صاحب آئے تو انہوں نے مجھے شاباش دی۔ اس کے بعد عید کے دن قریب آ گئے۔ اب ہم عید منانے پاکستان چلے آئے اور پھر دوبارہ ہم نے افغانستان جانے کا ارادہ کیا۔اس بار ہم ''اعظم ورسک'' سے ہوتے ہوئے ''انگور اڈا'' پہنچے جو پاکستان کا آخری قصبہ ہے۔روسی بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک اس قصبے تک چکر لگا کر اپنا رعب جما گئے تھے مگر ہم نے بھی روس کا رعب ختم کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس بار ہماری منزل بڑی دور تھی۔تین گھنٹے تک ایک بس میں سفر کرنے کے بعد پیدل سفر شروع ہوا۔ دن بھر پیدل چلتے رہے، راستے میں ایک جگہ رات گزاری اور اگلے دن پھر سفر شروع ہوا۔ دن ختم ہوا تو رات بھی سفر میں گزر گئی، حتیٰ کہ رات کے تین بج گئے، اب ہم نے ایک جگہ آگ جلائی، کچھ آرام کیا، صبح بیدار ہوئے تو پھر چل پڑے۔ اب تو چلتے چلتے میں بھوک اور تھکاوٹ سے نڈھال ہوکر بے ہوش ہوگیا اور گر پڑا۔ مجھے میرے مجاہد ساتھی ہوش میں لائے اور میرا سامان اٹھایا اور کچھ دیر کے بعد ہمارا مرکز آ گیا۔مولانا ارسلان رحمانی، جو کہ افغانستان کے وزیر اوقاف رہے ہیں، انہوں نے ہمارا استقبال کیا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ ہمارے پاکستانی بھائی اتنی دور سے ہماری حمایت اور مدد کے لیے روسی کافروں سے جہاد کرنے آئے ہیں۔

یہ ۱۹۸۰ء کی بات ہے جب کہ جہاد ابھی شروع ہی ہوا تھا اور میں اللہ کی توفیق سے وہ پہلا کم عمر اہل حدیث طالب علم تھا جو کہ افغانستان کا جہاد شروع ہوتے ہی وہاں گیا۔ اس دور

میں مولانا ارسالان رحمانی کا خط جو انہوں نے میرے والدین کو لکھا وہ ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے اور وہ شناختی کارڈ بھی محفوظ ہے جو ''حرکت انقلاب اسلامی افغانستان'' نے مجھے جاری کیا۔

بہرحال اب ہم پکتیکا چھاؤنی کے صدر مقام ''ارغون'' کے اردگرد کارروائیاں کرتے، کبھی ہم روسیوں کی چھاؤنیوں پر حملے کرتے، کبھی ان کے کانوائے اڑانے کے لیے رات کو سڑکوں پر بارودی سرنگیں بچھاتے۔ میں ان کارروائیوں میں حصہ لیتا رہا۔ میری عمر اس وقت سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔ میں سب سے کم عمر تھا۔ مجاہدین کا رویہ میرے ساتھ مجموعی اعتبار سے اچھا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تو رفع الیدین کی وجہ سے بعض افغانی مجھے وہابی کہتے اور بعض نادان تو کافر بھی کہہ دیتے مگر میں اکیلا ہی اپنے نبی کی سنت پر بھی ڈٹا رہا اور روسیوں کے خلاف میدان جہاد میں بھی برسرپیکار رہا۔

مجھ سے بھی پہلے افغانستان کے جہاد میں عملی حصہ لینے والے میرے بھائی عبدالقہار کے بعد اب میں افغانستان میں جہاد کر رہا تھا اور اب میں بھی اسی وادی ارغون میں اپنے مرکز پہنچا تھا......وہاں......

معسکر عبدالحمید میں ہمارے درمیان اکثر دینی مسائل پر بحث مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ یہاں تبلیغی نصاب پڑھایا جاتا تھا، اس پر بھی بحث چل نکلتی۔ اس لیے کہ اس میں کئی ایسی بے بنیاد باتیں ہیں کہ جن کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔ بہرحال ہم اکٹھے نماز ادا کرتے، اس پر لوگ بڑا تعجب کرتے ہوئے ہماری طرف دیکھتے۔ کوئی ہمیں شافعی کہتا، کوئی حنبلی کہتا اور کوئی وہابی کے نام سے موسوم کر دیتا۔

ایک دفعہ اس علاقے کے بہت بڑے مفتی بزرگ سے رفع الیدین پر مناظرہ ہو گیا۔ بڑے بڑے کمانڈر بھی یہاں موجود تھے۔ سب کی موجودگی میں مفتی صاحب کہنے لگے: ''رفع الیدین ہر جگہ نہیں کیا جاتا بلکہ صرف پانچ جگہوں پر کیا جاتا ہے'' اور پھر انہوں نے پانچ

جگہوں کے نام گن دیے۔ میں نے کہا: ''مفتی صاحب! کیا یہ حدیث رسول ﷺ ہے؟'' کہنے لگے: ''ہاں...... ! یہ حدیث ہے۔'' میں نے کہا: ''کہاں ہے......؟'' فرمانے لگے: ''مشکوٰۃ میں۔'' اس پر میں نے کہا: ''اگر آپ مشکوٰۃ میں دکھادیں تو میں اس بھری مجلس میں حنفی ہوجاؤں گا۔'' ہماری یہ بحث جوظہر سے مغرب تک جاری رہی تھی اب مشکوٰۃ پر آ کر ٹھہر گئی۔ چنانچہ مشکوٰۃ منگوائی گئی۔ اب نصف گھنٹہ تک مفتی صاحب مشکوٰۃ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تو میں جو تازہ تازہ حنفیوں کی کتاب ''کنز الدقائق'' پڑھ کے گیا تھا اور اس میں ان پانچ جگہوں کا ذکر تھا جن کی تلاش مفتی صاحب کو تھی، چنانچہ میں نے کہا: ''مفتی صاحب...... ! آپ کی یہ دلیل مشکوٰۃ میں نہیں بلکہ ''کنز الدقائق'' میں ہے۔'' اس پر مفتی صاحب پریشان ہوگئے۔ بڑے بڑے کمانڈر ہنس دیے۔ مفتی صاحب کے مقابل ایک ایسا نوجوان کہ جسے ابھی داڑھی بھی نہیں آئی تھی، اس کی کامیابی یقیناً مفتی صاحب کے لیے خفت کا باعث تھی مگر مفتی صاحب بھی دل گردے کے آدمی تھے وہ اٹھے اور انہوں نے مجھے گلے سے لگا لیا، میرا ماتھا چوما، میری تعریف کی۔ یقیناً ان کی یہ عالی حوصلگی قابل تعریف ہے۔

یہ تو تھی ایک گاؤں میں پیش آنے والی داستان جو نماز میں رفع الیدین کرنے کی صورت میں پیش آئی جب کہ معسکر میں ہم نے ''حرکت الجہاد الاسلامی'' کے مولانا ارشاد صاحب کو مشورہ دیا کہ پاکستان سے ہم چھ نوجوان اہل حدیث ہیں، تین حنفی اور دو بریلوی ہیں، آپ ہم کو تبلیغی نصاب پڑھاتے ہیں کہ جس پر ہمارے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ آپ ہمیں قرآن کا ترجمہ پڑھائیں کیونکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس پر ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ انہوں نے ہماری اس بات کو نہ مانا۔ چنانچہ ہم نے ایک دوسرا وقت یعنی عصر کے بعد قرآن کے ترجمے کا منتخب کرلیا۔ اس میں ہم ترجمہ پڑھنے لگے مگر یہ کام کا وقت ہوتا تھا۔ اب ہمارے درمیان کشمکش جاری رہتی حتیٰ کہ مولانا ارشاد صاحب نے کہا: ''ہمیں اب غور کر لینا چاہیے کہ ہم اکٹھے چل سکتے ہیں یا کہ نہیں۔'' اس پر سوالات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس

دوران محمد زکریا نے سخت موقف اختیار کیا تو مولانا ارشاد نے اسے دھمکایا۔ زکریا نے بھی جواباً ایسا ہی طرز عمل اختیار کیا تو بات اور بگڑ گئی۔ چنانچہ ہم نے کہا: ''ہم واپس چلتے ہیں، اب معاملہ مشکل ہو گیا ہے، لہٰذا آپ ہمیں واپسی کا کرایہ دیں۔'' انہوں نے کرایہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ پھر ہم نے کہا: ''چلو ہمارا مال غنیمت ہمیں واپس کر دو'' اور یہ ساڑھے آٹھ سو روپے فی آدمی بنتا تھا۔ انہوں نے وہ بھی دینے سے انکار کر دیا۔ آخر کار انہوں نے تھوڑے سے پیسے دیے۔ ہم نے وہ اور جو ساتھیوں کے پاس موجود تھے سب ملا کر اکٹھے کیے تو آٹھ سو روپے بنے۔ اب یہاں سے پاکستان کے بارڈر تک پانچ دن کا پیدل سفر تھا، اس دوران کھانے پینے کے لیے بھی پیسوں کی ضرورت تھی اور پھر پاکستان میں بھی زاد راہ کی ضرورت تھی، بہر حال ہم اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے ۱۳ نومبر ۱۹۸۲ء کو عازم سفر ہوئے۔

سفر، موت کے محاصرے میں:

ہم نے اسلحہ جمع کروایا اور بابوخیل اڈا کی طرف چلے دیے۔ یہاں سے ہم نے خیر کوٹ جانا تھا مگر معلوم ہوا کہ خیر کوٹ میں روسیوں کے ٹینک آئے ہیں، ہیلی کاپٹر زپرواز کر رہے ہیں، چنانچہ اب ہم بابوخیل سے جھنجمہ بستی میں پہنچے۔ اس بستی سے اوپر پہاڑ کی چوٹی پر ''فقیراں اڈا'' کے نام سے ایک بستی تھی۔ چونکہ ان دنوں روسیوں نے اس علاقے میں حملہ کیا ہوا تھا اس لیے تمام مجاہدین اسی چوٹی والی بستی پر تھے۔ مجاہدین جس بستی میں قیام کرتے وہاں کے لوگ مجاہدین کو کھانا وغیرہ فراہم کرتے تھے۔ چنانچہ ہم بھی اس بستی میں پہنچ گئے، رات یہاں بسر کی اور دوسرے مجاہدین کے ساتھ ہمیں بھی سوکھی روٹی کے ٹکڑے اور قہوہ ملا جسے کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہاں ہم نے پاکستان جانے والے راستے کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو ایک شخص نے بتایا یہاں سے ''بندر'' بستی چلے جاؤ وہاں سے کوئی بس آپ کو مل جائے گی اور آپ پاکستان کے بارڈر پر پہنچ جائیں گے۔ ''بندر'' بستی یہاں سے تین گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

ہمیں چلتے ہوئے اب تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ بندر بستی تو نہ آئی البتہ ایک ہوٹل آیا، یہاں روپے کی ایک روٹی ملتی تھی اور وہ بھی انتہائی پتلی۔ چنانچہ بھوک کی شدت تھی، ہم نے یہ روٹیاں کھانا شروع کر دیں۔ ایک روٹی کے دو تین لقمے بنتے تھے۔ چنانچہ نا بنائی پکاتا گیا ہم کھاتے گئے، آخر ہم نے سوچا کہ ہمارے پاس پیسے تو بہت کم ہیں اور سفر کی ابھی ابتداء ہے، چنانچہ کھانا درمیان میں چھوڑ کر ہم چلتے بنے۔ عصر کے بعد ہمیں ایک بستی دکھائی دی، سوچا یہی بندر بستی ہوگی مگر جب اس کے قریب گئے تو دیکھا کہ یہ تو روسیوں کی بمباری سے تباہ شدہ بستی تھی۔ یہ بندر بستی تو نہ تھی بہر حال ہم نے سوچا کہ رات یہاں گزارتے ہیں۔ اسی دوران دو آدمی ہمیں دکھائی دیے، وہ ہم سے ڈر گئے، وہ ہمیں ڈاکو سمجھ کر ہم سے سہم گئے۔ ہم نے ان سے بندر بستی کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ بندر بستی تو یہاں سے تین گھنٹے کے فاصلے پر ہے، چنانچہ ہم ان کے کہنے پر تباہ شدہ بستی میں ٹھہرنے کی بجائے آگے کو چل دیے۔ چلتے چلتے رات ہونے کو آئی تھی اور ایک برج دکھائی دیا۔ ہم اس برج پر پہنچ کر بلندی سے نیچے اترے تو ایک کمرہ دکھائی دیا۔ ایک بچی روٹیاں پکا رہی تھی، بچہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی ایسے ڈرے کہ بھاگ اٹھے۔ ہم پیچھے سے آوازیں دے رہے ہیں اور وہ بھاگ رہے ہیں۔ اب ہم کمرے سے باہر کھڑے تھے، پریشان تھے۔ ان لوگوں نے نہ تو ہمیں کمرے میں رہنے کو جگہ دی اور نہ ہی روٹی دی۔ چنانچہ چاروناچار واپس اس برج میں چلے گئے۔ اب رات یہیں بسر کرنا تھی۔ اتفاق سے ہم نے ''اڈا فقیراں'' میں ایک مزار پر سے دو چادریں اٹھالیں تھیں کہ راستے میں کام آئیں گی۔ نومبر کے دن تھے، ہمیں تو سردی لگنا تھی جب کہ ان مزار والوں کو ان چادروں کی کیا ضرورت تھی؟ جو منوں مٹی کے نیچے مردہ مدفون تھے۔ اب یہ دو چادریں ہمارے پاس تھیں اور پہنے ہوئے کپڑے تھے۔ دو دو آدمی ان چادروں میں برج کے کونوں میں لیٹ گئے مگر نیچے تو نمی تھی۔ سردی کڑاکے کی تھی۔ تھکن سے جسم چور تھا مگر بھوک بھی تو تھی جو الگ سے ستا رہی تھی۔ اس حالت میں نیند آتی تو کہاں سے

اور پھر غضب یہ کہ بارش شروع ہوگئی۔ اب اندھیرے میں اٹھے اور اردگرد ہاتھ مار کر لکڑیاں اکٹھی کیں۔ یہ لکڑیاں بھی کانٹے دار تھیں لہٰذا ہاتھ شل ہو گئے۔ سردی سے تخ اور دوسرا کانٹوں سے شل، بہر حال یہ لکڑیاں جلانا شروع کر دیں اور دو دو مجاہد سو گئے۔ طاہر صاحب لکڑیاں جلاتے رہے اور جب لکڑیاں ختم ہوگئیں تو برج کی چھت جو ایک جانب سے خستہ تھی، طاہر صاحب نے اس جانب سے چھت کی لکڑیاں کھینچ کھینچ کر جلانا شروع کر دیں۔ جب صبح کے وقت بیدار ہوئے تو طاہر صاحب چھت کی کافی لکڑیاں جلا چکے تھے۔ یہ تو اللہ کا کرم تھا کہ وہ ہم پر نہ گری وگرنہ اس کے گرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی کہ وہ پہلے ہی خستہ حال تھی پھر اس کے نیچے سے لکڑیاں کھینچ لی گئی تھیں اور بارش بھی ہو رہی تھی۔ بہر حال ہم نے صبح کی نماز ادا کی، بھوک سے برا حال تھا، رات بھر روٹی کی بجائے ہم نے دھواں کھایا تھا، ابھی بارش بھی ہلکی ہلکی جاری تھی، منزل ابھی نہ جانے کتنی دور تھی چنانچہ اللہ سے رو رو کر دعائیں کیں اور چل پڑے۔

فجر کی نماز پڑھ کر چلے تھے اب ظہر کا وقت قریب تھا کہ ہم قلعہ ''کومل'' میں پہنچ چکے تھے۔ یہ قلعہ بھی روسی بمباری سے تباہ حال تھا۔ یہاں سے ہمیں ایک پہاڑ دکھائی دیا کہ جس کے پیچھے آگ کا دھواں اٹھ رہا تھا مگر اب اتنی ہمت نہ تھی کہ وہاں پہنچیں۔ بہر حال مرتے کیا نہ کرتے بالآخر چلنا ہی پڑا۔ یہاں سے دو راستے نکلتے تھے، اللہ پر توکل کر کے ایک راستے پر چل کھڑے ہوئے۔ سر نیچے کیے، منہ لٹکائے، ایک دوسرے سے بے خبر تھوڑی دور تک یونہی چلتے رہے، اچانک مجھے خیال آیا، ساتھیوں پر نگاہ دوڑائی تو ہم پانچ ساتھی تھے۔ اللہ رے! یہ کیا ہوا، ہمارا چھٹا ساتھی کہاں گیا؟ یہ چھٹا ساتھی زکریا تھا۔ چنانچہ میں باقی ساتھیوں کو اپنی اپنی جگہ ٹھہرنے کا کہہ کر پندرہ منٹ کا سفر طے کر کے واپس آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ زکریا لیٹا پڑا ہے، اس کے دل سے درد اٹھ رہا تھا، میں نے اسے اٹھایا تو کہنے لگا: ''مجھے یہیں چھوڑ دو، مجھ میں ہمت نہیں۔'' بہر حال میں نے دلاسا دیا، ہمت بندھائی اور

اسے ساتھ لے کر باقی ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ تمام ساتھی بے سدھ لیٹے ہوئے ہیں اور سو رہے ہیں، اب انہیں جگایا، اٹھایا اور آگے کو چلے۔ کچھ دیر چلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دشت ہی دشت ہے۔ اب دشت میں چلیں تو کہاں تک؟ چنانچہ میں نے زید کو ہمراہ لیا، باقی ساتھیوں کو اسی جگہ کھڑا کیا اور اپنے پہلو میں واقع پہاڑ پر چڑھ گئے کہ شاید اس پار کوئی راہنمائی ہو۔ اب اللہ نے کرم کیا، یہاں ہمیں ایک بابا ملا، اس کے ہمراہ ایک عورت بھی تھی جو یہاں سے پانی بھر رہی تھی، ہم بابے کی کٹیا کی جانب چل دیے، اس کا کتا ہمیں بھونکتا رہا مگر ہم بابا کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے اس سے روٹی مانگی۔ اس نے انکار کر دیا...... بڑی منتیں کیں...... سماجتیں کیں...... مگر بابا نہ مانا۔ آخر کار زید کے سر پر موجود اونی ٹوپی کام آ گئی، یہ بابا کو پسند آ گئی تھی، یہ ٹوپی لے کر بابا نے ہمیں روٹی دی مگر روٹی بھی پوری نہیں بلکہ پونی دی۔ ہم یہ پون روٹی لے کر جب اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے تو سب اس روٹی کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے مگر اس سے کیا بنتا تھا؟ اب ہم اس بابا کے پاس گئے اور اس سے بکری کا ایک پٹھورا دو سو روپے میں خرید لیا، اسے ذبح کیا، گوشت بنایا۔ کلیجی، اوجھڑی اور پھیپھڑے کو پتھر کی سلوں پر کچا پکا بھونا۔ اسے پون روٹی کے ساتھ ہم چھ ساتھیوں نے کھایا...... پانی پیا...... اور اللہ کا شکر ادا کیا...... اب رات ہونے والی تھی، چنانچہ اسی جگہ پتھروں کی چار دیواری پر کچھ لکڑیاں پڑی تھیں، ہم نے پٹھورے کی کھال ان لکڑیوں پر پھیلا دی اور یہیں سو کر ہم نے رات بسر کر لی۔ ہمارے پاس سارے کا سارا گوشت محفوظ تھا۔ جب رات دو بجے کا وقت ہوا تو طاہر صاحب نے جن کا پہرا تھا انہوں نے ہمیں جگایا۔ ہمارے قریب ہی ایک ٹیوٹا جیپ کی آواز آ رہی تھی۔ ہم وہاں پہنچ گئے۔ اتفاق سے اس جیپ میں ہمارا ایک واقف کار افغانی آدمی تھا، وہ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گیا، جب ہم نے اسے بتلایا تو وہ کہنے لگا کہ میں کمانڈر عبدالرحیم سے بات کروں گا کہ اس نے تمہیں جیپ پر کیوں نہیں پہنچایا۔ اس کے بعد اس نے ہمیں ایک بوری سے پندرہ کلو آٹا نکال کر دیا،

سواریوں سے چندہ اکٹھا کیا۔ یہ چندہ تقریباً (۱۰۰) روپے ہوا۔ اس احسان کے بعد اس نے ہمیں کہا: ''تم ''بندر بستی'' کو پیچھے چھوڑ آئے ہو، اب آپ آگے جائیں تو اس راستے پر چلتے ہوئے عصر کے وقت ایک جگہ پہنچیں گے وہاں سے آگے بسیں مل جائیں گے۔'' آخر کار ہم اس جگہ پہنچے، یہاں ایک ٹرک والا بھی مل گیا، اس کے پاس برتن موجود تھا، وہ کہنے لگا گوشت میں پکاتا ہوں۔ چنانچہ گوشت اس نے پکایا جبکہ پتھروں کی سلوں پر ہم نے روٹیاں پکائیں، کھانا کھایا، رات گزاری اور اگلے دن پھر چل دیے۔ راستے میں دریا آ گیا، سردی بڑی شدید تھی اور دریا کا پانی بھی یخ بستہ تھا، اب ہم نے دریا پار کرنے سے قبل کھانا کھانے کا پروگرام بنایا۔ روٹی بڑی موٹی تھی، ہاتھ سے نہیں ٹوٹتی تھی چنانچہ ہم اسے گھٹنوں پر رکھ کر توڑتے اور نوالے لیتے۔ ہمارے ہاتھ اس قدر سن اور بے جان ہو گئے تھے کہ چلو بھر کر پانی نہ پی سکتے تھے۔ لہٰذا ہم نے مویشیوں کی طرح دریا کے کنارے لیٹ کے پانی پیا۔ بہر حال یہی وہ دریا تھا جسے ہم نے پار کرنا تھا۔ دریا کا پانی کافی تیز تھا، امیر سفر کی حیثیت سے سب سے پہلے میں خود دریا میں اترا، اسے پار کیا۔ میرے ساتھی مجھے دیکھتے رہے۔ پار جا کر میں نے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا: ''یار تم کیا بوٹ اتارو گے میں ہی ایک ایک کر کے تم سب کو دریا پار کروا دیتا ہوں۔'' لہٰذا میں واپس آیا اور پھر تمام ساتھیوں کو ایک ایک کر کے دریا کے کنارے لے آیا، یہاں سے آدھ گھنٹہ چلنے کے بعد بسوں کا اڈا آ گیا۔ یہ بڑا با رونق اڈا تھا، وہاں ہم نے اچھے سے ہوٹل میں قیام کیا، گوشت اور بچا ہوا آٹا ہوٹل والے کو دیا، کھانا کھایا اور رات سکون سے بسر کی ...... صبح بس پر بیٹھے...... ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے...... وہاں سے فیصل آباد آئے ......یہیں دوستوں سے پیسے لے کر سب ساتھی اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے۔

جہادی سفر کی فضیلت:

اللہ کے دشمنوں کو جہادی طمانچے مارنے کا جو کوئی ارادہ کرے تو اس کے لیے ایسے جہادی سفر ناگریز ہیں اور یہی وہ مشکلات ہیں جو مومن کو کندن بناتی ہیں۔ اسے اللہ کے بہت

زیادہ قریب کرتی ہیں۔ اس ضمن میں اللہ کے رسول ﷺ کا تبوک کی طرف سفر ہمارے لیے اسوہ اور راہنمائی کا مینار ہے، یہ سفر بڑا کٹھن اور دشوار گزار تھا۔ یہ تھا بھی گرمیوں کے سخت موسم میں۔ اس کے برعکس سردی کا سفر گرمیوں کی نسبت کم دشوار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے اس سفر کے لیے گرمی کی شدت کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ﴾ [التوبة:۸۱]

”کہتے ہیں (سخت) گرمی میں مت نکلو (میرے نبی! ان سے کہو) جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔“

اب وہ لوگ جنہوں نے تبوک کا سفر اختیار نہیں کیا اللہ نے ان پر عتاب نازل فرمایا اور جنہوں نے سفر اختیار کیا، بھوک پیاس اور تکالیف برداشت کیں، اللہ کے راستے میں مال خرچ کیا اور وادیاں طے کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجر وثواب اور جہادی سفر میں ان تکالیف کے بہرصورت پیش آنے کے بارے میں یہ تبصرہ فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [التوبه: ۱۲۰،۱۲۱]

”بات یہ ہے کہ (جہاد کرنے والوں کو) اللہ کے راستے میں پیاس نہیں لگتی، مشقت اور بھوک کا سامنا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ایسی جگہوں کو روندتے ہیں (کہ جن کے روندنے سے) کافر غصہ میں آئیں اور نہ ہی وہ دشمن کو کچھ نقصان پہنچاتے ہیں مگر (ان کارروائیوں کی وجہ سے) ان کے لیے عمل صالح لکھ لیا جاتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ اللہ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، وہ چھوٹی یا بڑی شے جو بھی خرچ

کرتے ہیں اور کوئی وادی طے نہیں کرتے مگر وہ ان کے کھاتے میں لکھ دی جاتی ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے بہت اچھے کام (جہاد) کا بدلہ ان کو دے ڈالے۔''

اولوالعزمی:

آگاہ رہنا چاہیے کہ جہاد کے راستے وہ پر مشقت راستے ہیں کہ جہاں اپنوں کی بے رخی کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا ہوتا ہے، ایسے مراحل اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بھی ہم جگہ جگہ دیکھتے ہیں اور افغانستان میں اپنے بھائیوں کے طرز عمل میں بھی ہمیں یہ مراحل دکھائی دیتے ہیں مگر اولوالعزمی اس کا نام ہے کہ مجاہد کسی مرحلے پر بددل نہ ہو بلکہ آگے بڑھتا رہے، اپنا راستہ بناتا رہے۔ جب وہ کوشش کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ راستہ دکھاتا رہے گا، یہ اس مالک کا وعدہ ہے۔مگر اللہ تعالیٰ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔

غزوۂ احد میں جب اسلامی فوج پر کفار نے یلغار کی تھی اور مسلمانوں پر اس قدر کٹھن وقت آیا کہ مشہور ہوگیا کہ اللہ کے رسول شہید ہوگئے تو اس پر اسلامی فوج کے کئی سپاہیوں نے ہتھیار رکھ دیے اور بددل ہو کر کہا: ''جب ہمارے سپہ سالار ہی نہیں رہے اور سپہ سالار بھی وہ کہ جو اللہ کے رسول ہیں تو اب جہاد کرنے کا کیا فائدہ......؟''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کر کے اصلاح فرمائی:

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: ١٤٤]

''نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی کئی رسول گزرے، کیا اب اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو ایڑیوں کے بل واپس پلٹ جاؤ گے (یعنی جہاد چھوڑ دو گے) اور جو کوئی واپس پلٹے گا تو اللہ کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور جہاں تک شکرگزاروں کا تعلق ہے اللہ انہیں

بدلے دے گا۔‘‘

چنانچہ اللہ کے رسول نے دوبارہ جہادی صفوں کو درست کیا، صحابہ نے سنبھل کر مشرکوں کا پیچھا کیا اور اللہ تعالیٰ نے میدان مسلمانوں کے حق میں کر دیا۔

نیا راستہ اور اس کے راہی:

ہمارے یہ نوجوان مجاہد بھائی کہ جن کے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی ان کی راہنما تھی، پکتیکا کے حالات نے انھیں بد دل نہیں کیا، وہ اب افغانستان کا کوئی اور محاذ ڈھونڈنے کی کوشش میں تھے۔ اللہ نے ان کی کوششوں کو کامیاب کر دیا اور انھیں نورستان کا راستہ دکھایا، مولانا خالد گرجاکھی جو کہ اس وقت بڑھاپے کی عمر میں ہیں، انھیں معلوم ہوا کہ وہاں تو اہل توحید نے اپنی حکومت قائم کر رکھی ہے تو جذبۂ جہاد سے لبریز وہ نورستان چلے گئے۔ انہوں نے یہ سفر ۱۹۸۲ء میں کیا۔

مولانا خالد گرجاکھی کا تعلق چونکہ گوجرانوالہ سے ہے جبکہ بھائی ذکی الرحمٰن صاحب بھی جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کے طالب علم تھے، اس دوران کچھ نورستانی طالب علم جامعہ محمدیہ میں داخل بھی ہو گئے تھے، چنانچہ نورستان کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد ۱۹۸۳ء میں ذکی صاحب اپنے چار ساتھیوں ریاض اسماعیل، محمد ایوب توحیدی، عبد الستار مبارک اور عبدالرحمٰن کے ہمراہ نورستان چلے گئے، وہاں ذکی صاحب نے پانچ ماہ قیام کیا۔ اس اولین قافلے کے تمام تر اخراجات کا بندوبست مولانا قاری محمد یحییٰ ؒ مدرس جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ نے کیا۔

ذکی الرحمٰن صاحب جب دوسری بار نورستان گئے تو ان کے ساتھ ان کے استاذ مولانا حافظ عبد المنان نور پوری صاحب بھی گئے، واپسی پر انہوں نے ’’آئینۂ نورستان‘‘ کے نام سے چھوٹا سا پمفلٹ لکھا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ راقم کو محمد صدیق بادشاہ بٹ ؒ کی معرفت نورستان کا تعارف ہوا، چنانچہ میں بادشاہ بٹ کے ہمراہ مولانا خلیق الرحمٰن لکھوی کے گاؤں ان کے گھر گیا،

بھائی ذکی الرحمٰن بھی وہاں موجود تھے، ان سے ملاقات کی، نورستان کے کمانڈر عبداللہ شیر گل سے بھی ملاقات ہوئی اور پھر نورستان جانے کا عزم کرلیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں نورستان کے تعارف سے اور جہاد کے نام سے لوگ کس طرح مذاق کیا کرتے تھے مگر ذکی صاحب منتیں کرکر کے، جہاد کی فضیلتیں بتا بتا کر اپنے مدرسے کے ساتھیوں کو تیار کرتے اور پھر نورستان کا انتہائی دشوار گزار سفر اختیار کرتے۔

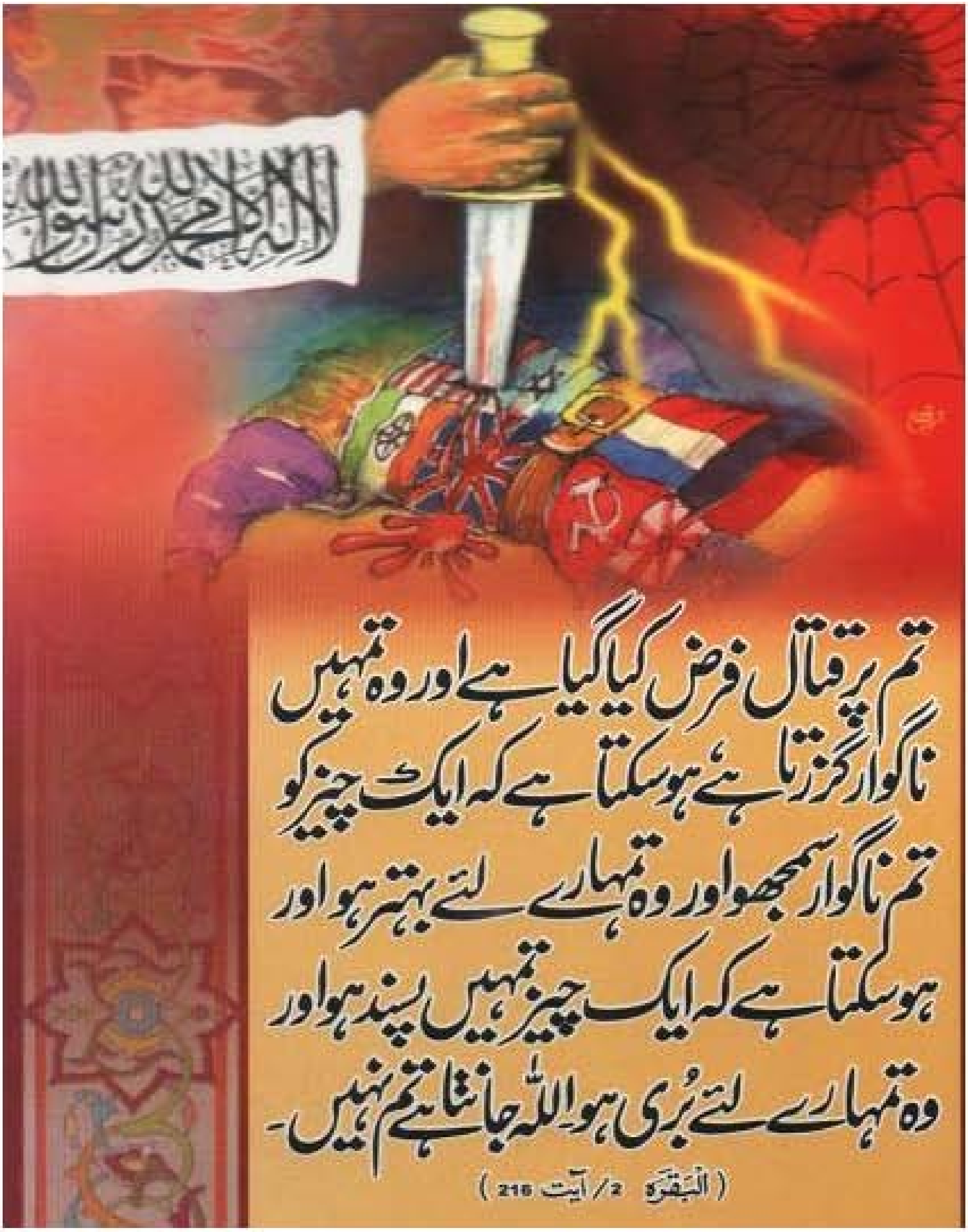
ذکی صاحب سے میرا رابطہ ۱۹۸۴ء میں ہوا تھا۔ اس سال تو میں نورستان نہ جا سکا چنانچہ اگلے سال کی گرمیوں میں میں نے موصوف کا پتا کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو نورستان جا چکے ہیں۔ چنانچہ میں ۱۸ اگست ۱۹۸۵ء کو ذکی صاحب کے پیچھے نورستان جانے کے لیے ایک نورستانی عبدالغفور نون کے ہمراہ پشاور میں نورستان کے دفتر میں پہنچا۔ دو دن یہاں قیام کیا اور پھر میں ۲۱ اگست کو بائی ایئر چترال پہنچا۔ چترال میں بھی نورستانیوں کا دفتر تھا۔ رات وہاں رہا اور اگلے دن جیپ پر بیٹھ کر وادی بمبریت جا پہنچا۔ وہاں ایک نورستانی کا گھر ہی نورستان کا دفتر تھا۔ نورستان جانے والے بھی رات یہاں قیام کرکے آگے کو روانہ ہوتے اور نورستان کی طرف سے آنے والے بھی یہاں رات قیام کرکے واپس آتے۔ بہر حال میں بھی ۲۲ اگست کو رات اسی گھر میں سویا۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ بھائی ذکی الرحمٰن صاحب تین نورستانی طالب علموں کو لیے ہوئے یہاں پہنچے۔ اب میں نے ذکی صاحب کے سامنے اپنا عزم ظاہر کیا تو کہنے لگے: ''آپ اب میرے ساتھ واپس جائیں، اگلے سال ان شاء اللہ اکٹھے نورستان جائیں گے۔'' چنانچہ میں ذکی صاحب کے ساتھ واپس آگیا۔ پشاور پہنچے تو قاری یحیٰی صاحب بھی جو کہ نورستانی مجاہدین کے لیے امدادی سامان کا ٹرک لائے تھے اپنے شاگردوں کے ہمراہ پشاور میں موجود تھے، بھائی محمد بن عبدالغفور سے بھی یہاں ملاقات ہوئی، یہ ان دنوں نورستان کے دفتر کی ٹیوٹا گاڑی چلایا کرتے تھے۔

۲۶ اگست کو راقم اور ذکی الرحمٰن لاہور پہنچے۔ ذکی صاحب رینالہ خورد کی طرف چلے گئے

جب کہ مجھے یہ ذمہ داری سونپی کہ میں پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب سے ملوں اور ان کو نورستان کے حالات سے آگاہ کر کے انہیں نورستان کے لیے تعاون کرنے پر آمادہ کروں۔ چنانچہ میں اسی روز پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب سے ان کے گھر انجینئرنگ یونیورسٹی میں ملا اور تمام تر تفصیلات سے آگاہ کیا۔ حافظ صاحب نے میری گفتگو کو بغور اور دلچسپی سے سنا اور اس روز صبح کا ناشتہ ہم نے اکٹھے کیا۔

اگلا سال ۱۹۸۶ء کا تھا، یہی وہ سال ہے کہ ۴ جولائی کو لاہور سے ایک وفد نورستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس وفد میں راقم بھی شامل تھا۔ اب آپ نورستان کے سفر کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

❊❊❊



تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں
ناگوار گزرتا ہے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو
تم ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور
ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور
وہ تمہارے لئے بُری ہو اللہ جانتا ہے تم نہیں۔
(البقرہ 2/ آیت 216)

دوسرا باب

قافلہ دعوت و جہاد ''نورستان'' کے سفر پر

قافلہ دعوت و جہاد ''نورستان'' کے سفر پر

محل وقوع:

نورستان پاکستان کے شمال میں ضلع چترال کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں افغانستان کا صوبہ بدخشاں اور مغرب میں کابل، جلال آباد اور نورستان کے درمیان وادی پنج شیر حائل ہے۔ نورستان سلسلہ کوہ ہندوکش کے دامن میں واقع ہے۔ نورستان کا کل رقبہ تقریباً تیس ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ نورستان صوبہ ننگر ہار، کنڑ اور لغمان کی تین وادیوں پر مشتمل ہے۔ مشرقی علاقے کو شرقی نورستان، مغرب میں واقع علاقے کو غربی نورستان اور ان دونوں کے درمیانی خطے کو وسطی نورستان کہتے ہیں۔

کافرستان سے نورستان تک:

برصغیر کے معروف عالم دین سید سلیمان ندوی اپنے سفر کے واقعات میں جو انہوں نے شاہ افغانستان نادر شاہ کی دعوت پر ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال اور سر راس مسعود کے ہمراہ کیا تھا، کابل کے عجائب گھر کو دیکھنے کے بعد اپنے سفر نامہ ''سیر افغانستان'' میں لکھتے ہیں:

''مجسموں کے سلسلے میں سب سے عجیب چیز بلکہ اسی عجائب خانہ کے ساتھ مخصوص چیز کافرستان (جس کو اب امیر عبد الرحمٰن کی فتح کے بعد نورستان کہتے ہیں) کے قدیم مذہب کے بت تھے۔ خاص قسم کی موٹی لکڑیوں کی تقاطیع سے مختلف شکلیں

بنائی گئی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ مہیب لڑائی کے دیوتا کا مجسمہ تھا۔ لکڑی کے قوی ہیکل گھوڑے پر لکڑی کا یہ تنومند اور قد آور دیوتا سوار تھا۔ اسی طرح دوسرے کاموں کے الگ الگ دیوتاؤں کی مناسب شکلیں تھی۔ یہ شکلیں لکڑی کو کھود کر یا چھیل کر نہیں بنائیں گئیں بلکہ لکڑی کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کاٹ کر اور ایک دوسرے سے جوڑ کر بنائی گئی ہیں۔"

وادیٔ پارون کا "ایل مکہ" یعنی بڑا مکہ:

وسطی نورستان کی وادی پارون کے ایک گاؤں کا وہ مقام مجھے دکھایا گیا جسے یہ لوگ "ایل مکہ" یعنی بڑا مکہ کہتے تھے اور اس میں انہوں نے ۳۶۰ بت (بزرگوں کے پتھری مجسمے) رکھے ہوئے تھے اور ان بزرگوں کو یہ لوگ اہل، عزت اور منوت کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ مزید یہ کہ بچیوں کا قتل اور دیگر رسومات میں یہ اپنے آباؤ اجداد سے کسی طور کم نہ تھے۔

والیٔ افغانستان کا کافرستان پر حملہ:

۱۸۹۶ء تک یہ لوگ اپنی اسی حالت پر تھے کہ افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن نے ان قبائل کو زیورِ اسلام سے آراستہ کرنے کے لیے ان پر حملہ کردیا۔ شروع شروع میں امیر کے لشکر کو ہزیمت اٹھانا پڑی لیکن آخر کار امیر کی فوجوں نے ان قبائل کو زیر کر ہی لیا اور مبلغین کی جد و جہد سے یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اب جو لوگ مسلمان نہ ہوئے وہ بمبریت، گابور اور اڑمبور (پاکستان میں کافرستان کا علاقہ) میں مقیم ہو گئے۔ والیٔ چترال جو چترال پر ان کی آئے دن کی غارت گری سے تنگ تھا، اس نے بھی ان پناہ طلب کرنے والوں پر احسان کرتے ہوئے انھیں راستوں میں بسا دیا تا کہ یہ لوگ آپس میں لڑتے رہیں اور اہل چترال ان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو جائیں۔

حملے کے بعد اہل نورستان کی مذہبی حالت:

والیٔ افغانستان کی کوشش سے یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل تو ہو گئے یعنی ان کا وطن

کافرستان سے نورستان تو بن گیا لیکن یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے باوجود قبر پرست، مشرکانہ عقائد، مذہبی و معاشرتی حالت میں بدعات اور غیر اسلامی رسومات کے حامل بھی چلے آرہے تھے اور افغانستان کی اکثریت حنفیمذہب کی پیروکار ہونے کی دعوے دار بھی تھی۔

سلفی دعوت کے علمبردار سے ملاقات:

نورستانی قوم کو حنفیت سے سلفیت یعنی تقلید سے تحقیق کی طرف راہنمائی کرنے کا سہرا مولانا ابراہیم حفظہ اللہ کے سر ہے۔

جب ہم ان کے قصبے پشاورک تک پہنچے تو مولانا ملیریا اور گردہ کی درد کی بنا پر صاحب فراش تھے۔لہذا ہم عیادت کے لیے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے ساتھی ڈاکٹر احمد جاوید صاحب نے ان کا علاج شروع کیا۔مولانا اپنی مادری زبان نورستانی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو اور پشتو کے ماہر ہیں۔آپ ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے پاکستان آکر پشاور کے قریب تھکال بالا میں مشکوٰۃ وغیرہ پڑھنے کے بعد گوجرانوالہ میں استاذ الاساتذہ الحافظ محمد صاحب گوندلوی حفظہ اللہ سے علم حاصل کیا اور بخاری شریف کا درس لے کر جب واپس وطن پہنچے تو قرآن وحدیث کے نور کو پھیلانے کا مصمم ارادہ کیا اور ابتداء پشاورک کی مسجد میں درس حدیث سے کی۔ جب دعوت پھیلنے لگی تو مولانا ابراہیم حفظہ اللہ نے چترال سے تیل اور چراغ منگوا کر اپنا کام جاری کردیا۔تو مولانا کی شکایات حکومت تک پہنچنا شروع ہوگئیں جن کے متعلق آئندہ تفصیلی ذکر آئے گا۔

امیر دولت اور نائب امیر کے مختصر حالات:

مولانا محمد افضل شرقی نورستان کے گاؤں نیک موک میں ایک جید حنفی عالم سید محمد کے گھر پیدا ہوئے، فنون کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد پاکستان کے شمالی علاقے منگورہ (سوات) کے مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ازاں بعد کچھ دیر تک کابل میں تعلیم حاصل کی

اور آٹھویں سال دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔

مولانا ابراہیم ﷾ جو کہ آپ سے قبل میدان تقلید سے گلستان توحید میں قدم رکھ چکے تھے، ان سے دوران تعلیم آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان ملاقاتوں سے دورۂ حدیث کے دوران غور و فکر نے آپ کو تقلیدی قید سے آزاد کر کے قرآن و حدیث کی آزاد فضا کا باز بنا دیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد واپس آ کر آپ نے اپنے علاقے میں دعوت سلفیت کا کام زور وشور سے شروع کر دیا۔

تیسرے بڑے داعی اور مجاہد مولانا محمد اسحاق صاحب ہیں، انہوں نے بھی پاکستان کے حنفی مدارس سے سند فراغت حاصل کی پھر بحث و تمحیص اور فکر و تدبر نے آپ کو حق پرستی کے زیور سے آراستہ کیا اور اپنے علاقے پٹپروک میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مولانا عربی زبان میں گفتگو فرما لیتے ہیں۔ دوران گفتگو ایک دفعہ کہنے لگے کہ طالب علمی کے دور کا قیمتی وقت ہم نے فضول قسم کے فنون کے حصول میں ضائع کر دیا، کاش ان اوقات میں بھی قرآن و حدیث کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھرا ہوتا۔

سادگی کا یہ عالم کہ دار الحکومت کی جامع مسجد کے ایک چشمے پر مسجد کا خادم اور مولانا دونوں آمنے سامنے بیٹھے کپڑے دھو رہے تھے۔

مولانا اسحاق صاحب جو کہ قاضی کے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں، منڈاگل کے ایک شخص بہلول کو اپنے ہی گاؤں کے ایک شخص یملی کے قصاص میں حد قصاص جاری کرتے ہوئے اسے قتل کرنے کی سزا سنا چکے ہیں۔ آپ کے حکم کے مطابق قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے بہت بڑے اجتماع میں اسی آلہ کے ساتھ قاتل کو قتل کر دیا جس آلہ کے ساتھ بہلول نے یملی کو قتل کیا تھا۔

اب ہم نورستان میں سلفی دعوت کے تینوں داعیوں مولانا ابراہیم صاحب، مولانا محمد افضل صاحب اور مولانا محمد اسحاق صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہونے

والی گفتگو کی روشنی میں دعوت قرآن و حدیث، جہاد اور قیام دولت کا مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حنفیت سے سلفیت تک کی تحریک دعوت وعزیمت:

عوام الناس کی شرکیہ خرافات اور علماء کے تقلیدی اور جمہوری مذہب کے خلاف جب تینوں داعیان حق میدان دعوت وعزیمت میں کود پڑے اور سادہ طبیعت کے حامل کوہستانیوں کو قرآن وسنت کے آسان اور فطری دین سے آشنا کرنے لگے تو رواجی مذہب کے علمبردار اور پیشوا تلملا اٹھے اور جب انہوں نے میدان علم وتحقیق میں اپنے آپ کو بے بس محسوس کیا تو ذہنی مصائب سے ان داعیان حق کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ حتیٰ کہ مساجد سے دھکے دے کر نکالا گیا۔ چراغ اٹھوا کر ان کے دروس حدیث بند کر دیے گئے لیکن ایسے ہتھکنڈوں سے جب دعوت حق سکڑنے کی بجائے پھیلتی ہی چلی گئی تو یہاں کے علماء گورنر کے پاس جا پہنچے کہ یہ تین ملحدین (نعوذ باللہ!) ملک کے سرکاری اور مسلمہ حنفی مذہب کے خلاف کسی اور ہی مذہب کی ترویج کر کے انتشار پھیلا رہے ہیں۔ گورنر نے تینوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ مگر جب اس نے حبشہ میں نجاشی کے سامنے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے احقاق حق کی طرح ان کی حقیقت سے لبریز تقریر کو سنا تو حقائق کو ٹھکرانے کی ہمت نہ پاتے ہوئے اس قضیے کو مرکزی حکومت کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا کابل کی سپریم کورٹ میں سرکاری مذہب کی خلاف ورزی پر توہین مذہب کا مقدمہ درج کرایا گیا اور حکومت کی نگرانی میں کئی مناظرے بھی ہوئے لیکن ان مناظروں میں بڑے بڑے سرکاری علماء جو دلائل و براہین کی تاب نہ لا سکے تھے، کو پشیمان اور نادم ہونا پڑا۔

اس دوران ایک مرتبہ مولانا ابراہیم صاحب کو ظاہر شاہ نے سرکاری مذہب کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دستور افغانستان کے مطابق سربراہ مملکت کا حنفی المسلک ہونا ضروری ہے۔'' مولانا نے جرأت سے جواب دیا:

''مگر میں سربراہ مملکت نہیں ہوں۔''

غرض جب مادی، مذہبی اور سیاسی قوت کے اتحاد نے محسوس کیا کہ ان کو دلیل اور لالچ سے دبایا نہ جا سکے گا تو پھانسی کی دھمکیاں دے کر نظر بند کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ایوان حکومت ہی سے داعیان حق کے ایک ہم قوم کو ان کی نصرت کے لیے پیدا فرما دیا، جس کی کوشش سے اللہ کے یہ بے باک سپاہی دوبارہ اپنے وطن کو قرآن وسنت کے نور سے حقیقی نورستان بنانے میں مصروف ہو گئے اور دن بدن نورستان میں نور الٰہی کا اجالا تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔

دوران دعوت کمیونسٹ انقلاب کا حادثہ:

اب جب پورے نورستان میں دعوت سلفیت کا کام جاری تھا اور دعوت حق کی طرف طبعی میلان رکھنے والے بعض علمائے احناف بھی شرک وبدعت کے خلاف مبلغین تحریک سلفیہ کے ساتھ تعاون کر رہے تھے تو انہوں نے اپنے مشن کو مزید ترقی دینے کے لیے ایک نظم کے تحت کام کرنا پسند کیا اور مولانا محمد افضل صاحب جو شرقی نورستان کے ایک بلند پایہ عالم دین ہیں، کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔

اس نظم کے تحت سلسلۂ دعوت جاری تھا کہ انہی دنوں ظاہر شاہ کا وزیر اعظم اور قریبی رشتہ دار سردار داؤد افغانستان کی کمیونسٹ پارٹیوں خلق اور پرچم کے تعاون سے ظاہر شاہ کی عدم موجودگی میں تخت افغانستان پر قابض ہو گیا۔ اب علمائے حق نے کمیونسٹوں کے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے مولانا افضل صاحب کی بیعت کی اور تجدید عہد کرتے ہوئے کار دعوت میں اور زیادہ سرگرم ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد سردار داؤد نے بھی کمیونسٹوں کو اپنی حکومت کے لیے خطرہ محسوس کیا اور پاکستان اور سعودی عرب کا دورہ کرتے ہوئے اسلامی ممالک کی طرف دست تعاون بڑھایا تو روس کی شہ پر اپریل ۱۹۷۸ء میں کمیونسٹوں نے خونی انقلاب برپا کر کے داؤد کی لاش کو اس کے محل کے سامنے بے گور وکفن پھینک دیا اور راہ گیروں کو اس پر

تھوکنے کا حکم دیا تا کہ آئندہ آنے والوں کو یہ سبق مل سکے کہ جو جن آقاؤں کے کندھوں پر سوار ہو کر تخت حکومت تک پہنچے اس پر لازم ہے کہ ان کی ہاں میں ہاں ملا کر چلے۔

داؤد کے بعد ایک سکول ماسٹر نور محمد ترہ کی کو کرسی اقتدار پر بٹھایا گیا۔ اب کفر والحاد اپنا نقاب ہٹاتے ہوئے کھل کر سامنے آ چکا تھا۔ پھر جب ۱۹۷۹ء میں روس نے باقاعدہ اپنی افواج بھی افغانستان میں داخل کر دیں تو شرقی نورستان کے علماء نے مولانا محمد افضل صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے افغانستان میں پرچم اسلام بلند کرنے کے لیے عملی جدوجہد کا اعلان کر دیا۔

جہاد کی ابتدا:

شرقی نورستان میں تحریک جہاد ابھی تیاری کے مراحل میں تھی کہ غربی نورستان کے درۂ کلم اور اشوک وغیرہ کے مجاہدین نے مقامی چھاؤنی پر ہلہ بول دیا اور جہاد کی ابتداء کر ڈالی۔ اس واقعہ کے ٹھیک بیس دن بعد وسطی نورستان سے وادی وائیگل کے مجاہدین نے مقامی تھانا پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ غربی و وسطی نورستان میں بغاوت کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان حالات کو کچل دینے کا جو پروگرام بنایا گیا تھا اس کی اطلاع بھی علمائے حق کو ہو چکی تھی۔لہذا کمیونسٹوں کے حملے سے قبل ہی مولانا محمد افضل صاحب نے علماء کا ایک اجلاس طلب کیا اور پاکستان کے علاقہ غیر سے رابطہ کر کے پچاس دستی بم، پرانے ماڈل کی بنی ہوئی ایک سو رائفلیں اور چند سو کارتوس حاصل کر لیے۔

میدان کارزار میں:

قبل اس کے کہ کمیونسٹوں کی طرف سے کوئی کارروائی ہوتی، مولانا عبد اللہ طویل (شیر گل) کی زیر کمان چار سو مجاہدین نے کامدیش چھاؤنی پر حملہ کر دیا۔ بندوقوں اور دستی بموں کی کمی کی وجہ سے اکثر مجاہدین کے پاس کلہاڑے، بیلچے اور ڈنڈے تھے، ادھر چھاؤنی کے اندر

چار سو سے زائد افراد کلاشنکوفوں، مشین گنوں ، راکٹ لانچروں اور بکتر بند گاڑیوں سے مسلح موجود تھے۔ تین دن تک مجاہدین نے چھاؤنی کو گھیرے میں رکھا۔ آخر کار تیسرے دن گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ایک سو ستر سوشلسٹ جہنم رسید ہوئے اور باقی تمام فوجی اسلحہ اور کچھ زخمی ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جنھیں زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ ادھر شرقی نورستان کے سب سے بڑے قصبے برگ متال پر بھی صرف ایک رات کے اندر اندر مجاہدین نے قبضہ مکمل کر لیا۔ اس کے بعد مختلف وقفوں سے کئی ایک جھڑپیں ہوئیں لیکن کامدیش چھاؤنی جہاں پر افغان کمیونسٹ حکومت نے ۲۵ ہزار کا مسلح لشکر روانہ کر دیا تھا، مجاہدین کو سردست پیچھے ہٹنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے ان حالات میں افغانستان کے صوبہ بدخشان کا رخ کیا۔

بدخشان میں فتح اور وہاں شرک کے اڈوں کی مسماری:

افغانستان میں قمری ہجری سال جو کہ چاند کے حساب سے پورے عالم اسلام میں رائج ہے، کے ساتھ ساتھ شمسی ہجری بھی رائج ہے۔ اس اعتبار سے اگلے سال ۱۳۵۸ شمسی ہجری میں مولانا عبدالحی سلفی (شہید) کی کمان میں وسطی نورستان سے بدخشان کی طرف دوسو افراد کا دستہ روانہ ہوا۔ بدخشان کے گاؤں ''نو'' میں سوشلسٹوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ایک دن کی جنگ کے بعد مجاہدین ان کا تعاقب کرتے ہوئے منجان اور کران تک پہنچ گئے۔ ازاں بعد شرقی نورستان سے مولانا محمد اللہ صاحب کی کمان میں مزید تین سو افراد کی کمک بھی پہنچ گئی۔ اب مجاہدین پورے بدخشان کو فتح کرتے ہوئے فیض آباد تک پہنچ گئے۔ اس دوران مولانا محمد اللہ ایک ہوائی حملے میں شہید ہو گئے اور اسلام کا یہ لشکر صوبہ بدخشان کا تمام کنٹرول جمعیت اسلامی کے حوالے کر کے واپس نورستان آ گیا۔

پھر جب کمیونسٹوں کو معلوم ہوا کہ نورستانی واپس جا چکے ہیں تو انہوں نے ایک معمولی معرکہ کے بعد بدخشان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

بدخشان کی فتح کے دوران جتنے بھی شرک کے مراکز مقبرے اور آستانے مجاہدین کے راستے میں آئے سب ملیامیٹ کر دیے گئے اور یوں ان موحدین نے سنت ابراہیم کو زندہ کر کے اپنے وحدہ لاشریک لہ مالک کو خوش کر کے اپنا سینہ ٹھنڈا کیا، جس سنت کا احیاء قریب کے دور میں محمد بن عبد الوہاب اور محمد بن سعود اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کر چکے ہیں۔

جس طرح ہمارے ہاں کسی پاگل آدمی کو مجذوب ولی کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے اسی طرح افغانستان میں عقل سے عاری ایک بابے کو ''دیوانہ بابا'' کے نام سے پہنچی ہوئی سرکار مشہور کر دیا اور اس کے قصبہ میں شرک کی خوب آبیاری کی گئی۔ تو شرقی نورستانیوں نے نہ صرف یہ کہ دیوانہ بابا کے قصبہ کو شرک سے پاک کر دیا ہے بلکہ اس جیسے تمام علاقوں سے شرک و بدعت کا نام ونشاں تک مٹا ڈالا ہے جو ان کے قبضہ میں آئے۔

قیام امارت:

مفتوحہ علاقوں پر مکمل کامیابی حاصل کرنے کے بعد علمائے سلف اور احناف کے ایک بہت بڑے اجتماع نے ۱۳۵۷ ہجری شمسی میں مولانا محمد افضل صاحب کو متفقہ طور پر امیر منتخب کر کے بیعت کر لی اور نورستان میں دولت انقلابی اسلامی افغانستان کے قیام کا اعلان کر دیا گیا جس میں اجتماعی اور انفرادی زندگی کے لیے کتاب وسنت کو ہی قانون دولت تسلیم کر لیا گیا۔

کاروان نورستان:

۱۔ امیر سفر مولانا عبدالرحمٰن کیلانی
۲۔ مولانا ذکی الرحمٰن لکھوی
۳۔ ڈاکٹر احمد جاوید
۴۔ مولانا وسیم احمد
۵۔ ابو صفی صاحب
۶۔ نجیب الرحمٰن کیلانی
۷۔ محمد جمشید احمد
۸۔ نوید صاحب
۹۔ عبدالرشید
۱۰۔ محمد حسین نورالدین لکھوی
۱۱۔ امیر حمزہ (راقم)

یہ کارواں ۴ جولائی ۱۹۸۶ء کو رات کے ساڑھے آٹھ بجے لاہور سے روانہ ہو کر صبح سویرے صوبہ سرحد کے صدر مقام پشاور پہنچا۔

چترال:

اب ہم گیارہ ساتھی سات جولائی کو صبح نو بجے ایک افغانی گاڑی بک کروا کر روانہ ہوئے۔ دیر جو کہ سرحد کا ایک ضلعی مقام ہے یہاں تک سڑک بڑی صاف اور عمدہ ہے۔ دیر شہر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گاڑی نے ایک بلند وبالا پہاڑ چڑھنا شروع کر دیا۔ اس پہاڑ کے چڑھنے اور اترنے میں چار پانچ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں اور گاڑی انتہائی خطرناک موڑ کاٹتی ہوئی ۴۵ سیڑھی نما چڑھائیاں چڑھتی ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی کو ''لواری ٹاپ'' کہتے ہیں اور یہ چوٹی دس ہزار پانچ سو فٹ کی بلندی پر ہے۔ یہاں اتنی تیز اور سرد ہوا چل رہی تھی کہ تمام ساتھیوں نے سویٹر اور گرم چادریں اوڑھ لیں۔

اس سفر کو آسان بنانے کے لیے حکومت نے اس پہاڑ میں سرنگ نکالنے کا کام شروع کر رکھا ہے۔ یہ سرنگ مکمل ہونے پر اس خطرناک سفر کے تین چار گھنٹے بچ جائیں گے اور سردیوں کے برف باری کے موسم میں راستہ کھلا رہنے کی آسانی پیدا ہو جائے گی۔ رات بارہ بجے ہم چترال میں دولت کے دفتر پہنچے اور یہ سفر ۱۵ گھنٹوں میں طے ہوا۔

نورستان میں داخل ہونے کے راستے:

چترال سے نورستان جانے کے لیے چار راستے ہیں۔ چترال سے دو گھنٹے میں جیپ دریا کے کنارے کنارے ایک خوبصورت قصبے ''ایون'' پہنچتی ہے۔ ایون سے تقریباً ۱۵ منٹ چلنے کے بعد دریائے کابل عبور کر کے ایک بائیں طرف وادی ''اڑمبور'' ہے جسے وادی کالاش اور کافرستان بھی کہتے ہیں، کی طرف جاتی ہے جو یہاں سے بذریعہ جیپ تقریباً آدھے گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ اڑمبور پہنچنے کے بعد آگے ان نورستانیوں کی چند آبادیاں ہیں جو پاکستان

میں آباد ہو گئے ہیں، ان آبادیوں سے گزرنے کے بعد پہاڑ پار کر کے نورستان میں داخلے کا راستہ ہے، لیکن یہ راستہ عام گزرگاہ نہیں ہے، اس لیے انتہائی مشکل ہے، جسے عبور کرنا ان نورستانیوں کے علاوہ ہمارے بس کا روگ نہیں ہے۔ اسی پل سے بائیں طرف وادی بمبریت ہے اور ایک گھنٹے کے فاصلے پر ہی اسی وادی کا گاؤں شیخاندہ واقع ہے جو بمبریت وادی کی وجہ سے بمبریت کے نام سے ہی مشہور ہے۔ اس گاؤں سے آگے تین چار گھنٹے پیدل سفر کرنے کے بعد بمبریت کا پہاڑ پار کر کے نورستان میں داخلے کا راستہ ہے۔ یہ راستہ بہت زیادہ مستعمل اور گھوڑوں کا راستہ ہے۔ اڑمبور اور بمبریت کے پہاڑوں کو پار کرنے کے بعد پھر دونوں کا راستہ ایک ہو کر ایک ہی وادی سے ہوتا ہوا برگ مٹال جا پہنچتا ہے۔ باقی راستوں کا ذکر آگے آئے گا جہاں سے ہم نورستان میں داخل ہوتے ہیں۔

قدرت الٰہیہ کا کرشمہ یعنی برفوں میں گرم چشمہ:

چترال پہنچنے کے دوسرے ہی دن ہم نے بستر بند، بوٹ اور دیگر ضروری اشیاء خریدیں اور وائی، زیڈ ہوٹل سے کھانا کھا کر گرم چشمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ گرم چشمہ اچھا خاصا قصبہ ہے۔ یہاں تک کا سفر جیپ نے تقریباً ۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دو گھنٹہ میں طے کیا۔ رات یہاں دریا کے کنارے ایک خیمہ نما ہوٹل میں بسر کی اور صبح گرم چشمہ دیکھنے کو نکلے، اسی چشمہ کی وجہ سے اس قصبے کا نام گرم چشمہ ہے۔ اللہ قادر مطلق نے یہاں پر ایک ایسا چشمہ جاری فرما دیا ہے جس کا پانی اتنا گرم ہے کہ اس میں انڈا ابالا جا سکتا ہے۔ گندھک کی آمیزش اتنی مقدار میں ہے کہ قریب آتے ہی گندھک کی بو آنا شروع ہو جاتی ہے اور مزید یہ کہ میٹھے اور کھارے پانی کے دریا ایک ساتھ مگر الگ الگ جاری فرمانے والے اس باری تعالیٰ نے اس چشمے کے ساتھ ہی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ بھی جاری فرما رکھا ہے۔ حکومت نے اب اس چشمہ سے پائپ نکال کر بڑے نفیس اور عمدہ غسل خانے بنا دیے ہیں تا کہ جو لوگ جلدی امراض کی شفایابی کے لیے یہاں نہانے کے لیے آتے ہیں ان کے لیے آسانی پیدا ہو

جائے۔ہم تمام ساتھیوں نے گندھک کا یہ پانی ٹھنڈا کر کے پیا لیکن غسل کی توفیق مجھ اکیلے کو ہی نصیب ہوسکی۔

سیر وتفریح کرنے کے بعد گرم چشمہ میں مقیم دو نورستانی بھائیوں کی موجودگی میں انتخاب راستہ کے لیے مشورہ ہونے لگا۔یہاں سے دریا کے کنارے کنارے گاوور اور دیوانہ بابا سے ہوکر بھی ایک راستہ نورستان کو جاتا ہے لیکن معلوم ہوا کہ یہ راستہ مسافت کے اعتبار سے کافی زیادہ ہے لیکن چڑھائی کے لحاظ سے آسان ہے۔جب کہ چوتھا راستہ اس کے برعکس مسافت کے لحاظ سے تقریباً نصف اور چڑھائی کے حساب سے کافی مشکل ہے۔بہرحال مشورے کے بعد چوتھا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ایک ایک بستر، ایک ایک سوٹ اور سفر کے سامان خورد ونوش کے علاوہ بقیہ تمام سامان یہیں رکھ دیا جائے۔کیونکہ دوران سفر اپنے آپ کو ہی لے کر چلنا بڑا مشکل ہوتا ہے جب کہ سامان بعد میں نورستانی بھائیوں کے ذریعہ بھیج دیا جائے گا۔

رات کا پیدل سفر:

۸ جولائی کو رات کے آٹھ بجے ایک نورستانی برادر غلام الرحمٰن کی رہنمائی میں ہم دو دو کی ٹولیوں میں دریا پار کرکے بائیں طرف کی ایک وادی میں روانہ ہوئے۔راستے میں دس دس فٹ چوڑے نالے بھی آئے جن پر سے گزرنے کے لیے شہتیر پڑا ہوتا تھا۔لائٹ جلا جلا کر ایک ایک کرکے ہم ان نالوں سے گزرتے رہے۔کبھی آبشاروں اور چشموں کے پانیوں میں سے بوٹوں کو بھگو کر سفر کرتے رہے اور کبھی سینکڑوں فٹ گہرے کھڈوں کے تنگ کناروں پر مارچ کرتے رہے۔تھک کر جب کچھ دیر آرام کرتے تو بے ساختہ گر پڑتے اور کمر سے بندھے ہوئے بستر پر ٹیک لگا کر آسمان دنیا کی زینت کا نظارہ کرتے۔کیونکہ ستاروں کی کثرت اور کہکشاؤں کی جیسی جگمگاہٹ اس سفر اور نورستان میں قیام کے دوران دیکھی اس سے پہلے زندگی بھر نہیں دیکھی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ہم کافی زیادہ بلندی پر تھے اور

دوسرا یہ کہ میدانی علاقوں کی نسبت کوہستانی اور خاص طور پر سرسبز پہاڑی علاقوں میں خاکی ذرات کی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے فضا بہت زیادہ صاف ہوتی ہے اور نگاہ تدبر کے لیے زینت آسمان کے منظر کو خوب اجاگر کرتی ہے۔لہذا یہ منظر دیکھ کر میرے دل میں یونہی خیال آنے لگا کہ اپنے مالک کی ملاقات کے لیے ملک الموت کے نورانی پروں پر سوار ان کہکشانی علاقوں میں پرواز ہوگی تو کیا ہی لطف ہوگا۔(سبحان اللہ!)

دلدلی راستہ:

رات کے اندھیرے اور پر خطر راستہ کی پیچیدگیوں نے ہمیں ایک دلدل تک پہنچا دیا حتیٰ کہ ایک دلدلی زمین میں ہمارے پاؤں پھنسنے لگے۔بہر حال تیز چلنے والے ساتھی غلام الرحمٰن کے پیچھے پیچھے اتنا آگے نکل گئے کہ پچھلے ساتھی راستہ بھٹک گئے۔ ابوصفی اور ذکی الرحمٰن صاحب از خود قافلے کے آخر میں رہتے تھے، وہ بھی پیچھے رہ گئے۔آخر کار اس دلدلی زمین کا برف جیسا ٹھنڈا کیچڑ جو ہماری پنڈلیوں تک پہنچ چکا تھا۔اسے پار کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب، وسیم صاحب، جمشید صاحب اور میں اپنے باقی ساتھیوں کا انتظار کرنے لگے۔جب کافی دیر تک ساتھی نہ آئے تو ہم فکر مند ہوئے اور غلام الرحمٰن ان کی تلاش میں نکلا۔ یہ مجاہد گھنٹہ بھر اس دلدلی کیچڑ میں ان کو تلاش کرتا رہا لیکن ناکام واپس لوٹا۔البتہ معظم صاحب کہیں اکیلے ہی پچھلے ساتھیوں سے بھی بچھڑ کر ہم سے آملے۔اب ہماری جرابیں اور بوٹ جو کہ پانی اور کیچڑ سے بھر چکے تھے، ان میں ہمارے پاؤں سن ہورہے تھے اور پاؤں کی ٹھنڈک پہلے سے کانپتے ہوئے جسم میں مزید لرزہ پیدا کر رہی تھی کہ اسی حالت میں ہم اس امید پر چل پڑے کہ شاید وہ کہیں آگے نہ نکل گئے ہوں۔ اللہ کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک بے آباد کٹیا میں جب ہم نے لائٹ روشن کی تو ساتھی باہر نکل آئے پھر ہم بغیر کسی توقف کے اپنی منزل کی طرف چل دیے۔گھنٹہ بھر چلنے کے بعد صبح کے پانچ بج گئے۔اب ہم نے صبح کی نماز جناب ابوصفی کی اقتداء میں ادا کی۔اتنی ہی دیر اور چلے تو وہ پہاڑ جسے ہم نے پار کرنا

تھا اس کے دامن میں پہنچ گئے۔ اب جسم تھکاوٹ سے چور تھے۔ چنانچہ ہم بے ساختہ آرام کے لیے گر پڑے اور اپنے اپنے بستروں میں داخل ہو کر گہری نیند سونے لگے حتیٰ کہ سورج کی تیز کرنوں نے ہمیں بیدار کیا۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہم نے خشک میوہ جات کھائے، چشمے کا پانی پیا اور جرابیں اور بوٹ خشک کرنے کے بعد اپنی منزل کو پھر چل دیے۔ اب اللہ کا شکر ادا کیا کہ سفر دن کی روشنی میں شروع ہو گیا۔

دس جولائی کو دس بجے پہاڑ کے قریب پہنچ کر ہم نے وہ روٹیاں جو گرم چشمہ سے لائے تھے، کھائیں، قہوہ تیار کر کے پیا، میوہ جات کھائے، دو گھنٹے آرام کیا اور دن کے بارہ بجے ہم نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس پہاڑ کو سر کرنے میں پانچ گھنٹے صرف ہوئے اور آخر برف کے ایک گلیشیئر کو پار کرنے کے بعد ہم اس کی چوٹی پر پہنچ ہی گئے۔ یہ چوٹی پندرہ ہزار فٹ بلند ہے اور یہ پاکستان اور نورستان کے درمیان قدرتی سرحد ہے۔ جب ہم یہاں پہنچے تو نعرۂ تکبیر بلند کیا اور بے سدھ ہو کر گر پڑے۔ ماسوائے دو تین ساتھیوں کے سب کو بخار ہو چکا تھا اور جسم تھکاوٹ سے چور تھا، ادھر تیز اور ٹھنڈی ہوا ہمارے جسم کے آر پار ہو رہی تھی اور چونکہ اتنی بلندی پر آکسیجن کی بھی کمی ہوتی ہے، اس لیے سانس بھی ذرا کھینچ کر لینا پڑتا تھا۔ خاص طور پر سانس کے مریضوں کے لیے تو بڑا تکلیف دہ معاملہ بن جاتا ہے۔ ہمارے امیر سفر مولانا عبدالرحمٰن کیلانی حفظہ اللہ جو کہ عمر کے لحاظ سے بھی ہم سب کے امیر تھے، ان کی کمر میں ایک کپڑا ڈالا گیا جسے ذکی الرحمٰن صاحب نے اپنی کمر کے ساتھ باندھ کر کھینچا اور ابوصفی صاحب پیچھے سے سہارا دے کر چلاتے رہے۔ تب جا کر مولانا پہاڑ کی چوٹی سر کر سکے۔ یہاں بسا اوقات متلی بھی ہونے لگتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں پر ایسی خوشبودار بوٹیاں پیدا کر رکھی ہیں کہ انھیں سونگھنے سے افاقہ ہو جاتا ہے۔

چوٹی پر سے جب ہمیں چلنے کو کہا گیا تو ہم نے اپنی ہمت اور رہی سہی طاقت کا اندازہ کر کے معذوری کا اظہار کر دیا اور رات یہاں گزارنے کا مشورہ دیا۔ تب ذکی الرحمٰن صاحب

نے ازراہ مذاق کہا: ''اگر رات کو سردی سے ٹھٹھر ٹھٹھر کر مرنے کا پروگرام ہے تو پھر یہیں آرام کرلو'' اور کہا: ''تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ہوٹل ہے وہاں پر قیام کریں گے۔'' لہٰذا ہم اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے عصر کی نماز پڑھ کر یہاں سے عازم سفر ہوئے۔

پاکستان سے نورستان میں:

جب ہم اس چوٹی پر روانگی کے لیے کھڑے ہوئے تو ہمارے پیچھے پاکستان تھا اور سامنے نورستان۔ اس چوٹی سے پہلا قدم جب ہم نے نیچے رکھا تو سرزمین نورستان میں داخل ہو گئے۔ تین گھنٹے متواتر چلنے کے بعد ہم ایک ہوٹل میں پہنچے۔ ہمارے ذہن میں ہوٹل کا جو نقشہ گرم چشمہ کے ہوٹلوں جیسا تھا یہ ان سے بھی گیا گزرا تھا، بس پتھر جوڑ کر دو کمرے بنائے گئے تھے جن میں آدمی سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا تھا اور ایک کمرہ تو اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں بمشکل تین چار آدمیوں کے سونے کی گنجائش تھی۔

اس طرح کے ہوٹل یوں بنتے ہیں کہ جب موسم گرما میں راستے کھلتے ہیں تو یہ ہوٹل بھی ہر سال نئے سرے سے بنائے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہوٹل میں رات آرام کرنے کے باوجود اکثر ساتھیوں کو ابھی تک بخار تھا۔ اس لیے بعض ساتھیوں کا اصرار تھا کہ یہاں ایک رات مزید قیام کیا جائے۔ لیکن باہمی مشاورت سے بحکم امیر یہاں سے کوچ کرنا ہی طے پایا۔ چنانچہ ہم جونہی ہوٹل سے روانہ ہوئے، دس فوجی جن کے پاس کلاشنکوفیں اور رائفلیں تھیں، ہمیں لینے کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے ہمارا تمام سامان اٹھا کر ہمیں ہلکا کردیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے نورستان آنے کی اطلاع سرحدفوجی کو ہوچکی تھی اور یہ اسی کی طرف سے بندوبست تھا۔

والہانہ استقبال:

سات بجے ہم شرقی نورستان کے پہلے گاؤں پشاورک پہنچے۔ اس گاؤں کی آبادی تقریباً

۱۵۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ گاؤں ایک سرسبز وادی میں آباد ہے۔ یہاں سے شمال کی طرف قصبہ ''دیوانہ بابا'' ہے، جہاں سے ہوتے ہوئے آپ پاکستان کے قصبہ ''گرم چشمہ'' میں داخل ہوسکتے ہیں۔

ہم جب اس گاؤں میں داخل ہوئے تو بچے، بوڑھے اور جوان پہلے سے ہی ہمارے منتظر تھے اور ہمیں دیکھتے ہی اسلامی فوج کے جوانوں نے گولیوں کی بوچھاڑ سے فضا میں تھرتھراہٹ پیدا کرکے ہمارا استقبال کیا۔ استقبال کے لیے بستی کے معززین، جن میں سرحد کمانڈر عبد العزیز، امیر بستی اور قاضی محمد یحییٰ شامل تھے، یہ سب ہم سے بغلگیر ہوئے۔ اس کے بعد کافی دیر تک معانقے اور مصافحے کا سلسلہ بستی کے دوسرے لوگوں سے جاری رہا حتیٰ کہ مہمان خانے جا پہنچے۔ مہمان خانہ مسجد کے ساتھ ہی ایک بالا خانے پر واقع تھا۔ یہاں چند منٹ آرام کرنے کے بعد مؤذن نے مسجد میں حاضر ہونے کا حکم ربانی سنایا۔ نماز کے بعد مہمان خانہ واپس پہنچے۔ رات کے کھانے میں اہل پشاورک نے ہمارے لیے بکرا ذبح کر رکھا تھا۔ اس کی یخنی بڑے بڑے پیالوں میں لائی گئی۔ جب کہ بڑی بڑی بوٹیاں الگ دسترخوان کی زینت تھیں۔ ساتھ گندم کی بڑی بڑی روٹیاں اور ان کے برعکس مکئی کی چھوٹی چھوٹی اور موٹی موٹی روٹیاں بھی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نورستانی بھائیوں کی والہانہ محبت نے ہماری ساری تھکاوٹ اور سفر کی تمام صعوبتوں کو کافور کردیا تھا اور ان کے جذبۂ جہاد اور دینی محبت نے دلوں کو خوشی و مسرت سے لبریز کردیا تھا۔

سرحدی کمانڈر سے ملاقات اور ایک اعتراض کا جواب:

وزیر خارجہ دولت انقلابی افغانستان جناب مولانا ابراہیم صاحب سے ملاقات اور ان کی عیادت کے بعد سرحدی کمانڈر عبد العزیز صاحب کی دعوت پر ان کے دفتر گئے، ان سے نورستان کی سرحدوں اور چوکیوں کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو میں نے سوال کیا:

''پشاور اور چترال میں احزاب افغانستان میں سے بعض لوگ آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ مجاہدین افغانستان کا راستہ روکتے ہیں، اس میں کہاں تک صداقت ہے؟'' تو کمانڈر صاحب نے کہا: ''آپ نے نورستان میں داخل ہوتے وقت دیکھا ہے اور آگے بھی دیکھیں گے کہ روزانہ قافلوں کے قافلے جن کا زیادہ تر تعلق شمالی افغانستان ،بدخشان ، پنج شیر اور قندوز و لغمان وغیرہ سے ہوتا ہے اور جن میں مجاہدین اور مہاجرین سب شامل ہیں، نورستان کے راستے سے ہی آتے جاتے ہیں اور راستے کھلنے پر یہیں سے گزرتے ہیں۔ لیکن محض تعصب کی بنا پر یہ پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں کہ نورستانی ہمیں گزرنے نہیں دیتے۔ حالانکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ دولت کا دفتر جو کہ چترال میں واقع ہے، وہاں افغان تنظیموں کو نورستان میں سے گزرنے کے لیے درخواست دینا پڑتی ہے اور درخواست میں افراد کی تعداد، جانوروں کی جنس اور تعداد نیز اپنی تنظیم اور افغانی علاقے کا نام وغیرہ درج ہوتا ہے۔ دولت کا نمائندہ یہ درخواست وصول کر کے انہیں راہداری بنا دیتا ہے۔ تب یہ لوگ نورستان کی سرزمین سے بحفاظت گزر جاتے ہیں اور جب کبھی یہ راہداری نہیں لاتے تو ہم انھیں روک لیتے ہیں، کیونکہ ضمانت نہ ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ تخریب کار یا روسی ایجنٹ ہوں اور راستے میں دولت کا کوئی نقصان کردیں تو کون ذمہ دار ہوگا؟

اب جب یہ لوگ دولت کے اس بین الاقوامی قانون راہداری کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو بسا اوقات غیر ملکی مہمانوں کے ہمراہ جان بوجھ کر اجازت نامہ کے بغیر آجاتے ہیں تاکہ ہمیں بدنام کرنے کے لیے غلط پروپیگنڈا کرسکیں کہ یہ نورستانی روسیوں سے ملے ہوئے ہیں اور مجاہدین کا راستہ روکتے ہیں جب کہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔''

اس کے بعد کمانڈر صاحب نے ہمیں مختلف تنظیموں کی وہ درخواستیں دکھائیں جنھیں لے کر یہ لوگ یہاں سے گزرتے ہیں۔ جب کہ پنج شیر اور بدخشان کے لوگوں کو میں نے خود چترال کے دفتر میں درخواستیں دیتے ہوئے اور اب پورے نورستان میں ان کے قافلوں کو گزرتے دیکھا ہے جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

دارالامارت کا سفر:

۱۳ جولائی کو ناشتے کے بعد مسجد کے ساتھ پشاورک کے گاؤں کے وسط میں ایک میدان میں نورستانی بھائیوں کے ساتھ تیر اندازی کے مقابلے میں شرکت کرنے کے بعد دو سرکاری گھوڑوں اور دو نورستانی بھائیوں کی راہنمائی میں ٹھیک نو بجے دار الحکومت پہنچنے کا شوق دل میں لیے ہوئے پشاورک سے روانہ ہوئے۔

جب ہم اگلے گاؤں ''شدگل'' کے قریب پہنچے تو اپنی روایات کے مطابق گاؤں کے تمام سرکردہ افراد سمیت جوانوں، بوڑھوں حتیٰ کہ بچوں نے بڑے والہانہ انداز سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ گاؤں میں داخل ہونے کے بعد مسجد میں ہم نے ظہر اور عصر دونوں نمازیں اکٹھی ادا کیں اور کھانا کھایا جو کیک نما چھوٹی چھوٹی روٹیوں، کروت اور لسی پر مشتمل تھا۔ یہ گاؤں پہلے دونوں گاؤں سے کچھ بڑا تھا۔ پانچ بجے اہل قریہ نے ہمیں رخصت کیا۔ اب ہم دریا کے کنارے کنارے جارہے تھے، مسلسل جگہ جگہ چشموں کے دریا میں ملنے سے جوں جوں ہم آگے کو بڑھ رہے تھے دریا بڑا ہوتا جا رہا تھا، اس کا شور بلند ہوتا جا رہا تھا اور جن بڑی بڑی چٹانوں کو بارش کے پانی نے سیلاب کی شکل اختیار کر کے دریا کی نذر کر دیا تھا، دریا کا پانی ان سے ٹکرا کر ان چٹانوں کو شکست سے دو چار کر رہا تھا اور ایک شور تھا کہ جو بلند ہی ہوتا جا رہا تھا اور ہمیں یہ سبق دے رہا تھا۔

ہو کوہ و بیاباں سے ہم آغوش و لیکن
ہاتھوں سے تیرے دامن افلاک نہ چھوٹے

لہٰذا ہم میدانی لوگ انسانیت کو ذلت سے نکال کر عظمتوں سے ہمکنار کرنے والا نظریۂ توحید دل میں راسخ کیے ہوئے پہاڑوں کی ان بلندیوں کو شکست دیتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے، مرکز امارات کی منزل کی طرف جس سے وابستہ کوہستانی مجاہدوں نے لا الہ الا اللہ کا مطلب سمجھ کر دین فطرت ''اسلام'' کا عملی نمونہ اس سرزمین پر قائم کر دکھایا

ہے۔

بقول علامہ اقبال ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی

یوں سفر طے کرتے ہوئے شدگل سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہم نورستان کے سب سے بڑے قصبے برگ متال پہنچے۔ ظاہر شاہ کے دور میں یہاں ایک انٹر کالج تھا، جسے اب دینی مدرسہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ کابل سے جلال آباد ہو کر یہاں تک ایک سڑک بھی آتی ہے جو روسیوں سے جہاد کرتے ہوئے بعض جگہوں سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہے، یہاں پر رکے بغیر ہم آگے بڑھ گئے لیکن یہاں کے لوگوں نے بھی حسب روایت ہمارا خیر مقدم کیا۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد بدین شاہ کے نام سے ایک چھوٹی سی آبادی آئی اور ٹھیک سات بجے ہم دارالحکومت ''نیک موک'' جس کا نیا نام اب ''سعید آباد'' ہے، میں جا پہنچے۔ حسب دستور ہمارا استقبال کیا گیا ہے، دارالامارت میں ٹھہرایا گیا، تھوڑی دیر بعد امیر دولت انقلابی اسلامی افغانستان مولانا محمد افضل صاحب تشریف لے آئے۔ مصافحہ اور معانقہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ دارالامارت کے سامنے دریا کے کنارے خوبصورت جامع مسجد سے مؤذن کی آواز بلند ہوئی۔ امیر صاحب کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کی، پھر ہمیں مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا جو کہ لب دریا دوسری منزل پر واقع ہے۔

امیر دولت سے ملاقات:

۱۴ جولائی کو صبح نو بجے امیر دولت مولانا محمد افضل صاحب سے دارالامارت میں ملاقات ہوئی۔ تفصیلی تعارف کے بعد امیر صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمیں آپ کے تشریف لانے کی بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگ محض دینی محبت کی خاطر اتنا طویل اور پر مشقت سفر طے کر کے آئے ہیں۔'' اس کے بعد تقریباً تین گھنٹہ تک امیر صاحب

سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

اس مجلس کے مترجم جناب امیر صاحب کے بھتیجے نورالحق صاحب تھے، جن کی ایک ٹانگ دوران جہاد زخمی ہوگئی تھی۔ یہ لنگڑا کر چلتے ہیں، اس لیے انہوں نے اپنا لقب ''الاعرج'' رکھ لیا ہے۔

جب ہم واپس اپنی قیام گاہ پر لوٹے تو الشیخ ابو علی المعودی اور الشیخ ابو بصیر فلسطینی سے ملاقات ہوئی جو کہ شرقی نورستان کے بعض قصبوں کی سیر کے بعد واپس مرکز تشریف لائے تھے۔

عورتوں کی حالت زار:

دن کے وقت نورستانی خواتین شاذو نادر ہی گھر پر موجود ہوتی ہیں۔صبح سے لے کر شام تک گھریلو کام کے علاوہ کھیتی باڑی کا بھی سارا کام کرتی ہیں۔ بلکہ ہم نے پورے نورستان میں سوائے دو چار آدمیوں کے کسی مرد کو کھیتوں میں کام کرتے نہیں دیکھا جب کہ کھیتوں میں چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا کر پانی دیتے ہوئے عورتیں سارا سارا دن کمر کے ساتھ پیٹی کے علاوہ لکڑی یا چمڑے کی بنی ہوئی ٹوکری باندھ لیتی ہیں، جس میں کھیتوں میں کام کرنے کے اوزار اور دوپہر کی خوراک کے علاوہ اپنے شیر خوار بچوں کو بھی اس میں ڈال لیتی ہیں۔کھیت میں پہنچ کر اسی ٹوکری کو اپنے بچے کا پنگھوڑا بنا کر درخت سے لٹکا دیتی ہیں۔ جب کہ ذرا بڑے بچے ان کا جی بہلانے کے لیے جھولا جھلاتے ہیں اور یہ کمر بستہ ہوکر اپنے آپ کو کھیت کے حوالے کر دیتی ہیں۔

عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ ٹوکری بھی بہت سے کام دیتی ہے۔عورتیں آٹا بھی اسی ٹوکری میں پیس کر لاتی ہیں۔ ایندھن کی لکڑیاں بھی چن چن کر اسی ٹوکری میں ڈالتی جاتی ہیں اور جب مکان بنانا ہوتو مرد اور عورتیں پتھر اور مٹی بھی اسی ٹوکری میں اٹھا کر لاتے ہیں۔پھر گھریلو کام کاج اور کھانا وغیرہ تیار کرنے کے علاوہ کھیتوں اور باغوں سے پھل وغیرہ بھی عورتیں ہی لاتی ہیں۔لیکن ہمارے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس قدر مشقت کے باوجود یہ

اپنے شوہروں کی انتہائی خدمت گزار ہیں اور دیندار ایسی کہ کھیتوں میں بھی نماز نہیں چھوڑتیں اور پردے کی پابند اور محتاط ایسی کہ اتنا کام کاج کرنے کے باوجود کوئی اجنبی ان کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ اور پھر اس شرم وحیا کو ہم نے چھوٹی چھوٹی بچیوں میں بھی دیکھا کہ ایک پانچ سالہ بچی ہمیں دیکھ کر اپنے ننھے منھے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ سنبھال رہی تھی۔ تب ہماری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

پردے کے لیے عورتیں بڑی چادر استعمال کرتی ہیں، قمیص بڑے گھیرے والی پہنتی ہیں اور شلوار کا گھیرا بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ ایک عورت کے سوٹ کے لیے کم از کم 20 گز تک کا کپڑا درکار ہوتا ہے۔

پورے نورستان میں یہ رواج ہے کہ پندرہ سال کی عمر تک بہر صورت لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے، بیوہ اور مطلقہ سے شادی کرنے میں ہمارے ہندوانہ رسم ورواج کے برعکس وہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اسی طرح دو دو، تین تین شادیاں بھی عام ہوتی ہیں۔ ایسے ہی مرد کی عمر کی زیادتی اور بزرگی بھی جوان عورت سے شادی کرنے میں مانع نہیں ہوتی اور نہ ہی ذات پات کا یہاں کوئی تصور موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ان فطری خصوصیات اور نفاذ کی وجہ سے نورستان میں برائی یا بے حیائی کا شائبہ تک موجود نہیں۔

عورت کی حالت زار پر گفتگو:

جب ہم نے نائب امیر سے ایک ملاقات میں عورتوں کی اس ناگفتہ بہ حالت پر گفتگو کی تو انہوں نے بتلایا کہ انقلاب اسلامی سے قبل عورتوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ ناروا سلوک کیا جاتا تھا لیکن انقلاب کے بعد اب صدیوں کی یہ روایات آہستہ آہستہ دم توڑ رہی ہیں اور اب مرد بھی کام کرنے لگے ہیں اور یہ بھی بتلایا کہ اب چونکہ یہ کام عورتوں کی گھٹی میں داخل ہو چکا ہے، اس لیے اب وہ پر مشقت کام کیے بغیر گھر پر اپنے آپ کو بیمار سمجھنے لگتی ہیں اور تیسرا یہ کہ مرد حضرات اب جہاد میں مصروف ہیں اور انہیں اتنی فرصت نہیں کہ کھیتی باڑی کا سارا کام

کرسکیں اور چوتھا یہ کہ مرد باغوں پر کام کرتے ہیں جو پورے سال میں انتہائی مصروفیت کے ایام ہوتے ہیں۔

تربیت اسلحہ:

دارالحکومت میں ہم نے دو ہفتے قیام کیا۔دوران قیام ذکی الرحمٰن صاحب نے ہمیں M21 رائفل اور 303 کے علاوہ چائنہ اور روس کی کلاشنکوفوں کی تربیت اور نشانہ بازی کی مشقیں کروائیں۔ اس دوران میرا اور معظم کا یہ معمول تھا کہ ہم دونوں دو کلاشنکوفیں لے کر اکثر کسی نہ کسی وادی میں سفر کرتے یا کسی پہاڑ پر چڑھنے کی مشق کرتے۔ ایک دن عبدالرشید کو بھی ہمراہ لیتے ہوئے ہم اڑھائی گھنٹے کی چڑھائی چڑھنے کے بعد ایک قریبی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے جہاں دیار کا تقریباً اڑھائی سوفٹ لمبا درخت تھا۔ یہ درخت دور سے ہی تمام درختوں میں ممتاز نظر آتا ہے۔ درخت سے ذرا اوپر جا کر ہم نے ایک چشمے سے پانی پیا اور وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھی۔ یہاں برف پگھلنے کے بعد پکے ہوئے خود رو سیاہ زیرے کی مہک بھی آ رہی تھی۔ چنانچہ ہم تھوڑا سا زیرہ توڑ کر بھی لائے، جسے سالن میں ڈال کر سب نے کھایا۔

واپس آتے ہوئے اترائی میں ہم نے خوب دوڑ لگائی اور چالیس منٹ میں پہاڑ سے دریا کے کنارے پر پہنچ گئے اور جیسا کہ اہل عرب کی مشہور کہاوت ہے کہ ''پہاڑی لوگ پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں'' ہم بھی جفاکشی میں آہستہ آہستہ ان کوہستانیوں کے قریب ہوتے جارہے تھے۔

سفر جہاد:

۲۶ جولائی کو صبح دس بجے ہم پانچ بھائی ابوبصیر، معظم، عبدالرشید اور راقم ذکی الرحمٰن کی امارت میں اسلحہ سمیت چار گھوڑوں پر گورنر بحرین مولانا نعمت اللہ صاحب کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔ امیر دولت مولانا محمد افضل صاحب، نائب امیر مولانا محمد اسحاق صاحب، قاضی

قریہ عبدالقادر صاحب اور دیگر اہل قریہ نے ہمیں گلے لگاتے ہوئے دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ عبدالبصیر اور ابوصفی ''اولہ گل'' تک ہمارے ہمراہ آئے۔ ایک بجے ہم دونوں دریاؤں کے سنگھم پر واقع ہوٹل بمقام ''دشن پچڑوک'' پہنچے۔ دوپہر کا کھانا ہم نے یہاں تناول کیا جو چاولوں اور دہی پر مشتمل تھا۔

شرقی نورستان کے پھل:

برگ مٹال سے لے کر اس ہوٹل تک انواع واقسام کی خوبانی، سفید اور سیاہ توت، سیب اور اخروٹ کے درختوں کی بہتات ہے۔ انجیر اور انگور بھی پایا جاتا ہے اور یہ تمام پھل اس وادی کے علاوہ پہاڑوں کی بلندیوں پر بھی اتنی کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے کہ بہت زیادہ پھل خشک کرنے کے باوجود کثیر مقدار میں ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی فروخت کا کوئی قریبی مرکز موجود نہیں ہے۔

اناج اور خوراک:

گندم کم مقدار میں اور مکئی بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ لوگ زیادہ تر مکئی کی روٹی ہی استعمال کرتے ہیں۔ چاول یہاں نہیں ہوتا۔ لہذا چترال اور گرم چشمہ سے منگوایا ہوا چاول بہت مہنگا پڑتا ہے۔ البتہ شرقی نورستان میں چاول مہنگا تو ہے لیکن مل جاتا ہے جب کہ باقی وادیوں میں چاول بالکل نہیں ملتا اور اس کی وجہ ان وادیوں کا چترال اور گرم چشمہ سے بہت زیادہ دور ہونا ہے۔

گندم کے کھیت یہاں جولائی میں ہرے بھرے تھے۔ سعید آباد میں دوران قیام صبح ناشتے میں ہم گندم کے خمیرے آٹے کے پراٹھے قہوے کے ہمراہ کھاتے تھے اور قہوہ پینے کا بھی یہاں پر اس طرح رواج ہے کہ پیالی میں ایک دفعہ چینی ڈالتے ہیں اور اسے چمچ وغیرہ سے ہلائے بغیر بس قہوہ انڈیل کر پیے چلے جاتے ہیں۔ تین تین چار چار پیالیاں پھیکی ہی پیے

چلے جاتے ہیں۔

دوپہر اور شام کے کھانے میں اکثر گوشت پکایا جاتا ہے اور اس کے پکانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کلو گوشت کو تقریباً پانچ کلو پانی میں ابال لیا جاتا ہے۔ بوٹیوں کو الگ نکال کر مہمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس ناپختہ شوربے کو ایک بڑے برتن میں ڈال کر ثرید تیار کرتے ہیں۔لہسن، پیاز، ٹماٹر اور دیگر لوازمات کے دستیاب نہ ہونے کی بنا پر گوشت کی طبعی بو باقی رہتی ہے۔ اہل پنجاب کے برعکس اہل نورستان چربی کی بوٹی کو زیادہ شوق سے کھاتے ہیں۔گندم اور مکئی کی روٹی کئی طرح پکاتے ہیں۔ایک طریقہ تو ہمارے جیسا ہی ہے جب کہ دوسرا اس طرح ہے کہ آٹے میں وافر پانی ڈال کر بڑی سی توی پر پھیلا دیتے ہیں اور وہ بہت بڑی اور نرم روٹی پک جاتی ہے۔

سالن کے طور پر یہاں کروت بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لسی جب آگ پر رکھنے سے پھٹ جاتی ہے تو کسی کپڑے میں نچوڑ کر باقی لسی سے بنے ہوئے پنیر کو گھی میں ڈال کر بھون لیتے ہیں اور نمک ڈال کر بطور سالن استعمال کرتے ہیں۔ وائیگل کی جانب دودھ کا پنیر کھانے کا رواج زیادہ ہے۔

دالیں یہاں نہیں ہوتیں ہیں اور نہ پکائے جانے کا رواج ہی ہے۔سبزیوں میں آلو، مٹر، لوبیا اور کدو پایا جاتا ہے جب کہ ایک خاص خود رو پودے کو بطور ساگ پکاتے ہیں۔پڑوک جاتے ہوئے میں گر پڑا تو اتفاق سے میرے دونوں ہاتھ اس ساگ کے پتوں پر جا پڑے۔ بس پھر کیا تھا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے زخموں پر نمک چھڑک دیا ہو، بار بار پانی میں ہاتھ بھگونے کے باوجود ڈیڑھ دو گھنٹے تک میری یہی کیفیت رہی۔ ذکی الرحمٰن صاحب نے مجھے بتایا کہ یہی ساگ ہے اور اسے بڑی احتیاط سے کاٹ کر پکایا جاتا ہے، یہ ساگ ہم نے کئی دفعہ کھایا۔

روٹیوں اور سالن میں کرک:

پورے نورستان میں روٹیوں اور سالن میں ریت اور مٹی کی کرک ضرور پائی جاتی ہے اگرچہ وہ کہیں کم اور کہیں زیادہ ہوجاتی ہے اور اس کی وجہ جو میں نوٹ کرسکا ہوں وہ عدم احتیاط ہے اور دوسرا یہ کہ نورستان کی ہر وادی میں دریا بہتا ہے اور تمام دیہات اور قصبات دریا کے کنارے یا کسی وسیع وادی میں ذرا سا ہٹ کر ہوتے ہیں۔ اب دریا کا پانی جو دیکھنے میں صاف شفاف ہوتا ہے اس میں بھی ریت اور مٹی کے ذرات کی آمیزش ہوتی ہے۔ اب صاف کیے بغیر جب اسے استعمال کیا جاتا ہے تو کھانے میں کرک محسوس ہوتی ہے۔

کرک کا نقصان:

ہماری موجودگی میں ڈاکٹر صاحب کے پاس جتنے مریض آئے ان میں اکثریت کو پیٹ کے کیڑوں کی شکایت تھی اور بلا استثناء اکثر مرد، عورتیں اور بچے اس مرض میں مبتلا تھے۔ میں نے ایک دن عبدالبصیر صاحب سے کہا: ''میرے خیال میں اگر نورستانی لوگ اس کرک سے نجات حاصل کرلیں تو ان کی صحت جو مجموعی طور پر بڑی اچھی ہے مزید بہتر ہوجائے اور یہ کہ یہ محض نورستان کے چشموں اور دریا کے پرتاثیر پانی کا اثر ہے کہ تم لوگ گردے، مثانے کی پتھری اور امراض سینہ سے محفوظ ہو اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں انواع و اقسام کے وافر پھلوں سے نواز رکھا ہے ورنہ اس طرح کی روٹی اگر ہم پنجاب میں رہ کر چند روز بھی کھائیں تو آخرت کو سدھارنے کی تیاریاں جلد ہوجائیں۔''

ہم مرکز میں قیام کے دوران کوئی چیز پکاتے تھے تو پانی مسجد کے چشمے سے لاتے تھے لہذا اس صاف شفاف پانی سے کھانا صاف اور عمدہ پکتا تھا۔

پپڑوک کا سفر:

ہوٹل میں تین گھنٹے قیام کے بعد ہم ٹھیک چار بجے یہاں سے روانہ ہوئے، روانہ ہوتے

ہی ہم نے پپڑوک سے آنے والے دریا کو جونہی پار کیا (جو مرکز دولت سے آنے والے دریا میں شامل ہوکر بری کورٹ کی طرف جاتا ہے) تو چیک پوسٹ کے سپاہیوں نے ذکی الرحمٰن صاحب کو دیکھ لیا اور ہمارا والہانہ استقبال کیا۔ چیک پوسٹ پر دولت کا جھنڈا لہرا رہا تھا، اس چوکی کے بائیں طرف دریا کے ساتھ ساتھ برگ متال سے آنے والی یہی سڑک منڈ اگل کو جاتی ہے۔ یہ اڑھائی گھنٹے کا سفر ہے۔ آگے "کامدیش چھاؤنی" ہے جو حزب اسلامی، جمعیت اسلامی اور صدائے اسلام نامی تین تنظیموں کے کنٹرول میں ہے اور اس کے بعد بری کوٹ ہے جو روسیوں کی چھاؤنی ہے، یہاں سے بغیر پہاڑ پار کیے ہوئے آدمی پاکستان میں انتہائی آسان راستے سے داخل ہوسکتا ہے لیکن یہ روسیوں کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے ناقابل استعمال ہے۔ آگے یہی سڑک اسد آباد سے ہوتی ہوئی افغانستان کے مشہور شہر جلال آباد کو جاتی ہے۔

اب ہمارا راستہ یہاں اس چوکی یا ہوٹل کے بائیں طرف ایک تنگ وادی میں دریا کے کنارے تھا۔ یہ سفر گھوڑوں پر بیٹھ کر طے کرنے کے قابل نہیں تھا۔ دوسری بات جو پورے سفر میں میں نے ملاحظہ کی وہ یہ ہے کہ جس طرف سے دریا کا پانی آ رہا ہو یعنی دریا کی مخالف سمت میں چلنے پر کہیں تھوڑی، کہیں زیادہ مسلسل چڑھائی چڑھنا پڑتی ہے جب کہ اس کے برعکس دریا کے موافق سمت میں چلتے ہوئے ایسے ہی نیچے اترنا پڑتا ہے اور یہ کہ جہاں جتنی وادی تنگ ہوگی سفر اتنا ہی دشوار ہوگا اور وادی جتنی وسیع ہوگی، سفر اتنا ہی آسان ہوگا۔

متواتر چار گھنٹے چلنے کے بعد ہم رات کے آٹھ بجے پپڑوک پہنچے۔ یہ گاؤں پہاڑ کی چوٹی کے دامن میں اس انداز سے بنایا گیا ہے کہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے دفاع مضبوط ہوسکے، اس گاؤں تک چڑھنے میں ہمیں آدھ گھنٹہ لگ گیا۔ جب ہم مسجد میں پہنچے تو عشاء کا وقت تھا، گاؤں کے امیر اور قاضی مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور مسجد میں موجود لوگوں نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ ہم سے گھوڑے پکڑ لیے گئے اور ہمیں مہمان خانے میں ٹھہرا کر کھانے اور قہوے کا بندوبست کیا گیا۔

کشادہ اور خوبصورت وادی کا سفر:

صبح نو بجے اپنی منزل کو روانہ ہوئے، حاجی عثمان صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ ہو لیے، کچھ دیر چلنے کے بعد وسیع وعریض وادی شروع ہو گئی جو خوبصورتی اور حسن میں اپنی مثال آپ تھی۔ بڑے بڑے سرسبز پہاڑی پودوں، گھاس اور رنگا رنگ پھولوں کے درمیان پگڈنڈی پر کچھ دیر چلنے کے بعد ایک جگہ جہاں وادی انتہائی کشادہ اور خوبصورت تھی، کچھ دیر آرام کیا۔ یہاں تین چار گھر بھی موجود تھے، چھوٹی سی ایک مسجد بھی تھی، مسجد میں نماز ادا کی، ایک آدمی نے ہمیں قہوہ پلایا، آرام کرنے کے بعد پھر چل پڑے اور چار بجے ایک ہوٹل میں پہنچے۔ رات ہم نے یہیں بسر کی۔ اب ہمارا اگلا سفر اس پہاڑ کو سر کرنا تھا جو شرقی نورستان اور وسطی نورستان کی وادی پارون کو جدا کرتا ہے۔

پہاڑ کو پار کرنے کا سفر:

ہم صبح پانچ بجے ہوٹل سے روانہ ہوئے، کچھ دیر چلنے کے بعد حاجی عثمان صاحب قریب ہی اپنے بانڈے سے ہمارے لیے تقریباً دو کلو مکھن لے آئے اور ہمیں الوداع کہہ کر واپس تشریف لے گئے۔ اب ہم اور ہمارے گھوڑے برف کے گلیشیر، راستے میں بہنے والے چشموں کے پانی اور پہاڑ کی آخری چوٹیوں پر قبضہ کیے ہوئے سیاہ بادلوں ...... جو کبھی ہلکی ہلکی سی پھوار برسانا شروع کر دیتے تھے .... کا نظارہ کرتے ہوئے پانچ گھنٹے کے بعد ٹھیک دس بجے ہم پہاڑ کی آخری درہ نما چوٹی پر پہنچ گئے اور نعرۂ تکبیر بلند کرنے کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ دو گھنٹوں میں پہاڑ سے اتر کر بارہ بجے وسطی نورستان کی پہلی وادی پارون میں داخل ہو گئے۔

برفانی خرگوش کا شکار:

پہاڑ کی بلندی سے جب ہم اتر رہے تھے تو برفانی خرگوش اردگرد چیخ چلا رہے تھے۔

ذکی الرحمٰن، ابوبصیر اور معظم نے کلاشنکوف کے کئی فائر کیے لیکن کوئی ایک بھی نشانے پر نہ لگا۔ بلی سے کچھ بڑا ابھورے رنگ کا یہ خرگوش جسے عربی میں ''یربوع'' کہتے ہیں، خرگوش سے شکل و صورت میں ملتا جلتا ہے۔ یہ نو مہینے برف کے نیچے رہتا ہے اور جب برف پگھلنے کے بعد باہر نکلتا ہے تو بہت زیادہ موٹا ہوتا ہے۔ اس پر چربی کی تہیں چڑھی ہوتی ہیں۔ نورستانیوں کے بقول اس وقت یہ کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ پھر برف پگھلنے کے تین چار مہینوں میں یہ اپنے بل میں گھاس اکٹھی کرتا رہتا ہے۔ برف کے موسم میں اندر ہی اندر گھاس کھاتا رہتا ہے۔ یہ اپنے بل کو بڑی دور دور تک کھودتا ہے۔ اس کا گوشت بہت زیادہ گرم ہوتا ہے، جسے کھانے کے بعد سردی محسوس نہیں ہوتی۔ نیز اس کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔

پہاڑ سے اترنے کے بعد ہم نے دو گھنٹے آرام کیا اور جب سفر شروع کیا تو بارش نے آلیا، ایک گھنٹہ تک بھیگتے اور سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے تین بجے ایک بانڈے پر پہنچے۔

بانڈے پر مہمان نوازی:

جب ہم بانڈے پر پہنچے تو سورج نے اپنا مکھڑا دکھایا اور سردی سے جان چھوٹی۔ یہاں موجود نورستانی بھائیوں نے ہمارا خیر مقدم کیا اور پتھر کے بنائے ہوئے ایک چھوٹے سے چھپر میں ہمیں بٹھایا۔ ہمارے کپڑے خشک کرنے کے لیے دھوپ میں ڈالے گئے۔ مکھن، لسی، مکئی کی روٹی اور قہوے سے ہماری مہمان نوازی کی گئی۔

نورستان کا موسم اور بانڈا:

بانڈے نورستانی تہذیب اور معیشت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ یہ دیہات سے ایک دو دن کی مسافت پر پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر واقع ہوتے ہیں۔ جب ہمارے ہاں سردیوں کا موسم ہوتا ہے تو نورستان میں سخت برف باری ہوتی ہے۔ پہاڑ برفوں سے ڈھک جاتے ہیں حتیٰ کہ ''اشتیوی'' جیسے کئی دیہات میں نو سے اٹھارہ فٹ تک برف پڑتی ہے اور وہ مئی میں پگھلنا شروع ہوتی ہے، جو اکتوبر تک پگھلتی رہتی ہے۔ اس دوران وہاں گویا بہار کا موسم ہوتا

ہے۔تمام سبزہ جو برف کے نیچے دبا ہوتا ہے، اپنی بہار دکھلانا شروع کر دیتا ہے۔اب بہار یا گرمیوں کے اس موسم میں جو ہمارے ہاں اوائل مارچ کی طرح ہوتا ہے، لوگ گائے بکریوں کے اپنے تمام ریوڑوں کو پہاڑوں کی بلندیوں پر لے جاتے ہیں تاکہ یہ جانور وہاں کی گھاس کھائیں اور دیہات کے قرب و جوار کی گھاس محفوظ رہے۔اب دیہات کے اردگرد کی گھاس اپنے اپنے علاقوں میں لوگ موسم گرما میں کاٹ کر سردیوں کے لیے بڑے بڑے تہ خانوں یا مکانوں میں ذخیرہ کر لیتے ہیں اور برف باری شروع ہوتے ہی بانڈوں سے واپس اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔

ان بانڈوں پر ہر خاندان کے دو یا تین آدمی یا اس سے زائد باری باری رہتے ہیں اور لسی، کروت اور مکھن وغیرہ دیہات میں منتقل کر کے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

دودھ بلونے کا یہاں خاص اور انوکھا طریقہ یہ ہے کہ بکری کی کھال کی مشک بنا کر پھر اس میں دودھ کی دہی بنا کر مشک کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے ہیں اور ہاتھوں سے مسلسل ہلاتے رہتے ہیں، کچھ دیر بعد مکھن اوپر آجاتا ہے۔اسے نکال لیتے ہیں اور لسی کا کروت بنا لیتے ہیں اور یہ سارا کام بانڈوں پر مرد ہی کرتے ہیں۔

بانڈوں پر بچوں کی مجاہدانہ پرورش:

اس بانڈے کے چھپر سے ہم جب باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ زمین میں کھدی ہوئی ایک غار کے منہ سے بچے باہر نکل رہے ہیں، جن کی عمریں پانچ سال تک تھیں۔ازراہ تعجب جب ہم نے ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنے رواج کے مطابق اس موسم میں اپنے بچوں کو بانڈوں پر بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ تازہ دودھ دہی اور مکھن کھا کر صحت مند رہیں۔رات کو یہ لوگ اس غار میں ان بچوں کو داخل کر کے اس کے دہانے پر بڑا سا پتھر رکھ دیتے ہیں اور صبح اس پتھر کو ہٹا دیتے ہیں۔

میں سوچنے لگا کہ اس جنگل میں ماں باپ کی عدم موجودگی میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی

ایسی تربیت انہیں کسی اعلیٰ مقصد کے لیے اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر دور جانے کے غم سے بچپن میں ہی بے پرواکر رہی ہے اور پھر جب بڑے ہوں گے تو سینے میں جذبۂ توحید اور ہاتھوں میں شمشیر ہوگی تو بھلا ایسے لوگوں کو کسی باطل قوت کے سامنے کیسے جھکایا جا سکتا ہے؟ وہ کٹ تو سکتے ہیں مگر جھک نہیں سکتے۔

علامہ اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا ہے ۔

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلیمانی

پھر اچانک میرا دل پاکباز اور بہادر لوگوں کی زندگی کے گرد گردش کرنے لگا اور اس سے پہلے انبیائے کرام کی مقدس زندگیوں کا تصور ذہن میں آیا کہ ایسی تربیت تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھی دی ہے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑنے کا حکم ہوا۔خود خاتم الانبیاء ﷺ کی تربیت حضرت حلیمہ سعدیہ نے دیہاتی ماحول میں کی اور آپ ﷺ نے بکریوں کے ریوڑ چرائے۔

ہوشربا مہنگائی:

جب ہم بانڈے میں مکھن پر نمک چھڑک کر اس کے ساتھ مکئی کی روٹی کھا رہے تھے تو نمک زیادہ استعمال کرنے پر ذکی الرحمٰن صاحب نے ہمیں کہا: ’’نمک کم استعمال کرو کیونکہ یہاں نمک بہت مہنگا ہے۔‘‘ چنانچہ ہم نے اس کا بھاؤ معلوم کیا تو ہم اس وقت بہت حیران ہوئے جب نورستانیوں نے بتلایا کہ نہ صرف یہ کہ نمک چودہ روپے کلو ہے بلکہ چینی بیس روپے کلو اور مٹی کا تیل ساٹھ روپے گیلن ہے !! اور یہی حال باقی چیزوں کا ہے۔ وجہ یہ کہ افغانستان سے ہر قسم کا رابطہ منقطع ہوجانے کی وجہ سے ضروریات زندگی کی اشیاء پاکستان سے لائی جاتی ہیں، جنہیں لانے کے لیے کئی دن کا سفر درکار ہوتا ہے، لہٰذا گرانی بہت زیادہ ہے۔ اب ان مشکلات اور غربت کے باوجود ان لوگوں نے اس گرانی کو تو قبول کرلیا ہے لیکن روس

کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا اور مسلمانوں کے لیے دنیا میں عزت و وقار کی زندگی بسر کرنے کا راز بقول اقبال یوں سمجھایا ہے ؎

دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوق خراش

اس باڈے سے دائیں طرف ایک درہ ہے جہاں سے بدخشان کو راستہ جاتا ہے۔

اشٹیوی کا آسان راستہ:

اب ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر عازم سفر ہوئے۔ یہاں سے ایک گھنٹہ تک راستہ ایسا ہے کہ گھوڑے پر تیز چلا جا سکتا ہے، اس کے بعد پھر اشٹیوی تک دو گھنٹوں کا راستہ کشادہ وادی میں ایسا ہے جیسے میدانی زمین میں سڑک ہو۔ یہاں ہم نے گھوڑوں کو دوڑانا شروع کر دیا اور سرپٹ دوڑتے ہوئے گاؤں کے ایک کونے پر بنے ہوئے ڈیرے پر جا پہنچے۔ یہاں اہل قریہ بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے، ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے ہمارا خیر مقدم کیا اور رات کو گوشت اور ثرید سے ہماری مہمان نوازی کا بندوبست کیا۔ دوسرے دن ہماری شاندار ضیافت کی گئی۔ ذکی الرحمٰن صاحب نے بتلایا کہ اہل اشٹیوی مہمان نوازی میں پورے نورستان میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور اس کا اندازہ ہمیں کچھ دیر بعد اس وقت بخوبی ہو گیا جب ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ جس کمرے میں ہمیں کھانا کھلایا گیا وہاں قوم کے گدے کافی تعداد میں تھے اور قاضی قریہ جناب محمد خان صاحب نے بتلایا کہ یہ گدے صرف مہمانوں کے لیے لائے گئے ہیں۔ پھر وہیں پر دو بڑے بڑے دیگچے پڑے تھے جن میں تقریباً ایک من کے قریب گھی تھا۔ ہمیں بتلایا گیا کہ یہ گھی بھی صرف مہمانوں کے لیے ہے کہ جتنا چاہیں کھائیں۔ برتن بھی صاف ستھرے اور اسٹیل کے تھے۔

پرنس میں ایک رات:

عصر کے وقت چار بجے ہم اشٹیوی سے روانہ ہوئے اور پانچ بجے پرنس جا پہنچے۔ محمد خان

صاحب بھی پرُفس تک ہمارے ساتھ گئے۔ یہاں وسطی نورستان کی وادی پارون کی مجلس شوریٰ کے رئیس مولانا محمد افضل صاحب کے ہاں ہمارا قیام ہوا۔جس کمرے میں ہم نے قیام کیا اس کے باہر لکھا ہوا تھا:

''نہ شرقی نہ غربی، دولت انقلابی اسلامی افغانستان''

جب کہ دروازے کے اوپر یہ الفاظ مرقوم تھے:

''تمام جہاں کا حقدار......دولت انقلابی افغانستان''

پرُفس کی مسجد میں ہم نے ۴۲ فٹ لمبا شہتیر دیکھا۔ اسی طرح مرکز دولت کی مسجد کی طرح یہاں بھی مسجد کے ساتھ ہی ایک چشمہ جاری ہے، جس سے وضو کیا جاتا ہے۔چشموں کا پانی شدید ٹھنڈا ہوتا ہے، اس لیے بعض نورستانی بھی چشمہ کے بجائے دریا کے پانی سے وضو کرتے ہیں۔لیکن اللہ کی قدرت ملاحظہ ہو کہ یہی سردیوں میں پانی گرم ہو جاتا ہے اور چشموں سے بھاپ اٹھتی محسوس ہوتی ہے پرُفس کی مسجد کے مسقّف حصے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگلا حصہ گرمیوں کے لیے اور پچھلا حصہ سردیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ پچھلے حصے کے فرش کے نیچے لمبائی میں نالیاں بنائی گئی ہیں۔ ان نالیوں کے اوپر پتھر رکھ کر مٹی سے لپائی کر کے فرش چھت ڈال کر بنا دیا گیا ہے اور ان نالیوں کے ایک سرے پر چھوٹا سا کمرہ بنایا گیا ہے جس میں آگ جلائی جاتی ہے۔ دوسری طرف کی دیوار سے دھوئیں کے نکلنے کی جگہ بنائی ہوتی ہے۔ کافی آگ جلانے کے بعد دھانے کو بند کر دیتے ہیں اور یہ کمرہ تقریباً چھ سات روز تک گرم رہتا ہے۔

حسین اور کشادہ وادی:

ہم سات بجے پرُفس سے روانہ ہوئے۔ آدھے گھنٹے بعد ''دیوا'' کے مقام پر پہنچے اور پھر بغیر کسی توقف کے کُشتگی اور شوشم نامی گاؤں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے دس بجے ہم وادی کے آخری گاؤں پشگی پہنچے۔

یہ وادی نورستان کی تمام وادیوں سے زیادہ کشادہ ہے۔بعض جگہ اس کی چوڑائی ایک کلو میٹر تک محسوس ہوتی ہے اور سرسبز وحسین ایسی کہ گندم جو کہ ابھی تک ہری بھری تھی، اس کے کھیتوں کی باڑ بھی ہرے بھرے خودرو پودوں اور رنگا رنگ پھولوں سے مزین تھی۔کہیں پاپولر کے سیدھے اور لمبے درختوں کا جم گھٹا جنگل کا منظر پیش کر رہا تھا تو کہیں اردگرد کی شاداب ڈھلوانیں چشموں کے شور سے دل لبھا رہی تھیں۔لیکن یہ وادی شرقی نورستان جیسے پھلوں سے محروم ہے۔توت بہت کم ہوتا ہے اور خوبانی بھی ناقص قسم کی ہوتی ہے۔ البتہ بادام کے درخت بہت زیادہ ہیں۔ اخروٹ بھی کافی ہوتا ہے اور چلغوزوں کے درختوں سے تو پہاڑوں کے پہاڑ بھرے ہوئے ہیں لیکن یہ سارا چلغوزہ ہر سال ضائع ہو جاتا ہے۔

وادیٔ پارون کو پار کرنے کا مرحلہ:

پشکی سے دو گھنٹے کے بعد وادیٔ ''کنتوا'' میں داخل ہونے کے لیے ہم پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ اب بائیں طرف وائیگل کی وادی شروع ہو جاتی ہے اور یہ تنگ وادی ہے اس کے آخر پر بحرین کا گاؤں ہے۔پشکی سے بحرین تک سات گھنٹوں کا سفر ہے۔

ہم دائیں طرف پہاڑ پر چڑھنا شروع ہوئے۔ دوران چڑھائی ایک خطرناک ڈھلوانی پتھر سے جب ہم گزرنے لگے تو میرا گھوڑا جس کی لگام پکڑے ہوئے میں آگے آگے چل رہا تھا، اس کا پاؤں پھسل گیا !! میں نے گھوڑے کی لگام فوراً چھوڑ دی اور گھوڑا قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے ایک گہرے کھڈ کی طرف لڑھکنے لگا۔میرے گھوڑے کے پیچھے ذکی الرحمٰن صاحب کھڑے تھے۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ کا مزید کرم یہ ہوا کہ تین قلابازیوں کے بعد ایک بڑی لکڑی کی آڑ نے گھوڑے کو روک دیا۔ ذکی الرحمٰن صاحب گھوڑے کو بڑی مشکل کے ساتھ وہاں سے اوپر لائے۔گھوڑا اب کئی جگہ سے زخمی ہو چکا تھا۔ جب ہم نے نیچے دیکھا تو اس سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ میں ایک جگہ گرے ہوئے گھوڑے کی ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا نظر آ رہا تھا!! ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہمارے رب کریم نے مجھے اور ذکی الرحمٰن صاحب کو گھوڑے سمیت بچا لیا۔

وادیٔ کنتوا......اسلام پٹ میں ورود:

سات بجے ہم پہاڑ پر واقع وادیٔ کنتوا کے پہلے گاؤں ''مم'' پہنچے۔ رات یہاں گزاری۔ صبح یہاں سے فارغ ہو کر ایک گھنٹہ مزید چلتے ہوئے ۱۳ اگست کو ہم اسلام پٹ پہنچے۔ نورستانی زبان میں ''پٹ'' جگہ کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ گاؤں بلند جگہ پر واقع ہے اس لیے اسے اسلام پٹ یعنی ''اسلام کا ٹیلا'' کہتے ہیں۔

جب ہم اس گاؤں میں پہنچے تو حسب معمول ہمارا استقبال کیا گیا۔ حاجی عبد المتین صاحب کے ہاں ہمارا قیام ہوا اور وہی ہمارے میزبان تھے۔ حاجی صاحب بزرگ آدمی ہیں، ان کا ایک جواں سال بیٹا جہاد میں شہید ہو چکا ہے، جب کہ باقی دو بیٹے پاکستان میں زیر تعلیم ہیں۔ ان دنوں کنتوا کے قاضی مولانا عبد اللہ بن فضل اسلام پٹ سے آدھے گھنٹے کے فاصلے پر ''بستی حلیا'' میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ ہمارا پیغام پہنچتے ہی آپ عصر کے وقت تشریف لے آئے۔ مولانا نے سند فراغت جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ سے حاصل کی۔

اسی دن کانفرنس ختم ہوگئی اور ''حلیا'' سے واپس آنے والے علماء سے ملاقات ہوگئی۔ والیٔ بحرین مولانا نعمت اللہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔

نفاذ حدود:

وادیٔ کنتوا کے امیر اور قاضی مولانا عبد اللہ بن فضل نے ہمیں بتایا کہ فروری ۱۹۸۴ء میں میرا چچازاد بھائی محمد عمر ولد حاجی محمد رحیم اور جان محمد کی بیوی کبریٰ دونوں میرے پاس آئے اور بغیر کسی جبر واکراہ کے دونوں نے زنا کا اقرار کیا۔ میں نے قرآن وسنت کے فیصلہ کے مطابق رجم کا حکم دے دیا اور ایک بہت بڑے ہجوم کے سامنے ان دونوں شادی شدگان کو ان کے رشتہ داروں کی موجودگی میں، جو فیصلے پر سر تسلیم خم کر چکے تھے، رجم کر دیا گیا۔ قاضی صاحب نے مزید بتایا کہ میں اس وقت بڑا حیران ہوا جب محمد عمر نے رجم ہونے سے قبل گھنٹہ بھر انتہائی مؤثر تقریر کی اور احکم الحاکمین کے حضور پیش ہونے سے قبل اسی دنیا میں اپنا معاملہ

چکا دینے کی باتیں کیں۔ تب کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس ایمان افروز اور عبرت ناک منظر کو دیکھ کر آنسو نہ بہا رہی ہو۔

ہم نے وہ جگہ بھی دیکھی جہاں ان کو رجم کیا گیا تھا، وہ پتھر ابھی وہاں پڑے ہوئے حد الٰہی کے نفاذ کی گواہی دے رہے تھے۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے دونوں کی قبروں کی نشاندہی کی اور ہم نے ان کی مغفرت کے لیے اللہ کے حضور دعا کی۔

اس کے علاوہ ''دبتی علیا'' کا عبد العزیز بن عبد الجلیل جو کنوارا تھا، اسے اسی جرم میں سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا دی جا چکی ہے۔

پاک دامن عورتوں یا مردوں پر تہمت لگانے والے چند افراد پر حد قذف جاری کرتے ہوئے اسی اسی دڑے بھی لگائے جا چکے ہیں۔

قاضی صاحب چونکہ تمباکو اور نسوار کو بھی اپنے اجتہاد کی بنا پر نشہ آور اشیاء میں سے خیال کرتے ہیں، اس لیے چند تمباکو نوش اور نسوار خور مردوں اور عورتوں کو بھی چالیس چالیس دروں کی سزا دے چکے ہیں۔

ایسے ہی داڑھی منڈوانا بھی قابل تعزیر جرم ہے، جب کہ کترانے والے کو دولت کی طرف سے سزا کے طور پر کسی عہدے پر فائز نہیں کیا جاتا۔

بحرین کا سفر:

اسلام پٹ سے چھ گھنٹے بعد ہم بحرین پہنچے۔ اس مقام کو بحرین اس لیے کہتے ہیں کہ وادیٔ پارون اور کنتوا کے دونوں دریا یہاں آ کر ملتے ہیں۔ پھر اسی دریا کے آگے وسطی نورستان کی وادی ''واما'' ہے۔ شمال کی طرف وادی وائیگل ہے۔ بحرین کا گاؤں ایک گھنٹے کی مسافت پر پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ جب ہم گاؤں میں پہنچے تو گورنر بحرین مولانا نعمت اللہ صاحب نے ہمارا خیر مقدم کیا، ہمیں گورنر ہاؤس کے سامنے دو درختوں پر بنے ہوئے ایک خوبصورت خیمے میں ٹھہرایا گیا۔ جب ہوا چلتی تو یہ خیمہ جھولے کی طرح تھوڑا تھوڑا جھومتا تھا۔

رات ہم اسی خیمے میں سوئے تھے۔

گورنر صاحب کی عمر ۳۵ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ سیاہ داڑھی، کشادہ پیشانی، قد آور اور بڑے وجیہ آدمی ہیں۔ انہوں نے مولانا گوہر الرحمٰن کے مدرسہ تفہیم القرآن سے دینی تعلیم حاصل کی اور دورہ تفسیر وحدیث سرحد کے مشہور قصبے پنج پیر کے حنفی مدرسہ سے کیا۔ دوران تعلیم مولانا منیر سلفی صاحب سے ان کی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ مولانا مدرسہ تفہیم القرآن میں استاد تھے۔ بحث مباحثے کے بعد جب تقلیدی حجابات اٹھے تو مولانا نعمت اللہ صاحب نے حنفیت کو چھوڑ کر سلفیت کو اختیار کر لیا۔ علامہ اقبال نے ایسے ہی مقام کے لیے خوب کہا ہے ؎

گیا ہے تقلید کا زمانہ مجاز رخت سفر اٹھائے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا

قنوت نازلہ:

جب ہم نے نماز مغرب گورنر صاحب کی اقتداء میں ادا کی تو انہوں نے نماز میں قنوت کی جس میں کمیونسٹوں اور دشمنان دین کے لیے بد دعا کی اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کے لیے دعا کی۔

نشانہ بازی:

جناب گورنر صاحب نے ہمیں راکٹ لانچر سے راکٹ پھینکنے کا نظارہ دکھایا۔ اس سے ہیلی کاپٹر گرالیا جاتا ہے اور یہ ٹینک اور بکتر بند گاڑی کے آر پار ہو جاتا ہے۔ اسے کندھے پر رکھ کر چلایا جاتا ہے اور یہ رائفل کی طرح جھٹکا نہیں لگاتا۔ اس کے بعد (L.M.Gun) جس کی میگزین میں ۱۰۰ گولیاں ہوتی ہیں اور اسے زمین پر رکھ کر ہیلی کاپٹر کو بھی گرانے کا کام لیا جاتا ہے۔ ہم سب کو جناب گورنر صاحب نے انہیں چلانے کی تربیت دی اور ہم نے اس کے دو دو فائر بھی کیے۔

جہاد میں تاخیر:

گورنر صاحب بدخشان کے علاقے منجان میں جہاد کی تیاری میں مصروف تھے اور مجاہدین روسیوں کی پھیلائی ہوئی بارودی سرنگوں کا سراغ لگا کر راستہ صاف کرنے میں مشغول تھے کہ بدخشان کے سلفی حضرات کا ایک گروپ جو نورستانی مجاہدین کی معیت میں بدخشان میں جہاد کے لیے روانہ ہونے والا تھا، تیاریوں کے سلسلہ میں لیٹ ہوگیا اور ایسی صورت حال سے محسوس ہورہا تھا کہ پروگرام میں کم ازکم مزید دو ماہ تاخیر ہوجائے گی۔ میرے پاس وقت کی گنجائش نہیں تھی لہذا میں نے واپس آنے کا فیصلہ کرلیا۔

بدخشان کی سرحد جو کہ نورستان سے ملتی ہے، یہاں منجان کے علاقے میں آغا خانیوں کی اکثریت ہے اور ان کا کمیونسٹوں کے ساتھ گہرا رابطہ ہے اور ان کی طرف سے انہیں اسلحہ، پیسا اور دیگر ضروریات زندگی کا سامان وافر ملتا ہے اور یہ مجاہدین کے خلاف کمیونسٹوں کے لیے ڈھال بنے ہوئے ہیں۔ اب نورستانیوں کا خیال ہے کہ اس علاقے پر قبضہ کرکے کمیونسٹوں کے ساتھ براہ راست جہاد کا راستہ بنایا جائے۔

بحرین سے واپسی:

میرے چاروں ساتھی اس امید پر کہ شاید جہاد کی کوئی خبر مل جائے، چند دنوں تک مزید انتظار کرنے لگے لیکن میں نے جناب گورنر صاحب اور اپنے ساتھیوں سے اجازت لی چنانچہ ۴ اگست کو والیٔ بحرین نے ایک شخص محمد موسیٰ کو میرے ہمراہ کردیا اور گھوڑے پر سوار ہوکر ہم دونوں دس بجے روانہ ہوئے۔ دو گھنٹے بعد ہم ایک گاؤں چتراش پہنچے۔ یہاں کچھ دیر آرام کیا اور پھر پانچ بجے ہم وادی پارون کے گاؤں پشکی پہنچے۔ یہی موسیٰ صاحب کا گاؤں ہے، رات یہاں گزاری اور دوسرے دن صبح نو بجے یہاں سے روانہ ہوئے۔ ایک گھنٹہ چلنے کے بعد میں نے محمد موسیٰ کا شکریہ ادا کیا اور کہا: ''آپ اب واپس اپنے گاؤں جاسکتے ہیں، میں ان شاء اللہ اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔''

ہوٹل میں شب اجنبیت:

جاتے ہوئے یہاں پر جو باڑا تھا وہ اب کسی اور جگہ منتقل ہو چکا تھا۔ ہوٹل کے دونوں کمروں میں پنج شیر اور بدخشان کے مجاہدین کا ہجوم تھا۔ ان کے اور میرے درمیان زبان کا مسئلہ حائل تھا۔ بہر حال رات کو پتھروں کے بنے ہوئے ایک کمرے کے کونے میں سو رہا۔ جب صبح کے چار بجنے لگے تو اچانک میرے اوپر پانی کی ایک دھار پڑی، جب باہر جا کر دیکھا تو ایک کیتلی اوندھے منہ پڑی تھی۔ دراصل کسی نے پانی استعمال کر کے جلدی میں اسے کمرے کی چھت پر پھینک دیا جو بمشکل چار ساڑھے چار فٹ اونچی تھی اور یہ کیتلی رات کی سخت سردی میں اپنا پانی مجھ پر انڈیل کر میری یادداشتوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔

ازاں بعد مجاہدین نے سفر کی تیاری شروع کردی۔ گھوڑوں کو مکئی کا چارہ دیا اور خود مکئی کی روٹی کھانا شروع کردی۔ ہوٹل والے نے مجھے بھی رات کی پکی ہوئی مکئی کی چپاتیاں دیں۔ میں نے جب گھوڑے کے لیے اس سے مکئی طلب کی تو اس کے پاس موجود نہ تھی، مجاہدین سے اشاروں کی بین الاقوامی زبان کے ساتھ خریدنا چاہی تو انہوں نے بھی معذرت کردی۔ اب میں نے اپنی چپاتیاں گھوڑے کو کھلا دیں اور خود چشمے کا پانی پی کر تیاری کرنے لگا اور پانچ بجے ان قافلوں کے ہمراہ پہاڑ پار کرنے کے لیے روانہ ہوا۔

آزمائشی لمحات:

ہوٹل سے روانہ ہوتے ہی ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہوگئی اور جب پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو سیاہ بادلوں نے آگھیرا، جب چوٹی کے قریب پہنچے تو اچھی خاصی بارش شروع ہوگئی اور بارش کے بعد برف باری ہونے لگی۔

مجاہدین اور مہاجرین کے قافلے گھوڑوں اور گدھوں پر لدے ہوئے سامان سمیت اوپر سے نیچے تک ایک لائن میں کھڑے تھے اور باری باری چوٹی کے قریب والا انتہائی خطرناک راستہ ایک ایک کر کے پار کر رہے تھے۔ پھر جب برف باری کے ساتھ ہوا بھی چلنا شروع

ہوگئی تو کڑاکے کی سردی جان نکالنے لگی۔عورتوں اور بچوں کی حالت ناقابل برداشت تھی۔ ایک دو بچیاں چلا چلا کر رورہی تھیں۔ اس دوران جب میں نے نیچے کھڑے ہوئے گھوڑے کو اپنے پورے زور کے ساتھ اوپر کی طرف بار بار کھینچا تو میرے دائیں کاندھے کا جوڑ، جو اس سے قبل ایک چوٹ لگنے کے بعد کندھے سے وقتاً فوقتاً نکل کر خود بخود ٹھیک ہو جایا کرتا تھا، اب پھر جوڑ سے نکل گیا۔ میں نے بازو کو حسب معمول پیچھے کی طرف گھمایا لیکن جوڑ صحیح نہ ہوا۔ میں نے شدید تکلیف کے باوجود بار بار ایسا کیا۔ لیکن جوڑ صحیح ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اب بار بار ایسا کرنے پر شدت درد کی وجہ سے میرا دل ڈوبنے لگا۔ وہاں پر موجود برف کھائی تو کچھ افاقہ ہوا۔تب پھر مشق کرنے لگا لیکن ناکامی ہوئی۔ اب بازو کو جو میں نے سر پر رکھا ہوا تھا، یہاں سے ہٹایا تو شدت درد سے بلبلا اٹھا حتیٰ کہ میں نے اس چوٹی کے سفر اور موسم کی کیفیت کو دیکھ کر یہ یقین کرلیا کہ ایسی حالت میں چوٹی کبھی سر نہیں کرسکوں گا۔ جب کہ یہاں پر میرا کوئی ہم زبان بھی نہیں اور نفسانفسی کا عالم ایسا ہے کہ کوئی میری حالت کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا۔ کیا اب مجھے یہیں مر جانا ہے؟ میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ حتیٰ کہ چترال کا رہنے والا ایک شخص جو تھوڑی بہت اردو جانتا تھا، اس نے مجھ سے میرا حال پوچھا.....؟ میں نے اسے صورت حال بتائی تو اس نے مجھے تسلی دیتے ہوئے گھوڑے کو چوٹی پر پہنچانے کا وعدہ کیا۔ اب اسی حالت میں گھنٹہ بھر کھڑا رہا۔ پھر اس شخص نے اپنا سامان وغیرہ چوٹی پر پہنچانے کے بعد میرا گھوڑا چوٹی پر پہنچا دیا اور میں ایک بازو کے ساتھ نوکیلے پتھروں کو پکڑ پکڑ کر رینگتا ہوا بڑی احتیاط کے ساتھ اللہ اکبر کہتا ہوا چوٹی پر پہنچا۔ اب ایک بازو سر پر اور دوسرے سے گھوڑے کو پکڑ کر نیچے اترنے لگا اور اللہ کے حضور رو رو کر دعائیں کرتا ہوا بازو کو گھما کر ٹھیک کرنے کی بار بار کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا:

"میرے مولا.....! تو ہر حالت میں اپنے بندے کے قریب ہوتا ہے اور لاچاروں کی پکار کو سنتا ہے۔

میرے پروردگار......! اگر میں اسی حالت میں رہا تو لوگ کیا کہیں گے کہ تو نے اپنے راستے کے ایک اجنبی مسافر کی پکار پہاڑوں پر بھی نہیں سنی۔''

یہ الفاظ کہہ کر میں ٹھہر گیا اور گھوڑے کو چھوڑ کر اوندھے منہ سجدے میں گر گیا۔ میرا اگرنا تھا کہ میرے بازو کا جوڑ اللہ تعالیٰ نے اسی لمحہ اپنی جگہ پر لوٹا دیا اور وہ یوں ہو گیا جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ پھر اپنے مہربان مالک کا شکر ادا کرتا ہوا، سبحان اللہ کا ورد کرتا ہوا تیزی کے ساتھ چوٹی سے اترنے لگا۔ پہاڑ سے اترتے ہی نیچے ایک ہوٹل میں پہنچا اور گائے کا گرم گرم دودھ پیا۔

اور ٹھیک سات بجے مسلسل چودہ گھنٹے سفر کرنے کے بعد پپڑوک پہنچ گیا۔ پپڑوک میں رات حاجی عثمان صاحب کے ہاں گزاری۔

امیر دولت سے الوداعی ملاقات:

حاجی عثمان صاحب سے اجازت لے کر صبح سویرے پانچ بجے پپڑوک سے مرکز کی طرف روانہ ہوا، عصر کے وقت دار الحکومت سعید آباد جا پہنچا۔ جب اپنی رہائش گاہ پر پہنچا تو ڈاکٹر احمد جاوید صاحب اور ابو صفی صاحب پاکستان جانے کے لیے امیر دولت سے الوداعی ملاقات کر کے واپس آ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور میری خوشی کی بھی کوئی انتہاء نہ رہی کہ اب تنہا جانے کی بجائے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سفر کروں گا۔ اب میں بھی امیر صاحب سے الوداعی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ امیر صاحب کی خدمت میں والیٔ بحرین کا خط پیش کیا۔ امیر صاحب نے سفر کے حالات، ساتھیوں کی خیر و عافیت، جہاد کی تیاری اور ''خایا'' کی کانفرنس کے بارے میں چند سوالات کیے، انہوں نے اس سفر کے مشاہدے کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرنے کو بھی کہا۔ چنانچہ میں نے امیر صاحب کو تفصیل کے ساتھ اپنے مشاہدات، حالات اور تاثرات سے آگاہ کیا اور آخر میں چند سوال کرنے کے بعد اپنی تجاویز بھی پیش کیں۔ اس کے بعد میں نے امیر صاحب سے اجازت چاہی تو آپ مجھے ازراہ شفقت دار الامارت کے دروازے تک الوداع کہنے کے لیے آئے اور گلے لگا کر

دعاؤں سے رخصت کیا۔

پاکستان واپسی کا سفر:

سعید آباد سے ایک گھنٹہ میں ہم برگمال پہنچے۔ رات یہاں بسر کی۔ امیر قریہ نے خوب مہمان نوازی کی۔ درحقیقت دولت اسلامی نے نورستان کے ہر گاؤں میں سرکاری مہمان نوازی کا اہتمام کر رکھا ہے اور امیر قریہ مہمان نوازی پر اٹھنے والے اخراجات سرکاری خزانے سے وصول کر لیتا ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ لوگ سرکاری مہمان نوازی پر ہی اکتفا کرتے ہوں بلکہ سرکاری انتظام جو اپنی جگہ خوب ہے، کے علاوہ اہل قریہ بڑی چاہت اور خوشی کے ساتھ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔

برگ متال میں رات بھر بارش ہوتی رہی اور صبح بھی بارش ہو رہی تھی لیکن ہم ایک نورستانی ساتھی کی راہنمائی میں ۸ اگست کو برگمال سے بمبریت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے دن کے تقریباً بارہ بجے دوران بارش ہی سفر پر روانہ ہو گئے۔عبد البصیر صاحب رئیس محکمہ تقرریات،عبد الحمید اور برادرم نور محمد ہمیں رخصت کرنے کے لیے کافی دور تک ہمارے ساتھ چلتے رہے۔

ضیافت اور سیلاب:

پہاڑی علاقوں میں بارش آہستہ آہستہ ہوتی ہے، میدانی علاقوں کی طرح موسلا دھار نہیں ہوتی اور اگر کبھی ہو جائے تو فوراً سیلاب آ جاتا ہے۔ اب دو دن متواتر تیز بارش ہونے کی وجہ سے اس وادی میں سیلاب آ چکا تھا۔ لہذا راستے کٹ گئے اور کھیت برباد ہو گئے۔ اب ہمارا راہبر ہمیں غیر معروف اور مشکل راستوں سے لے جا رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد ایک باڑا آیا۔ اس باڑے میں رہنے والے ایک بزرگ ہر آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اس لیے یہ حاجی سخی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے حسب معمول کروت، دودھ اور مکی کی

روٹیوں سے ہماری ضیافت کی، حالانکہ سیلاب سے ان کے مکئی کے کھیت تو کیا زمین ہی ناکارہ ہو گئی۔ کیونکہ اب وہاں پر سیلاب کے لائے ہوئے چھوٹے بڑے بے شمار پتھر پڑے تھے۔ ایک چٹان نما پتھر ان کے مکان کے بالکل قریب آ کر رک گیا۔ جب کہ ان کی پن چکی کا نام ونشان مٹ چکا تھا۔ حاجی صاحب نے سیلاب کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ہم نے تو سمجھا کہ بس یہ آخری رات ہے، اس کے بعد ہم اس مکان سے فوراً نکلے اور بقیہ رات سامنے پہاڑ کے دامن میں گزاری۔ حاجی عبدالکریم صاحب اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس مہربان مالک نے ہماری جان بچا دی اور شکرانے کے طور پر انہوں نے اللہ کے حضور دو جانور بھی ذبح کیے۔

یہاں سے چلنے کے بعد ہم نے چھ بجے ہمر بیت کا پہاڑ چڑھنا شروع کیا اور دو گھنٹے بعد ہم نے ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں رات گزاری۔ اس پتھر کے اردگرد چھوٹے چھوٹے پتھر چن کر دیوار بنا دی گئی ہے یعنی ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ جس میں چھ سات آدمی آرام کر سکتے ہیں۔

دلچسپ نظارہ:

۹ اگست کو صبح پانچ بجے ہم یہاں سے روانہ ہوئے اور ایک گھنٹے بعد ہم ایک باڑے پر پہنچ گئے۔ باڑے میں آگ جل رہی تھی، ہم بھی سردی کے مارے ہوئے تھے۔ لہٰذا ہم نے آگ سینکنا شروع کر دی۔ ادھر باڑے والوں نے ہماری مہمان نوازی کے لیے گایوں کو بلا بلا کر دودھ دوہنا شروع کر دیا۔ ہماری حیرت کی اس وقت کوئی انتہاء نہ رہی جب نورستانی جوان ساٹھ ستر گایوں میں سے ہر ایک کا نام باری باری پکارتا اور جس گائے کا نام پکارتا وہ گائے اس کے پاس آ کر کھڑی ہو جاتی۔ اس کا بچہ بھی آ جاتا اور بچے کے دودھ پینے کے بعد وہ اسے دوہنا شروع کر دیتا۔ ہمیں اس نے تین گایوں کو بلا کر ان کا دودھ پلایا۔ ان کے نام سرمل، ٹیمل اور زمل تھے۔

ہم نے یہاں پہنچتے ہی پہلے لسی نوش کی، اس کے بعد ہم چاروں نے روٹی کے ساتھ گرم گرم دودھ پیا، پراٹھے تو برائے نام ہی کھائے، البتہ دودھ خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر تھکاوٹ دور کرنے کے بعد چلنا شروع کیا اور پہاڑ کی چوٹی کے نزدیک دو خوبصورت جھیلوں کا نظارہ کرنے کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ برف پر چل کر ہم ٹھیک بارہ بجے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ یہ چوٹی پاکستان کو افغانستان سے جدا کرتی ہے۔

نورستان......الوداع:

چوٹی پر نورستان سے الوداع ہوئے اور نیچے اترتے ہی سرزمین پاکستان میں داخل ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ہمیں سیاہ بادلوں نے گھیر لیا اور پھر بارش نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا۔ بارش میں بھیگتے ہوئے تین چار گھنٹے بعد ہم ایک خیمہ نما ہوٹل میں پہنچے۔ یہاں پر کھانا کھایا، قہوہ پیا، کپڑے تبدیل کیے اور کچھ آرام کیا۔ یہاں پر ایک نوجوان جسے ہمارے آنے کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی، ہمارا استقبال کرنے کے لیے ہوٹل میں ہمارا منتظر تھا۔ لہٰذا ہم یہاں سے چلتے ہوئے رات کے نو بجے وادی بمبریت کے گاؤں ''شیخاندہ'' پہنچے، کھانا کھایا اور دو اڑھائی گھنٹے کے لیے سو گئے۔ اگرچہ یہاں سے جیپ چترال کے لیے جاتی ہے لیکن ہم نے پیدل سفر کو ترجیح دی اور تین گھنٹوں میں ہم نے وادی بمبریت کو پار کیا۔ ازاں بعد ڈیڑھ گھنٹہ مزید سفر کرتے ہوئے ہم اڑمبور پہنچے۔ اس طرح ہم نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلسل بیس گھنٹے کا پیدل سفر مکمل کیا۔

کافرستان کی سیر:

یہ وادی ''کافرستان'' یا ''کالاش'' کے نام سے مشہور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وادی کا نام اس کے قصبے کے نام پر اڑمبور ہے۔ کالاش ان کا مذہب ہے اور کافرستان کا نام ان کے کفریہ عقائد کی وجہ سے اس وادی کو دیا گیا ہے۔ اس کی خوبصورتی کے متعلق ہم نے بہت

کچھ سن رکھا تھا لیکن سننے کے مطابق نہ پایا اور اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم اس سے کہیں زیادہ خوبصورت علاقہ نورستان دیکھ کر یہاں آئے تھے۔ بہر حال ہم نے یہاں ہوٹل میں قیام کیا، دوران قیام یہاں کی نو تعمیر شدہ خوبصورت جامع مسجد کے امام مولوی برہان الدین صاحب کو، جن کی ابو صفی سے پہلے ہی واقفیت تھی، ہوٹل میں کھانے کی دعوت دی۔ ان کے باپ نو مسلم تھے، لہٰذا یہ مسلمان گھر میں پیدا ہوئے۔ جب کہ ان کے بڑے بھائی اور بہنیں ابھی تک کافر ہیں۔ مولوی صاحب کے ہاتھ پر نئے نئے مسلمان ہونے والے دو نوجوانوں سے بھی ہم نے ملاقات کی۔

یہاں پر اکثریت کافروں کی ہے جو عبادت گاہوں میں بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو بھی مانتے ہیں، قیامت اور جنت وجہنم کا بھی برائے نام تصور رکھتے ہیں۔ ان کی عورتیں پردہ بالکل نہیں کرتیں اور مخصوص قسم کا انتہائی بوجھل لباس پہنتی ہیں۔ ان میں شرم وحیا مفقود ہے اور بے حیائی بھی عام ہے۔

یہود سے مناسبت:

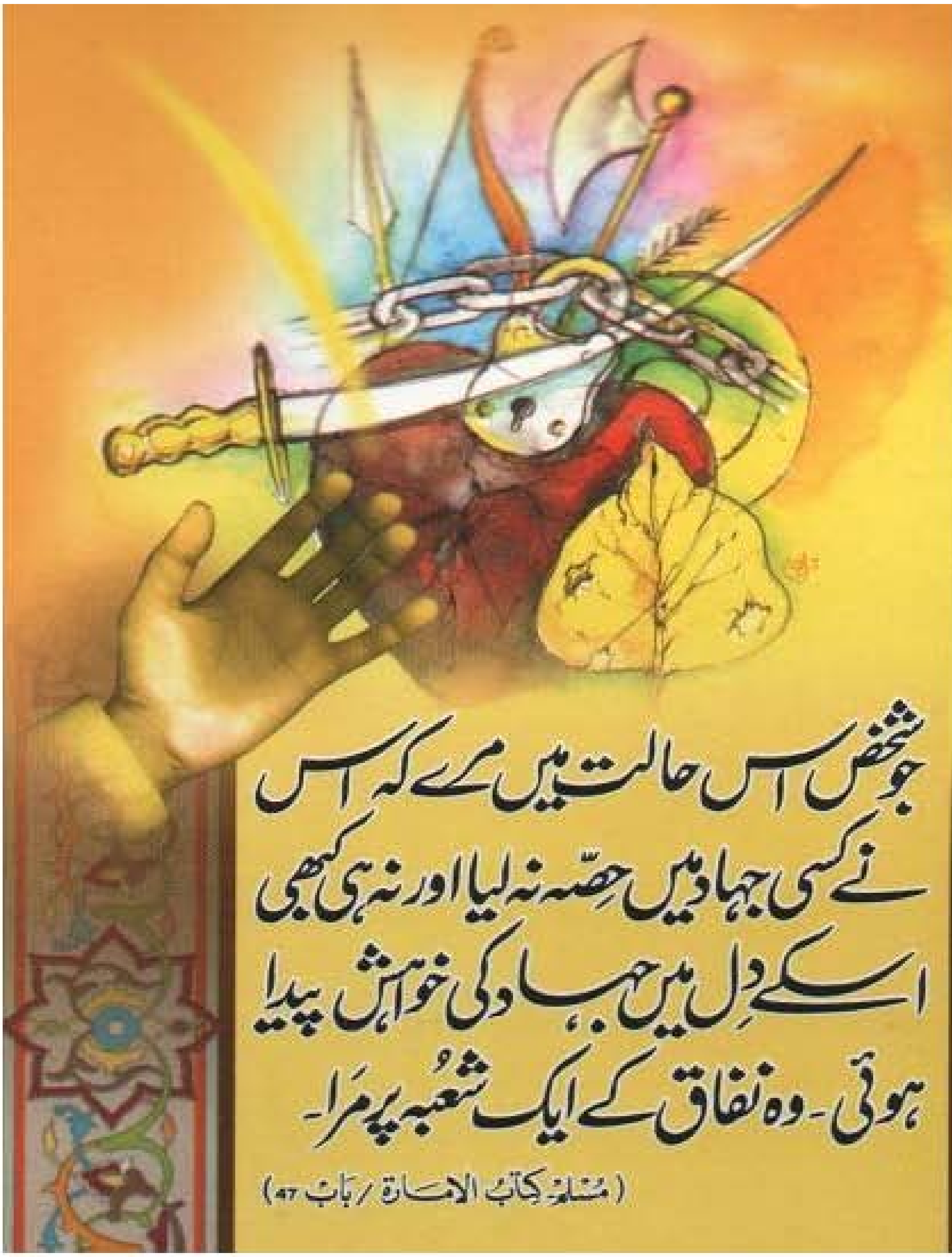
ہوٹل میں ہمارے کمرے کے سامنے ''فری میسن تحریک'' کی جانب سے ایک خوبصورت گھر بنایا گیا تھا، جس میں ان کافروں کی ان عورتوں کو رکھا جاتا ہے جو حیض ونفاس کی حالت میں ہوتی ہیں۔ یہودی تو اس حالت میں اپنی عورتوں کو گھر کے اندر ہی الگ کر دیتے ہیں لیکن انہوں نے گھر سے ہی ان کو نکال باہر کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس حالت میں جو عورتیں مر جاتی ہیں ان کو دفن بھی الگ ہی کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسی گھر کے ساتھ ملحق مخصوص قبرستان بنا دیا گیا ہے اور مزید یہ کہ ان عورتوں کے اس مخصوص رہائشی علاقہ میں کوئی مرد داخل نہیں ہو سکتا، ورنہ وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور پھر اسے پاک کرنے کے لیے دریا میں غوطے لگوائے جاتے ہیں۔

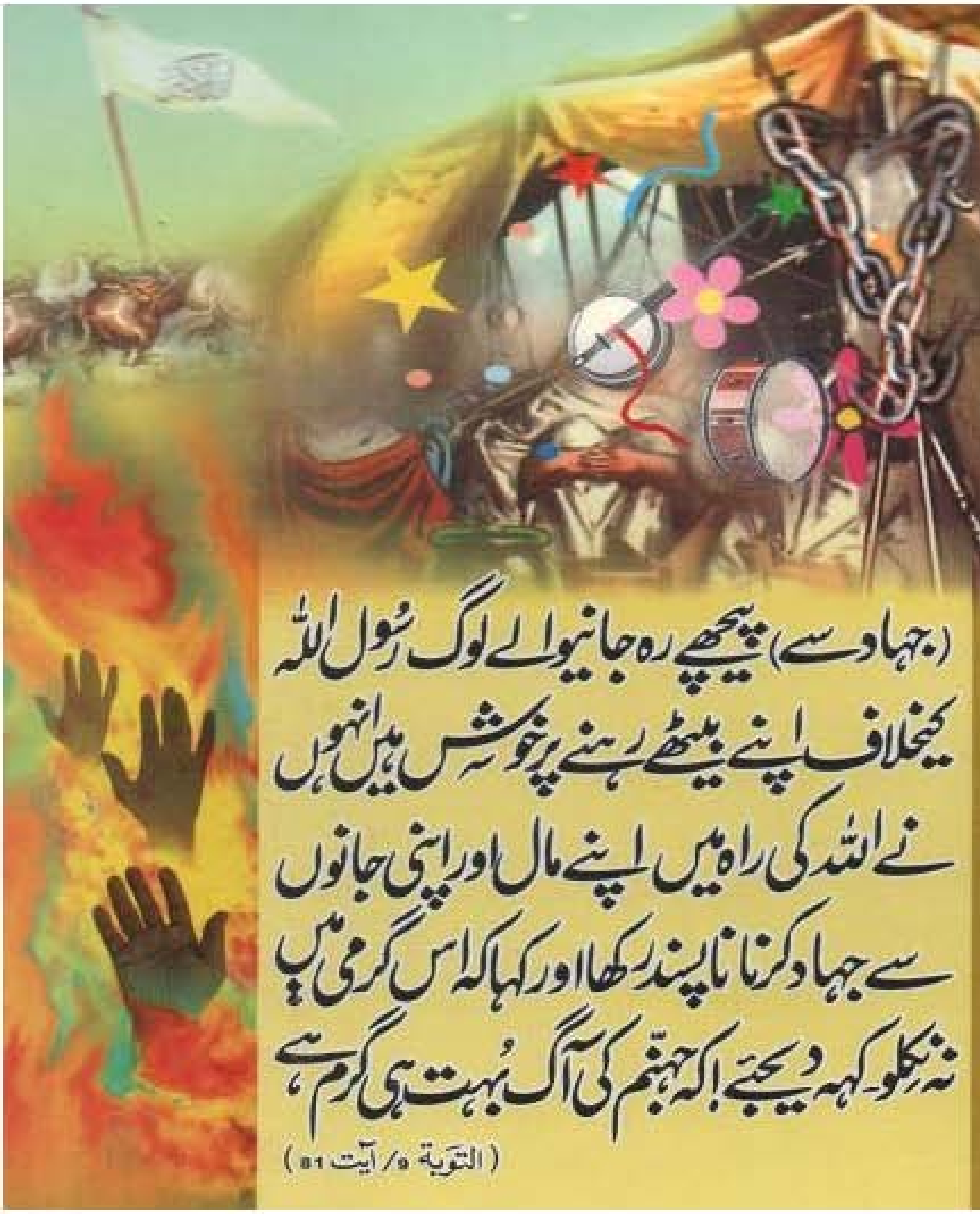
ہوٹل میں لیٹرین کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے ایک ساتھی اتفاق سے اس علاقے میں چلے گئے۔لہذا عورتوں نے دیکھتے ہی اس پر حملہ آور ہونے کے لیے ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیے۔تب ہمارے اس ساتھی نے ہوٹل میں آ کر دم لیا اور مجھے اور ڈاکٹر صاحب کو اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ہوٹل والا جو کہ یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے آ کر ہم سے معذرت کی کہ میں آپ کو بتانا بھول گیا،لہذا اب تم اس طرف نہ جانا۔تھوڑی دیر بعد اسی بات پر ایک کافر ہوٹل والے کے پاس آیا اور اپنی زبان میں خوب لڑائی کی کہ قصور تمہارا ہے،تم نے مہمانوں کو اس کے متعلق آگاہ کیوں نہیں کیا؟

وادی اژمبور میں ہم نے یہی کا پھل بھی کھایا۔سیب،اخروٹ،توت،خوبانی بھی عام پائی جاتی ہے۔مولوی صاحب نے ہمیں پچھلے سال کے انتہائی خستہ اخروٹ کھلائے۔

۱۱ اگست کی صبح کو ہم یہاں سے چترال روانہ ہوئے اور اسی دن چترال سے روانہ ہو کر ۱۲ اگست کی صبح کو آٹھ بجے پشاور پہنچے۔

❁❁❁


جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس
نے کسی جہاد میں حصّہ نہ لیا اور نہ ہی کبھی
اسکے دِل میں جہاد کی خواہش پیدا
ہوئی۔ وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔
(مسلم، کتاب الامارۃ / باب 47)


(جہاد سے) پیچھے رہ جانیوالے لوگ رسول اللہ
کیخلاف اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں انہوں
نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں
سے جہاد کرنا ناپسند رکھا اور کہا کہ اس گرمی میں
نہ نکلو۔ کہہ دیجئے! کہ جہنم کی آگ بہت ہی گرم ہے
(التوبة ۹/ آیت 81)

تیسرا باب

منزل کی جانب رواں دواں

منزل کی جانب رواں دواں

تحریک دعوت و جہاد:

ذکی الرحمٰن ایک نوجوان طالب علم تھا، جو اہل توحید کا رخ جہاد کی جانب موڑنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ یہ جدوجہد تبھی کامیاب ہو سکتی تھی جب اس کے لیے جماعت کے چوٹی کے مخلص علماء کا رخ اس جانب ہو جائے۔

اس اتفاق کو اللہ کا کرم کہنا چاہیے کہ ایک شخص حافظ عبد اللہ بہاولپوری رحمہ اللہ کا وجود دعوت کے میدان میں اس کوشش کی پہلی کڑی قرار پایا۔ حافظ عبداللہ اسم بامسمی تھے۔ اللہ کو خوش کرنے کی دھن ان پر سوار تھی۔ کسی دوسرے کی پروا ان کی فطرت میں نہیں تھی۔ وہ بہاولپور میں پروفیسر بن کر گئے تو اس ریاست میں نواب نے مرزائیوں اور وہابیوں کے لیے مسجد کا بنانا ممنوع قرار دے رکھا تھا یعنی اس قدر ظلم کہ اس نے مرزائیوں ایسے منکرین نبوت کو کہ جن کا مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبد اللہ معمار جیسے اہل حدیث علماء نے ناطقہ بند کر دیا تھا، ان کو اور اہل حدیث کو ایک ہی پلڑے میں رکھ چھوڑا تھا۔ یہ تھی ریاست بہاولپور جس میں حافظ عبد اللہ معلم بن کر گئے، عزم و ہمت کے پہاڑ نے ایک بے آباد کچی مسجد میں جمعہ کا خطبہ شروع کیا تو ان پر پتھر برسائے گئے۔ حافظ صاحب دعوت کے کام میں لگے رہے حتیٰ کہ بہاولپور کے کالج میں اساتذہ اور طلباء اہل حدیث ہونے لگے۔ حافظ صاحب سادہ طبیعت

انسان تھے، سادہ لباس پہنتے، بہاولپور میں ان کا گھر جو کافی وسیع تھا، انہوں نے لکیر مار کر آدھے کو مسجد بنا ڈالا۔ گھریلو معاشرتی زندگی میں بھی اس قدر سادہ تھے کہ انہوں نے اپنے بھانجے کو جو کالج میں ان کا شاگرد تھا اور اس کی نسبت تو پہلے ہی حافظ صاحب کے گھر طے پا چکی تھی، اب ایک روز مسجد میں نماز پڑھانے کے بعد سب نمازیوں سے کہا: ''ذرا بیٹھے رہیں۔'' اور پھر کہا: ''سعید......! ذرا یہاں میرے پاس آ جا۔'' سعید صاحب کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ حافظ صاحب نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور سعید کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا۔ پھر دونوں کو اگلے دن ایک اٹیچی کیس جہیز میں دے کر سرگودھا کی طرف ان کے گاؤں روانہ کر دیا۔

غرض حافظ محمد عبد اللہ صاحب سادہ اور سنت نبوی کے مطابق عملیت پسند انسان تھے اور یہی رنگ ان کے شاگردوں اور مقتدیوں میں دکھائی دیتا تھا۔ ان کا جو شاگرد جہاں بھی اور جس شعبے میں بھی گیا، وہ پہلے داعی تھا بعد میں کچھ اور......

دو شاگرد:

حضرت حافظ صاحب کے دو شاگرد انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے شعبہ اسلامیات میں استاذ بن کر وابستہ ہوئے۔ یہ دو شاگرد دو دوست ٹھہرے۔ ایک تو حافظ صاحب کا بھانجا اور داماد حافظ محمد سعید صاحب تھا اور دوسرا ان کا شاگرد ظفر اقبال سلفی کہ جس کا پورا گھرانہ بریلوی تھا۔ حافظ صاحب کا یہ نوجوان شاگرد بہاولپور میں خود ہی اہل حدیث نہیں ہوا بلکہ پورے خاندان کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہل حدیث بنا ڈالا۔ ان دونوں دوستوں نے حافظ صاحب کی طرز پر یونیورسٹی میں دعوت کا کام شروع کیا اور پھر پورے لاہور شہر کی مسجدوں میں انہوں نے درس کا سلسلہ شروع کیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ دعوتی درس بڑے معروف ہوئے۔ خود میرا تعارف بھی ان دونوں سے ہوا تو ان دعوتی درسوں کے ذریعے۔

بھائی ذکی صاحب نے اپنے جہادی مشن کے لیے جو مجھے پروفیسر حافظ محمد سعید کی طرف

بھیجا تھا تو اس میں مجھے اللہ کی رہنمائی ہی نظر آتی ہے کہ ایک تو وہ حافظ صاحب کے شاگرد تھے، سوچ پختہ اور صاف تھی، دوسرا یہ کہ لاہور جیسے شہر میں بیٹھے تھے، ملک کی اہم ترین یونیورسٹی سے منسلک تھے اوران کے دعوتی سلسلے جاری تھے۔

یہی وہ دن تھے جب لاہور میں اہل حدیث کے ساتھ ایک بہت بڑا سانحہ رونما ہوا۔ مینار پاکستان کے قریب قلعہ کچھمن سنگھ میں ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو جمعیت اہل حدیث کے جلسے میں بم دھماکا ہوا، جس میں علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی رحمہ اللہ سمیت دیگر کئی علماء شدید زخمی ہو گئے۔ یزدانی صاحب تو اسی دن اپنے رب سے جا ملے جب کہ علامہ صاحب ۳۱ مارچ کو ریاض سعودی عرب میں وفات پا گئے ...... علامہ صاحب کی جگہ پروفیسر ساجد میر ناظم اعلیٰ بنے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ اہل حدیث کے دونوں گروپوں میاں فضل حق اور ساجد میر گروپ کے مابین مخاصمت بھی جاری تھی اور علامہ صاحب کی شہادت کے بعد احتجاجی جلسے جلوسوں کا بھی نہ صرف یہ کہ کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا بلکہ اس مسئلے پر جمعیت اہل حدیث آپس میں انتشار کا شکار ہو رہی تھی اور ملک میں جگ ہنسائی کی صورت حال پیدا ہو رہی تھی...... ان حالات میں پروفیسر حافظ محمد عبد اللہ بہاولپوری نے اہل حدیث کے دونوں دھڑوں سے کہا: ''یہ جمہوری سیاست جسے ہم نے اپنا رکھا ہے، یہ ہمارے لیے مناسب نہیں، یہ ہماری دعوت کے لیے زہر قاتل ہے۔ لہٰذا آؤ اس گندی سیاست کو ترک کر کے ہم سب ایک ہو جائیں، اپنی جماعت کے اندر امارت کا نظام قائم کریں، اس جماعت کو منظم کریں اور جہاد کی راہ پر لگائیں۔'' اس کے لیے حافظ عبد اللہ بہاولپوری اور پروفیسر ساجد میر کے مابین ان کی ہمشیرہ کے گھر لاہور میں ایک مجلس بھی ہوئی، اس مجلس میں حافظ عبد اللہ شیخوپوری، پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب، پروفیسر ظفر اقبال اور راقم بھی شامل تھا۔ یہ تین گھنٹے کی مجلس بھی گرما گرمی میں ختم ہو گئی اور کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔

اس صورتحال کے بعد دعوت وجہاد کا کام کرنے کے لیے ایک مجلس میں ادارہ قائم کرنے

کی تجویز پیش کی گئی۔تو اس تجویز پر ''مرکز الدعوۃ والارشاد'' نام تجویز کیا گیا، جسے حافظ عبد اللہ بہاولپور نے پسند فرمایا۔تو اس طرح دعوت و جہاد کی تحریک کا یہ نام ٹھہرا۔ اس کے بعد ایک مجلس مشاورت بھی سید بدیع الدین شاہ راشدی کی امارت میں منعقد ہوئی، جس میں حافظ محمد یحییٰ عزیز، حافظ عبد اللہ بہاولپوری، مولانا محمد حسین شیخوپوری، حافظ عبد السلام بھٹوی، حافظ عبد الغفار اعوان، حافظ محمد سعید، ظفر اقبال اور راقم بھی موجود تھا۔ اس مجلس میں یہ طے ہوا کہ کبار علماء کا گاہے گاہے اجلاس منعقد ہوا کرے گا اور ان سے دعوت و جہاد کے کام کے لیے رہنمائی لی جائے گی۔ جب کہ حافظ محمد سعید کو اس ادارے کا مدیر بنایا گیا۔ ادارے کے باقی اراکین میں محمد صدیق، حافظ محمد وسیم، عبد القدوس سلفی، شیخ محمد نعیم، حاجی نذیر، حاجی محمد سعید، مولانا محمد رمضان اثری، محمد یحییٰ مجاہد اور راقم شامل تھے۔

اکثر نوجوانوں پر مشتمل مرکز الدعوۃ کا یہ ڈھانچہ بنایا گیا، جب کہ ملک کے جلیل القدر اور معروف علماء اس ادارے کی رہنمائی فرما رہے تھے۔ ان میں حافظ محمد عبد اللہ بہاولپوری رحمہ اللہ، سید بدیع الدین شاہ راشدی سندھی رحمہ اللہ، حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی اور مولانا محمد حسین شیخوپوری شامل تھے...... اب پورے ملک میں دعوت و جہاد کی کانفرنسیں شروع ہوگئیں، جن میں مندرجہ بالا چاروں معروف علماء اور مرکز الدعوۃ کے پروفیسر حافظ محمد سعید، پروفیسر ظفر اقبال سلفی، حافظ عبد السلام بھٹوی، مولانا عبد اللہ ناصر رحمانی، مولانا عبد الغفار اعوان اور راقم شرکت کرتے۔ ان کانفرنسوں سے پورے ملک میں امارت اور جہاد کی فضا تیار ہونے لگی، جب کہ لٹریچر میں پروفیسر حافظ محمد عبد اللہ بہاولپوری کے پمفلٹ جو جمہوریت کے رد میں تھے، وہ شائع کیے گئے۔ ''دعوت و جہاد'' کے نام سے ایک پمفلٹ راقم نے لکھا اور پھر ''ضربات حق'' کے نام سے ایک میگزین نکالنے کے بعد ''مجلۃ الدعوۃ'' کا اجراء راقم کی ادارت میں کیا گیا۔ اس کے نگران پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب تھے۔ اس کا پہلا شمارہ مارچ ۱۹۸۹ء میں مرکز الدعوۃ کے پہلے سالانہ اجتماع پر نکالا گیا، جو حافظ محمد یحییٰ عزیز کے اصلاحی مرکز ہوگا۔

بلوچاں ''البدر'' بھائی پھیرو میں منعقد ہوا۔

اس کے بعد جب کام بہت بڑھ گیا تو لاہور میں چیمبر لین روڈ پر مرکزی دفتر بنایا گیا اور پھر گوجرانوالہ لاہور روڈ پر ''مریدکے'' کے قریب وسیع اراضی حاصل کی گئی، جہاں اہل توحید کا عالمی دعوتی مرکز زیر تعمیر ہے۔ یہ سارا منصوبہ پروفیسر ظفر اقبال سلفی کی نگرانی میں مرکز طیبہ کے نام سے اپنے تدریجی مراحل طے کر رہا ہے۔

یہ تھا مختصر جائزہ تحریک دعوت و جہاد کا جو اندرون ملک شروع کیا گیا اور اس کا سفر جاری ہے۔ اب آیئے ہم دوبارہ چلتے ہیں جہادی سرحدوں کی جانب۔ ارض جہاد افغانستان کے سفر کی جانب۔

مرکز الدعوۃ کا قدم...... جہاد کی جانب:

افغانستان کا جہاد ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں تھا اور ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ کی یہ بات ہے کہ ان دنوں پروفیسر عبداللہ عزام اسلام آباد کی اسلامی یونیورسٹی میں پڑھایا کرتے تھے۔ پروفیسر حافظ محمد سعید ان دنوں شیخ عبداللہ عزام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ اس دوران ایک دفعہ پروفیسر سیاف کی جماعت کے چند مجاہدین اسلام آباد آئے اور انہوں نے شیخ عبداللہ عزام سے ملاقات کی تو شیخ نے پروفیسر حافظ محمد سعید کو بتلایا کہ یہ افغان مجاہدین ہیں جو ملاقات کے لیے آئے ہیں۔

اس کے بعد شیخ عبداللہ عزسوال تو پھر جہاد سے ایسے منسلک ہوئے کہ ان کا کردار تاریخ کبھی نہ بھلا سکے گی اور وہ یہی کردار ادا کرتے ہوئے بالآخر اللہ کی راہ میں اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ پشاور میں ایک بم دھماکے میں شہید ہوئے...... جب کہ اس دوران اتفاق کی بات ہے کہ پروفیسر حافظ محمد سعید انجینئرنگ یونیورسٹی کی طرف سے اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سعود یونیورسٹی ریاض میں چلے گئے۔

حافظ صاحب ۱۹۸۲ء میں سعودیہ گئے اور ۱۹۸۴ء میں واپس آئے۔ جب حافظ صاحب

واپس آئے تو ایک سال کے لیے پروفیسر ظفر اقبال بھی اسی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لیے سعودیہ چلے گئے۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ نورستان کے خارجی امور کے سربراہ مولانا ابراہیم نورستانی پاکستان آئے اور انہوں نے اہل توحید زعماء سے ملاقاتیں کیں اور جہاد میں شرکت کرنے پر زور دیا۔مولانا ابراہیم نے پروفیسر حافظ محمد سعید سے بھی ملاقات کی۔ حافظ صاحب نے لاہور کے علماء کو اپنے گھر دعوت دی اور مولانا ابراہیم صاحب نے ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی میں طلبہ کی تنظیم سلفیہ رائزنگ انجینئرز کہ جس کے پہلے امیر انجینئر عبدالقدوس سلفی تھے، انہوں نے بھی یونیورسٹی میں طلبہ کے اس فورم میں مولانا ابراہیم کو بلایا اور انہوں نے افغانستان اورنورستان کا تعارف کرایا۔

مولانا ابراہیم صاحب سے ملاقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ حافظ محمد سعید صاحب کا ذہن جہاد کے لیے تیار ہوگیا مگر یہ عملی شکل میں اس وقت ڈھلنا شروع ہوا جب نورستانی قافلہ نورستان سے واپس آیا اور اس نے وہاں کے حالات بیان کیے۔

قافلہ دعوت و جہاد:

پروفیسر حافظ محمد سعید کی امارت میں جامع مسجد قدس اہل حدیث چوک دالگراں میں اب جہادی اجلاس منعقد ہونے شروع ہوئے۔نورستان جانے والے احباب اور جہاد سے محبت رکھنے والے ساتھی ان مجالس میں شریک ہوتے۔ ابتدائی طور پر نورستانی بھائیوں کے ساتھ مالی تعاون کا فیصلہ ہوا۔ اس مقصد کے لیے تاجروں سے رابطہ اور خطباء کے ذریعے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم شروع کی گئی۔ راقم کے بارے میں ایک اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ امیر حمزہ اپنا مستقل خطبہ جمعہ چھوڑ دے گا اور چندہ اکٹھا کرنے کے لیے مختلف مساجد میں خطبہ جمعہ دے گا۔ ان خطبات جمعہ میں گوجرانوالہ کے اندر قاری محمد یحییٰ ﷫ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ﷫ کی کتاب ''سرگزشت نورستان'' اور راقم کا سفرنامہ ''عربستان سے نورستان تک'' بھی اس دوران شائع کرکے پھیلائی گئیں۔

نورستانی بھائیوں کے ساتھ تعاون کا یہ جذبہ تو بہت اچھا تھا مگر حافظ صاحب کی متواتر سوچ یہ تھی کہ نورستان میں یہاں کے لوگوں کو اس قدر دشوار گزار اور بہت دور دراز علاقے میں ٹریننگ پر بھیجنا ناممکن ہے۔ اب عملی جہاد شروع کیا جائے تو کیسے شروع کیا جائے؟

چنانچہ دعوت وجہاد کا ایک قافلہ ترتیب دیا گیا اور اس قافلے کو سرحد کے ان علاقوں میں لے جانے کا پروگرام ٹھہرا کہ جن علاقوں میں شاہ اسماعیل شہید انگریزوں اور سکھوں سے نبرد آزما رہے۔ پروفیسر ظفر اقبال صاحب کی نظر اور دلچسپی جہاد کی اسلامی تحریکوں پر بڑی گہری ہے، اس موضوع پر ان کا مطالعہ بھی بڑا وسیع ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ صاحب نے ظفر اقبال صاحب کو اس قافلے کا امیر بنا دیا اور دو بسوں پر تقریباً ۸۰ فرزندان توحید کا قافلہ لاہور سے روانہ ہوا...... اس قافلے میں زیادہ تعداد جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے طلبہ کی تھی کہ جنہوں نے ''اسرۃ البدر'' کے نام سے ایک تنظیم بنا رکھی تھی۔ پروفیسر ظفر اقبال صاحب اکثر ان طلباء سے رابطہ کے لیے اور ان کی رہنمائی کے لیے جامعہ سلفیہ جاتے۔ ان طلباء میں جناب سیف اللہ قصوری، حافظ سیف اللہ منصور اور رضاء اللہ پیش پیش تھے۔ اسی طرح قاری محمد یعقوب ایسے نوجوان علماء بھی اس قافلے میں پیش پیش تھے۔ راقم نے اس قافلے کے سفر کی جو روداد ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' میں لکھی وہ اب اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہو۔

پہاڑوں میں تربیتی اور دعوتی مجالس:

دعوت وجہاد کا یہ قافلہ ۱۰ اگست ۱۹۸۷ء کو صبح چھ بجے انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے پروفیسر ظفر اقبال صاحب کی امارت میں ریل کار کے ذریعے راولپنڈی کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں سے دو سپیشل بسوں پر مری سے ہوتا ہوا پیر کی شام کو توحید آباد پہنچا۔ جامع مسجد اہل حدیث توحید آباد میں قیام ہوا۔ توحید آباد کا نام اہل حدیث کی اکثریت کا نشان ہے۔

اتفاق سے ہمارے پہنچنے کے کچھ دیر بعد حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ کے والد محترم جناب ظہور الٰہی رحمہ اللہ اور بھائی جناب فضل الٰہی صاحب پروفیسر ریاض یونیورسٹی جو کہ

اس علاقے کے دورہ پر تھے، تشریف لائے اور اپنے سلفی بھائیوں سے مل کر اور ان کے پروگرام کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا۔ امیر قافلہ کی دعوت پر پروفیسر فضل الٰہی صاحب نے ''مسلک اہل حدیث کی حقانیت'' کے موضوع پر افتتاحی اور تفصیلی خطاب فرمایا۔ اپنے خطاب میں پروفیسر صاحب نے صحابہ کرام اور تابعین کی زندگیوں سے ایمان افروز واقعات بیان فرماتے ہوئے ثابت کیا کہ قرون اولیٰ کے یہ مقدس لوگ کس طرح زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں کتاب وسنت سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور اس سے ذرا برابر بھی ہٹنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد جناب محترم حاجی ظہور الٰہی صاحب نے ''تقویٰ'' کے موضوع پر گھنٹہ بھر ایمان افروز درس دیا۔

درس کے بعد جناب امیر صاحب نے قافلہ کو آٹھ انتظامی یونٹوں میں تقسیم کردیا اور ہر یونٹ کا نام اسلام کے درخشاں اصولوں کی مناسبت سے رکھا مثلاً اسرۃ الدعوۃ، اسرۃ الجہاد، اسرۃ التوحید وغیرہ اور ہر اسرۃ کا ایک امیر مقرر کردیا۔ پھر اطاعت امیر کے موضوع پر ابتدائی ہدایات دینے کے بعد توحید آباد سے ایوبیہ تک پیدل سفر کا حکم دیا۔ وہاں پہنچنے پر پروفیسر ظفر اقبال اور پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب نے تربیتی درس دیے۔ نماز عصر مولانا شفیق الرحمان لکھوی نے ایوبیہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں پڑھائی اور آداب سفر سے ساتھیوں کو آگاہ کیا اور اسی شام کو یہ قافلہ واپس توحید آباد پہنچا۔

رات کو عشاء کی نماز کے بعد مجلس جہاد منعقد کی گئی اور اس کے لیے تین ایسے نوجوانوں کا انتخاب کیا گیا جنہوں نے افغانستان کے علاقہ نورستان کا دورہ کیا تھا اور جہاد پر عملی کام بھی کیا تھا۔ یہ محفل حافظ محمد سعید صاحب کی نگرانی میں شروع ہوئی۔ سب سے پہلے راقم نے نصف گھنٹہ جہاد کے مختلف پہلوؤں پر تقریر کی۔ پھر مولانا ذکی الرحمٰن لکھوی نے نورستان کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور آخر میں عبدالقہار صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۱۲ اگست کو نماز فجر کے بعد قاری عبدالہادی نے درس قرآن دیا اور پھر ایک قریبی پہاڑ

کی چوٹی پر ماہر جوڈو کراٹے محمد ادریس کی نگرانی میں جسمانی تربیت کا پروگرام منعقد ہوا۔ جسمانی تربیت کا مظاہرہ عبدالقیوم اور عبداللہ نے بھی کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر قافلہ کالا باغ کی طرف روانہ ہوا۔ کالا باغ اچھا خاصہ قصبہ ہے، تمام آبادی اہل حدیث ہے۔ قافلہ دعوت و جہاد نے مسجد میں قیام کیا۔ حافظ محمد سعید صاحب نے دعوت اہل حدیث کے موضوع پر گھنٹہ بھر خطاب کیا۔ اتنے میں ظہر کا وقت ہو گیا۔ عشاء کے بعد شیخ ابراہیم اردنی نے خطاب کیا۔ عربی سے اردو ترجمہ جناب حامد صاحب نے کیا۔

رات کو کوئٹہ سے سید عبد الحنان شاہ فاضل مدینہ یونیورسٹی بھی اس قافلے میں شامل ہوئے۔

اس کے بعد یہ قافلہ ایبٹ آباد کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں کی جامع مسجد اہل حدیث میں بھی دعوت اہل حدیث پیش کی گئی اور شام کے بعد یہ قافلہ راولپنڈی کے لیے روانہ ہوا اور صبح وہاں کی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں جناب پروفیسر حافظ عبد اللہ بہاولپوری صاحب کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کر کے لاہور کی طرف عازم سفر ہوا، جب کہ چھ آدمیوں کا قافلہ پشاور کے لیے روانہ ہوا۔ اس قافلے کے امیر جناب پروفیسر محمد سعید صاحب نے تہکال بالا پشاور کی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور دعوت و جہاد کے موضوع پر اہل پشاور کو دعوت دی، جب کہ اسی آبادی کی ایک دوسری مسجد میں حافظ صاحب کے حکم سے راقم نے خطبہ جمعہ دیتے ہوئے دعوت اہل حدیث پیش کی۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ اثریہ کے مہتمم جناب مولانا عبد العزیز نورستانی صاحب سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔ جب حضرت مولانا سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس دعوت حق سے کامل اتفاق کیا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اس دعوت کو پیش کرنے سے پہلے جمہوریت کو کفر کہنا ضروری ہے۔ پھر مولانا نے بعض انتہائی قیمتی مشورے دیے۔ مولانا کی اس گفتگو سے فائدہ اٹھانے کے بعد ہم تہکال بالا کی ایک تیسری اہل حدیث مسجد میں گئے۔ وہاں نماز مغرب کے

فوراً بعد حافظ محمد سعید صاحب نے خطاب کیا اور پھر راقم نے جمہوری نظام کی خرابیوں کو بیان کیا۔ لوگوں نے بعد میں سوالات کیے جن کے تسلی بخش جوابات حافظ صاحب نے دیے۔ جامعہ مسجد کے خطیب جناب عبد الہادی صاحب نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں اور جد و جہد کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

جہاد کی عملی تربیت کے اولین قافلے:

پروفیسر حافظ محمد سعید جب پشاور پہنچے اور وہاں عرب مجاہدین سے ملاقاتیں ہوئیں تھیں تو ان ملاقاتوں میں ایک عربی شیخ نے مرکز الدعوۃ والارشاد کے پہلے قافلے کو ٹریننگ دینے کی ہامی بھری تھی۔ شیخ ایک عرب ملک کی فوج میں سینئر آفیسر تھے اور اب وہ اتحاد اسلامی افغانستان کے سربراہ شیخ عبدرب الرسول سیاف کی جماعت سے وابستہ تھے۔ چنانچہ لاہور سے امیر مرکز الدعوۃ والارشاد نے ۲۱ افراد پر مشتمل پہلا قافلہ ۲۹ اگست ۱۹۸۷ء کو جہاد کی مشق کے لیے روانہ کیا۔ اس قافلے میں ذکی الرحمٰن، حافظ حامد، محمد یونس، محمد صدیق، پروفیسر ظہیر اور راقم کے علاوہ کئی اہل توحید نوجوان تھے۔

پشاور میں عربی شیخ کی قیادت میں ہم اتحاد اسلامی کی جیپوں پر کوہاٹ پہنچے، وہاں سے "ہنگو"، "ٹل" اور "کرم ایجنسی" میں سفر کرتے ہوئے ایک گاؤں "شاشو" پہنچے۔

اس گاؤں میں تھوڑا سا آگے پختہ سڑک سے دائیں طرف کو ایک کچا سا راستہ جاتا ہے، تین چار کلومیٹر کا راستہ طے کرنے کے بعد اب اتحاد اسلامی کی جہادی چھاؤنی تھی۔ اسی جگہ ہمیں مشقیں کرنا تھیں۔ چھاؤنی میں جاتے ہی سب سے پہلے ہمیں مہمان خانے میں کھانا کھلایا گیا اور پھر اس چھاؤنی کی پچھلی جانب پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ وادی میں ہمیں ایک خیمہ دیا گیا جو اکیس آدمیوں کے لیے کافی تھا۔ یہی ہماری رہائش گاہ تھی جب کہ ٹریننگ کی کلاسز چھاؤنی میں لگتی تھیں اور شیخ ہمیں ٹریننگ دیتے تھے۔

ایک روز ہم چھاؤنی کی مسجد میں ہی سو گئے، مسجد بہت بڑی تھی۔ اس میں تقریباً دو

اڑھائی ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ جب آدھی رات کا وقت ہوا تو میزائل، توپوں کے گولے اور راکٹ چلنے شروع ہو گئے۔ یہ اس قدر اور اتنی بڑی مقدار میں چلے کہ ہم نے سمجھا کہ حملہ ہو گیا ہے مگر یہ مجاہدین کی آپس میں فوجی مشق تھی۔ چھاؤنی کے دائیں بائیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر مجاہدین رات کے وقت مشقوں میں مصروف تھے۔

صبح ہوئی تو شیخ ہمیں پہاڑ کی اسی چوٹی پر لے گئے جہاں رات کو مشقیں ہوئی تھیں۔ پہاڑ کی اس چوٹی پر دو تین ایکڑ کا کھلا میدان تھا۔ یہ میدان جہاد کی ٹریننگ کا میدان تھا۔ لیٹ کر کہنیوں کے بل چلنے کو ''کرالنگ'' کہتے ہیں۔ اس میدان میں کرالنگ کی مشق کے لیے خاردار تاروں کی کئی سرنگیں بنائی گئی تھیں۔ مشق کے دوران ان سرنگوں سے گزرنا ہوتا تھا۔ اگر بے احتیاطی سے کوئی دائیں بائیں زیادہ ہو جائے، اوپر کو اپنا سر زیادہ اٹھائے تو تاروں کے کانٹے سر میں اور جسم میں لگ کر احتیاط کا درس دیتے تھے۔ شیخ ہمیں ان سرنگوں سے بھی گزارتے اور اسی طرح کی دیگر مشقیں بھی کراتے۔

ایک روز ساٹھ ستر کی تعداد میں عرب ساتھی اوپر آئے، معلوم ہوا کہ یہ ساتھی آج ہی آئے ہیں اور یہ کہ سعودی عرب اور خلیجی ممالک سے روزانہ کوئی نہ کوئی جہاز پشاور ایئر پورٹ پر اترتا ہے اور اس میں سب عرب باشندے ہوتے ہیں، جو ان فوجی چھاؤنیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور اس کے بعد افغانستان کے محاذوں پر جہاد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

ہماری اس ''سدہ چھاؤنی'' میں عربی بھائی بہت بڑی تعداد میں تھے حتیٰ کہ ساڑھے تین صد کے قریب فلپائن کے مجاہد بھی تھے۔ ایک روز چھاؤنی میں ہم حسب معمول مشقوں میں مصروف تھے کہ ہمیں حکم ملا آپ اپنے خیمے میں چلے جائیں، جمعہ کا سارا دن وہیں گزاریں، وہیں نماز ادا کریں اور آج چھاؤنی میں نہ آئیں۔ چنانچہ ہم نے سارا دن وہیں گزارا۔ خیمہ میں راقم نے جہاد کے موضوع پر خطبہ دیا، لاٹھی کی بجائے کلاشنکوف ہاتھ میں تھامی۔ بعد میں ہمیں اس حکم کا جو سبب معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ اس روز پاکستان آرمی کے جرنیل چھاؤنی کے

معائنے کے لیے آئے تھے۔ ازاں بعد وہ یہاں سے افغانستان روانہ ہو گئے۔ چند روز بعد جب وہ محاذوں سے واپس آئے تو اب بھی وہ چھاؤنی کا معائنہ کر کے گئے۔

پاک فوج کا شاندار کردار:

اس سے ہمیں پاکستان آرمی کے متعلق پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ ہماری پاک فوج عملی طور پر بھی افغان مجاہدین کے ساتھ تعاون کر رہی ہے۔ یہ تعاون کس قدر بڑا، ہمہ گیر اور جرأت مندانہ تھا، اسے ملاحظہ کرنے کے لیے ریٹائرڈ بریگیڈیئر محمد یوسف کی کتاب ''شکست روس'' کے اقتباسات ملاحظہ کیجیے۔

بریگیڈیئر صاحب آئی، ایس، آئی میں افغان سیل کے سربراہ تھے۔ افغان مجاہدین کے لیے اسلحہ کی ترسیل ان کی ذمہ داری تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۴ء تک ہم باقاعدہ پاک فوج کو افغانستان بھیجا کرتے تھے۔ میں اتنے وثوق سے اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ میں خود انہیں منتخب کرتا اور اندر بھیجنے سے پہلے تفصیل کے ساتھ انہیں ان کا کام سمجھاتا تھا، ہوسکتا ہے کہ میرے آئی، ایس، آئی چھوڑنے کے بعد یہ کارروائیاں دوبارہ شروع کردی گئی ہوں لیکن میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میرے لوگ جاسوسی کے لیے نہیں جاتے تھے بلکہ وہ پاک فوج کے باقاعدہ سپاہی تھے جو اپنے افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ جہاد میں عملی حصہ لیتے تھے۔ یہ مجاہدین کو پیشہ ورانہ رائے دیتے اور ان کے مشیر کے طور پر بھی کام کرتے۔ پٹرول پائپ لائن کو اڑانا، کسی بڑے ہوائی میدان پر راکٹوں سے حملہ کرنا یا گھات لگانا، ان کے مخصوص کام تھے۔ میرے وقت میں عموماً مئی سے اکتوبر کے مہینوں میں افغانستان میں ہمہ وقت دو ایسی ٹیمیں کام کر رہی تھیں جو ایک سے دو ماہ کے لیے افغانستان میں اپنے فرائض انجام دیتی تھیں۔ ہر ٹیم اپنے مخصوص علاقہ میں کام کرتی اور اسے دوسری ٹیم کے بارہ میں کوئی علم نہیں ہوتا تھا۔ ۱۹۸۴ء میں یہ کارروائیاں عروج پر تھیں۔ اس سال ۱۱ ٹیمیں افغانستان بھیجی گئیں، جن

میں سات ''کابل'' کے خلاف اور دو ''دوباگرام'' اور ''جلال آباد'' کے ہوائی میدانوں کے خلاف بھیجی گئیں۔

یہ تمام لوگ رضا کارانہ طور پر افغانستان میں جہاد کے لیے گئے تھے۔ پاک فوج کے افسر اور دیگر لوگ براہ راست آئی، ایس، آئی میں پوسٹ ہوتے تھے۔ جنرل اختر انہیں آئی، ایس، آئی کے مختلف شعبوں میں خود پوسٹ کرتے اور عام طور پر اچھے اور دلیر افسروں کو میرے پاس بھیج دیتے۔ یہ لوگ ۲ سے ۳ سال کے لیے میرے پاس آیا کرتے تھے۔ میں ان کو انٹرویو کے بعد تربیت، اپریشنز اور سپلائی وغیرہ کے مختلف کاموں پر مامور کیا کرتا تھا۔ میں ہمیشہ نئے آنے والوں سے ان کی جہاد کے بارے میں رضا کارانہ رضامندی کا عندیہ ضرور لیتا اور پھر بڑی سوچ بچار کے بعد انہیں افغانستان میں مخصوص فوجی کارروائیوں کے لیے چنتا۔

عام طور پر ہماری کسی ٹیم میں ایک افسر، ایک جونیئر کمیشنڈ افسر اور ایک نان کمیشنڈ افسر شامل ہوتا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کا پشتو زبان پر عبور رکھنا لازمی تھا۔ میں ٹیم کے ہر ممبر کو افغانستان میں درپیش خطرات سے بخوبی آگاہ کرتا اور انہیں تاکید کرتا کہ وہ ہر حالت میں قیدی بننے سے اجتناب کریں گے، کیونکہ اس طرح حکومت پاکستان اور دشمن انہیں بدترین اذیت، تشدد اور بے رحمانہ پوچھ گچھ کا نشانہ بناتا۔ چونکہ ہر شخص ایک خاص وقت اور مدت کے بعد عام طور پر حالات سے سمجھوتا کر لیتا ہے، اس لیے دشمن ان سے مفید مراعات بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتا تھا اور پروپیگنڈا کے طور پر ان پر کھلے عام مقدمہ بھی چلا سکتا تھا۔ تاہم کسی کو بھی خودکشی کے لیے زہریلی گولیاں نہ دی جاتیں اور نہ ان کی کسی اور طریقہ سے خودکشی کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ کیونکہ اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ البتہ انہیں بار بار یہ تاکید ضرور کی جاتی کہ قیدی بننے سے کہیں بہتر ہوگا کہ وہ لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کرلیں جو کہ ایک مسلمان سپاہی کی دلی تمنا، شان اور اس کی معراج ہے۔ ان کے ساتھ جانے والے مجاہدین کمانڈر کو میں اکثر یہ کہا کرتا: ''یہ ٹیم میری امانت ہے جسے تم لے جا رہے ہو، زندہ یا

مردہ یہ امانت تمہیں ہر حالت میں لوٹانا ہوگی۔''

ایسی تمام ٹیموں کو جنہوں نے افغانستان جانا ہوتا تھا، تیاری کے لیے خاصا وقت دیا جاتا۔ جیسے ہی مشن اور مجاہدین کمانڈوز کا فیصلہ ہو جاتا تو جانے والی ٹیم تربیت دینے والوں میں شامل ہوجاتی اور مشن کی تیاری کے لیے مجاہدین کو تربیت دیتی۔

سوائے کمانڈر کے بقیہ مجاہدین کو مطلق علم نہ ہوتا کہ ان کے ''استاذ'' بھی ہمراہ جائیں گے۔ اس دورانیہ میں ٹیم کے ممبر داڑھی بھی رکھ لیتے، ان ہی کی طرح کا لباس پہنتے تاکہ وہ مجاہدین سے مختلف نظر نہ آئیں اور ان میں گھل مل جائیں۔

میں نے پہلے 11 ٹیموں کو بھیجا۔۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۶ء تک ایسی کئی ٹیمیں افغانستان میں آتی جاتی رہیں۔ انہوں نے نمایاں کارنامے انجام دیے۔ الحمدللہ کہ نہ کوئی شخص قیدی بنا اور نہ ہی کوئی ٹیم کسی سنگین حادثہ سے دوچار ہوئی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر نہ صرف مجاہدین بلکہ پاک فوج اور قوم بجاطور پر فخر کرسکتے ہیں۔ یہ پاک فوج کا عظیم سرمایہ ہیں، ہر ٹیم کے لیڈر کو تمغہ بسالت سے نوازا گیا۔ انہوں نے بہادری، شجاعت، ہمت اور جفاکشی کے ایسے لافانی کارنامے انجام دیے جو یقیناً پاک فوج کی تاریخ میں نمایاں اور درخشاں باب ہیں۔ صد افسوس کہ نہ ہی ان کے کارناموں کو باقاعدہ طور پر تاریخ کا حصہ بنایا گیا ہے اور نہ ہی اب تک اسے قوم اور فوج سے روشناس کیا گیا ہے۔اللہ یقیناً انہیں اس کا اجر دے گا۔

۱۹۸۳ء کے آخری دنوں میں ہمارے دو تربیتی کیمپ تھے جن میں ۲ سو کے قریب مجاہدین کو تربیت دینے کی گنجائش تھی۔۱۹۸۴ء کے وسط میں ہزار سے زائد مجاہدین کو ہر ماہ تربیت دے رہے تھے اور ۱۹۸۷ء میں ہم ایسے مختلف تربیتی کیمپ چلا رہے تھے، ان میں پانچ پشاور کے گردونواح اور دو کوئٹہ میں تھے۔تربیت کو ہنگامی بنیادوں پر بڑھانے کے لیے سٹاف اور پیسوں کی ضرورت تھی اور جیسے ہی جنرل اختر نے ہماری مطلوبہ مانگ کو پورا کیا ہم نے پہلے ہی سال حیران کن نتائج حاصل کیے۔ پہلے سال ہم نے ۲۰ ہزار کے قریب مجاہدین کو تربیت

دی۔۱۹۸۵ء میں ۷۷۰۰،۱۹۸۶ء میں ۱۹۴۰۰ مجاہدین کو تربیت دی گئی۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ ۱۹۸۷ء میں جب میں نے آئی۔ ایس۔ آئی کو چھوڑا تو اس وقت تک میں تقریباً ۸۰ ہزار مجاہدین کو لڑائی کے مختلف شعبوں میں تربیت دے چکا تھا۔ یہ تعداد ان ہزاروں مجاہدین کے علاوہ تھی جنہیں افغانستان میں مجاہدین نے خود تربیت دی۔

کسی تربیتی کیمپ کی جگہ کا انتخاب کوئی آسان کام نہیں تھا، کیونکہ عام فوجی کیمپ کے برعکس اس کیمپ کو ہر کسی سے چھپا کر رکھنا ہوتا تھا۔ ہمارے اپنے بیورو کے علاوہ کسی کو کیمپ کے بارے پتا لگنا ہماری تمام راز داری کو صفر سے ضرب لگانے کے مترادف تھا۔ ہمیں اس کیمپ کو عام پبلک، سیاستدانوں، دشمن کے ایجنٹوں، فوج اور حتیٰ کہ روس کے جاسوسی سیارچوں سے بھی چھپانا ہوتا تھا تاکہ کسی کی ان پر نظر نہ پڑ سکے۔ ایسا کہنا تو بہت آسان ہے لیکن کرنا بہت مشکل تھا۔“

افغانستان کے محاذوں پر مرکز الدعوۃ کا پہلا قافلہ:

انہی جہادی کیمپوں اور چھاؤنیوں میں سے ایک ”صدہ“ کا مرکز تھا کہ جہاں ٹریننگ کے لیے مرکز الدعوۃ کے قافلے پہنچے۔ اس کے بعد اسی راستے پر کرم ایجنسی، پاڑہ چنار اور ٹیری مینگل سے ہوتے ہوئے مرکز الدعوۃ کا پہلا جہادی قافلہ بھائی ذکی صاحب لے کر افغانستان کے صوبہ پکتیا کے سرحدی علاقے ”جاجی“ میں پہنچے۔ یہ علاقہ پروفیسر سیاف کے پاس تھا۔ ذکی صاحب کے ہمراہ خالد ملتانی اور دیگر ساتھی تھے۔ عربیوں کی یہاں بہت ساری پوسٹیں تھیں۔ ان میں سے ایک پوسٹ انہوں نے ان ساتھیوں کے حوالے کر دی۔ اس پوسٹ کا نام مکہ پوسٹ تھا۔ برف یہاں بہت زیادہ تھی۔ ساتھیوں نے اس کو بنایا سنوارا مگر اس کے باوجود رات سوتے تو نیچے سے نمی کمر کو ٹھنڈک پہنچاتی۔ بہر حال مرکز کا یہ جہادی قافلہ روسیوں کے سامنے اپنے دوسرے عرب اور افغان بھائیوں کے ہمراہ سینہ سپر ہو گیا۔

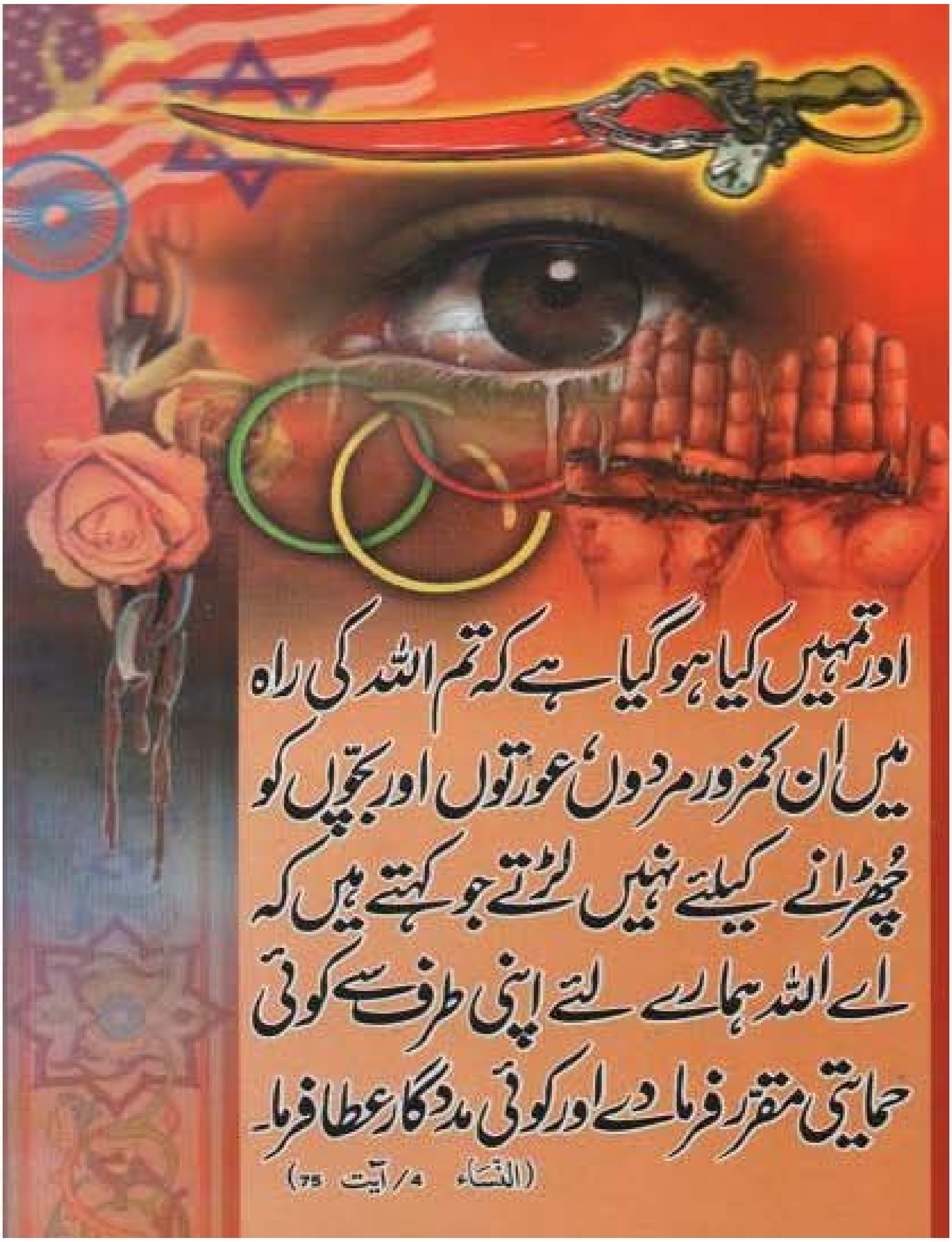
افغانستان اور پاکستان کے بارڈر پر کوہ ہندوکش یعنی ہندوؤں کو کرش کرنے والے پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے۔ انہیں ہندوکش اس لیے کہا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے

بعد تمام حملہ آور فاتحین انہی پہاڑوں کو عبور کر کے ہندوستان آئے تھے اور انہوں نے گائے کے پجاری ہندو مشرکوں کو کرش کیا تھا۔ جب وہ واپس جاتے تو ان کے ہمراہ ہندو غلام ہوتے۔ ان میں سے کئی سہل اندام مشرک بیلے ان سنگلاخ پہاڑوں کو عبور کرتے وہیں مر جاتے۔ اس وجہ سے ان پہاڑوں کو ہندوکش کہتے ہیں۔ سب سے زیادہ ان پہاڑوں کو جس نے پار کیا، ہندوؤں پر جھپٹا اور جھپٹ کر پلٹا وہ فاتح سومنات محمود غزنوی رحمہ اللہ تھا۔ تو اس لحاظ سے سب سے زیادہ ان پہاڑوں کو عبور کر کے ہندوکشی کا کام اس مجاہد سلطان نے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے ہاں افغانستان کی جانب سے آنے والے فاتحین کے ڈر سے یہ کہاوت بن گئی:

”اے بھگوان! ہمیں ناگ دیوتا کے زہر سے، چیتے کے خونخوار دانتوں سے اور افغانیوں کے انتقام سے بچا۔“

آج پھر یہی پہاڑ ہیں مگر اب کے یہ پہاڑ روسی کش بن چکے ہیں۔ اب یہاں روسی درندوں کو کرش کیا جا رہا ہے۔ ان روسیوں کو ان پہاڑوں پر مولی کی طرح کاٹا بھی جا رہا ہے اور ان کا مولی کنڈا بھی کیا جا رہا ہے، جب کہ مجاہدین اپنی جانیں اپنے مولا کے سپرد کر کے شہادتوں کی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔

ان پہاڑوں کی وادیوں میں جب مرکز الدعوۃ کا قافلہ پہنچا تو کتاب وسنت کے حامل عرب مجاہدین امیر قافلہ سے کہنے لگے: ”آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آپ کی آمد پر ہمیں کتنی خوشی ہوئی ہے۔ ہم سوچا کرتے تھے کہ پاکستان کے اہل توحید کہاں گئے، ان کا کوئی قافلہ دکھائی نہیں دیتا۔ بہر حال آج آپ کو دیکھ کر دل مسرور ہوا ہے۔“



اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ
میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو
چھڑانے کیلئے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ
اے اللہ ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی
حمایتی مقرر فرما دے اور کوئی مددگار عطا فرما۔
(النساء 4/ آیت 75)

چوتھا باب

اسلام کے شاہین جہاد کی چٹان پر

اسلام کے شاہین جہاد کی چٹان پر

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

افغانستان میں بدروحنین کی چوٹیاں:

مومن زندگی کے جس شعبے میں بھی قدم رکھتا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی اس کی راہنما ہوتی ہے۔اسلام کی چوٹی یعنی جہاد کی جانب جب وہ رخ کرتا ہے تو بھی وہ دیکھتا ہے تو اپنے نبی ﷺ کی طرف دیکھتا ہے۔ افغانستان میں مجاہدین نے جہاد شروع کیا تو اس میں اللہ کے رسول ﷺ کی مجاہدانہ زندگی کا رنگ رسول عربی ﷺ کے دیس سے آنے والے صحیح العقیدہ عرب مجاہدوں نے بھرا۔ وہ ان پہاڑوں پر آئے تو انہوں نے اپنی پوسٹوں اور چوکیوں کے نام بدر، احد، حنین، احزاب اور تبوک رکھ دیے اور صحابہ کے یادگار معرکوں کے ناموں پر ان چوٹیوں کے نام قادسیہ اور حطین رکھ ڈالے۔

غزوۂ احزاب سے سبق:

جب وہ مورچہ کھودنے لگتے تو ان کی زبانوں پر وہی جہادی ترانہ جاری ہو جاتا جسے اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ مدینے کے گرد خندق کھودتے وقت پڑھا کرتے تھے۔ ذرا دیکھیے! بھوک کی شدت کے باوجود سالار صحابہ محمد رسول اللہ ﷺ پیٹ پر پتھر باندھے خندق کھود رہے

ہیں، صحابہ کی جانفشانی ان کے سامنے ہے۔ ان حالات میں سالارِ صحابہ ﷺ دنیا کی مشقتوں سے صحابہ کی توجہ آخرت کی راحتوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ إِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَ الْمُھَاجِرَۃ

''اے اللہ! زندگی ہے تو آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا انصاروں اور مہاجروں کو بخش دے۔''

کدالیں چلاتے ہوئے صحابہ جب اپنے محبوب آقا ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنتے ہیں تو فوراً یہ جواب دیتے ہیں۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

[بخاری، کتاب الجہاد: ۲۸۳۴، ۲۸۳۵]

''ہم تو وہ ہیں کہ جنہوں نے محمد ﷺ کی جہاد پر بیعت کر رکھی ہے، اس وقت تک جب تک ہماری زندگی باقی ہے۔''

لشکر صحابہ نے اپنے سالار کو یقین دلایا ہے کہ جب تلک سانس باقی ہے، حالات جیسے بھی ہوں جہاد پر ڈٹے رہیں گے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک سورت کا نام ''الاحزاب'' رکھ دیا اور وہ لوگ جو اس جنگ سے جی چرانے والے تھے، جہاد سے روکنے والے تھے، اللہ نے ان کی بزدلانہ اور منافقانہ باتوں کا ذکر کر کے فرمایا:

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ [الاحزاب: ۲۱]

''تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی میں) بہترین نمونہ ہے۔''

یعنی تم دیکھتے نہیں کہ کس طرح اللہ کے رسول ﷺ خود کدال لیے خندق کھود رہے ہیں۔ مٹی اٹھا رہے ہیں اور جب اللہ کے رسول ﷺ ہی ایسا کریں تو پھر کسی دوسرے کے لیے

پیچھے رہنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

ہاں تو یہ تھے عرب مجاہدین کہ وہ خندق تو افغانستان میں کھودتے تھے مگر ان میں جذبہ اس چودہ سو سالہ پرانی خندق کا تازہ ہو جاتا تھا کہ جسے اللہ کے رسول ﷺ نے کھودا تھا اور پھر مشرکین کی سب جماعتیں مدینے کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگ اٹھی تھیں۔ آج انہی جذبوں کو ان عربوں نے زندہ کیا ہے، تبھی تو روسی افغانستان چھوڑ کر بھاگے ہیں۔

احد کی یاد

احد کے نام سے یہ سبق مل رہا تھا کہ اطاعت امیر سے انحراف نہیں کرنا۔ دیکھو! غزوۂ اُحد میں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک کامیاب جنگی ماہر اور سالار کی طرح اونچی جگہ کا انتخاب کیا اور پہاڑوں میں جو ایک درّہ تھا تو اس جانب پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کیا اور حکم دیا کہ تم نے یہاں سے نہیں ہٹنا۔ اب جنگ شروع ہوگئی اور فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے مگر یہ لوگ اپنے امیر دستہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ ادھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے یہ منظر دیکھا تو گھوم کر درّے سے ہوتے ہوئے، پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کیا اور ستر (۷۰) جلیل القدر صحابہ شہید ہوگئے، اللہ کے رسول ﷺ بھی زخمی ہو گئے۔

تو احد کے نام سے افغانی پہاڑی مجاہدین کو سبق دے رہی تھی کہ اطاعت امیر سے انحراف کر کے جب اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں اتنا بڑا نقصان ہوتا ہے تو پھر تم کیا چیز ہو۔ لہٰذا اطاعت امیر سے انحراف نہ کرنا ورنہ اللہ کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے۔

مکہ کے نام سے جہادی درس

مکہ کے نام سے مجاہدین کا پہاڑی مرکز مسلمانوں کو مظلوموں کی مدد کا سبق دے رہا تھا کہ دیکھو! مکہ فتح ہوا تو اس کی فتح کا سبب یہ بنا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عربوں کا ایک

قبیلہ ''بنوبکر'' قریش مکہ کا حلیف بن گیا۔ جب کہ ایک دوسرا قبیلہ ''بنوخزاعہ'' مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور پھر جب بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے بنوبکر کی مدد کی اور بنوخزاعہ کو حرم میں بھی نہ چھوڑا تو بنوخزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گیا۔ اپنے اوپر ہونے والا ظلم بیان کر کے کہنے لگا: ''انہوں نے ہمیں رات کے وقت رکوع وسجود کی حالت میں قتل کیا۔'' یعنی ان کے اس قبیلے میں ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان تھے۔ بہر حال مسلمان ہوں یا دوسرے، وہ سب مظلوم تھے اور اللہ کے رسول ﷺ نے دس ہزار کا لشکر جرار تیار کیا تو ان مظلوموں کا بدلہ لینے کے لیے اور پھر مکہ فتح ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر کے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کا یہی اسوہ تھا کہ جب اس کے سامنے اندلس کے عیسائی گورنر کا خط آیا کہ میری بیٹی کی عزت میرے بادشاہ راڈرک نے لوٹ لی ہے تو ان مظلوموں کی مدد کے لیے موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو بھیجا اور پھر پورا اندلس مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

مکہ کی یہ پہاڑی یاد دلا رہی تھی کہ مکی دور گزر گیا، کہیں مکی دور کا بہانہ کر کے جہاد چھوڑ نہ بیٹھنا کہ ہم تو مکی دور میں ہیں۔ جب کہ اس وقت تو لوگوں کو مسلمان بنانے کا دور تھا۔ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ جہاد کرتے تو کن مجاہدوں کو اپنا ہم رکاب بناتے؟ جب کہ اب تو اللہ کے فضل سے مسلمان کروڑوں میں ہیں۔ صحیح العقیدہ اور باعمل لوگ بھی لاکھوں میں ہیں لہذا اب مکی دور کا بہانہ بنایا جائے تو آخر کیونکر بنایا جائے؟

اسی طرح یہ کہنا کہ حکومت ملے گی تو جہاد کریں گے تب تک ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے، یہ بھی غلط بات ہے۔ ٹھیک ہے جہاد مدینے میں فرض ہوا، نماز با جماعت کا سلسلہ بھی مدینے میں فرض ہوا، شراب اور سود بھی مدینے میں حرام ہوئے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم ان احکامات کو چھوڑ دیں یہ کہہ کر کہ ہم مکی دور میں ہیں اور یہ کہ ہمارے پاس حکومت نہیں ہے۔

یاد رکھیے! سیدھی سی بات ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور اس کے ماننے والے موجود ہیں۔ جس حکم پر بھی عمل کرنے کی مسلمانوں میں استطاعت ہو وہ کرنا چاہیے۔ جہاد کی استطاعت اللہ نے افغانستان میں پیدا کی اور یہ اس وقت پیدا ہوئی جب وہاں لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، تب اللہ نے مدد کردی۔ اسی طرح آج کی حکومتوں کی مجبوریاں ہیں، وہ خاموش ہیں تو خاموش رہیں مگر مسلمانوں کے لیے تو کوئی مجبوریاں نہیں، ان پر جہاں ظلم ہوتا ہے وہ اٹھیں، جہاد کی استطاعت پیدا کر کے اللہ کے رستے میں کود پڑیں، اللہ ان کی مدد کرنے والا ہے۔

اور بعض لوگوں کی یہ سوچ کہ جہاد ہم کریں اور پھر حکومت فلاں کی بن جائے، فلاں غلط لوگ آگے آجائیں گے تو یہ بھی غلط سوچ ہے۔ دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی جانب آتے ہیں۔ بنو اسرائیل کی وہ قوم کہ جو اس وقت مسلمان قوم ہوا کرتی تھی مگر اس قدر بگڑی کہ اللہ نے فرعون کو ان پر مسلط کردیا اور غلامی کا طوق ان کے گلے میں ڈال دیا۔ اب فرعون جو رب بنا ہوا تھا اس نے قوم کو اس قدر ذلیل کیا کہ ان کے بیٹوں کو مار ڈالتا اور اپنی عیاشی کے لیے ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اس قوم کے نجات دہندہ بن کر آئے۔ اب انہوں نے کیا کیا؟ سب سے پہلے اسے غلامی سے آزاد کروایا اور آزادی کے بعد ان کے عقیدے کا یہ حال تھا کہ وہ گاؤ پرستی کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ یعنی عقیدہ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا۔ مگر جب ان مشرکوں کو اللہ نے قتل کی سزا دی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات مان کر یہ سزا قبول کی۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے محسن تھے۔ جنہوں نے اس قوم کو غلامی سے نجات دلائی تھی۔ تو ثابت یہ ہوا کہ گندے عقیدے میں مبتلا قوم کو بھی اگر کسی ظالم سے نجات دلائی جائے تو پھر اس قوم میں دعوت کا کام کرنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ اسوہ انبیاء کا اسوہ ہے۔ طارق بن زیادہ فاتح اندلس کی مثال ہمارے سامنے ہے اور قرآن کی سورۂ روم اور اس کی شان نزول بھی ہمارے سامنے ہے کہ جب ایرانی

آتش پرستوں نے جو قریش مکہ کے مشرکوں سے مشابہ تھے، عیسائیوں پر فتح حاصل کی تو مکے کے مشرک خوش ہوئے اور مسلمان غمگین اس وجہ سے ہوئے کہ عیسائی اہل کتاب ہونے کے ناتے مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے۔ چنانچہ اللہ نے سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خوشخبری دی کہ چند سال کے بعد رومی عیسائی ایرانی مشرکوں پر غالب آئیں گے اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہو کر رہا، مومن خوش ہوئے جبکہ پہلی دفعہ جب ایرانی غالب آئے تھے اس وقت مسلمان مکے میں کفار کے ظلم کا خود شکار تھے، وہ قلبی تعلق کا اظہار ہی کر سکتے تھے اور اللہ نے اس اظہار کی تائید بھی کر دی۔

غور فرمایئے! جو دین اس قدر فطری ہو، اس قدر انصاف کا علمبردار ہو کہ وہ کفر کے مابین بھی فرق کرتا ہو، تو کیا اس دین کو ماننے والے جب ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، وہ ہزار گناہ گار اور گندے ہی کیوں نہ ہوں تو کیا ان کی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض نہیں؟ کیا مسلمان اس وجہ سے ہاتھ کھینچ لیں کہ ان کا تو عقیدہ درست نہیں ہے؟

یقین جانیے! یہ اللہ کے دین..... اس کے قرآن اور اس کے نبی ﷺ کا طریق کار نہیں ہے۔ یہاں تو طریق کار یہی ہے کہ مظلوم کی مدد کی جائے، اللہ کے راستے میں جہاد کیا جائے۔ اس طرح سے مسلمانوں میں نکھار پیدا ہوگا، دعوت بھی پھیلے گی اور اللہ کا دین مضبوط بھی ہوگا۔ اس وقت مسلمان بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں، یہ ہر جگہ شروع ہونی چاہیے، اسی جد وجہد سے یہ قوت پکڑیں گے اور پھر وقت آنے والا ہے کہ بڑھتی ہوئی یہی قوت ایک روز جس طرف بھی اٹھے گی کفر کو ملیامیٹ کرے گی اور اس روز اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کے ماننے والے معزز ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

حنین سے سبق

حنین کے نام سے مجاہدین کو یہ سبق مل رہا تھا کہ دیکھو! مکہ کی فتح کے ایک ماہ بعد بارہ ہزار کا لشکر جرار اللہ کے رسول ﷺ کے ہمرکاب تھا اور اس منظم لشکر کو دیکھ کر بعض لوگوں نے

جو کہ فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اپنے مد مقابل دشمن کو دیکھ کر کہنے لگے کہ آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔

بس...... یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اور پھر قرآن کے الفاظ ہیں:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذَا أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِينَ O﴾ [التوبۃ:۲۵]

"اللہ بہت سے معرکوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن بھی کہ جب تمہاری کثرت نے تمہیں غرور میں مبتلا کر دیا تو پھر تمہاری کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آ سکی اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم منہ پھیر کر بھاگ اٹھے۔"

ہوا یوں کہ اسلامی فوج جب کفر کے سامنے آئی تو دشمن کے وہ سپاہی جو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تھے انہوں نے پیچھے سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور اسلامی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔

اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ اپنی جگہ ڈٹے رہے جب کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی رکاب تھامے رہے اور آپ اسلامی فوج کو اپنی جانب یوں بلاتے رہے:

"اللہ کے بندو! میں اللہ کا رسول (ﷺ) ہوں، میری طرف آؤ۔"

چنانچہ اللہ نے مدد کی، صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہوئے اور پھر نئے سرے سے کفر کے ساتھ مقابلہ ہوا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

بے وزن باتیں

قارئین کرام! احد اور حنین کے معرکوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان لوگوں کی باتیں بے وزن ہو جاتی ہیں جو کہ مسلمانوں کو جہاد سے یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ جی پہلے ہم جہاد کے قابل

ہو جائیں، پہلے ہم لوگوں کو صحیح تو کر لیں پھر جہاد بھی ہو جائے گا۔ جب کہ ابو داؤد، تاریخ ابن ہشام اور اسد الغابہ میں حضرت عمرو بن ثابت ﷜ کا واقعہ ایسی باتیں کرنے والوں کو خاموش کرا دیتا ہے کہ جب ہم میدان احد کی جانب صحابہ کی روانگی ملاحظہ کرتے ہیں تو عمرو بن ثابت ﷜ نظر آتے ہیں کہ جن کا سارا قبیلہ ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا تھا اور وہ خود ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اب ان کا قبیلہ تو احد میں جنگ لڑنے جا رہا تھا جب کہ یہ بھی قبیلے کو دیکھ کر روانہ ہوئے۔ اُحد میں پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''پہلے مسلمان تو ہو جاؤ، پھر لڑنا۔'' اس پر کہنے لگے: ''میں نے تو ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی، ایسی صورت میں کیا اگر میں مارا گیا تو میرے لیے بہتر ہوگا؟''

آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا تو عمرو بن ثابت ﷜ کلمہ پڑھ کر لڑنے لگے اور شہید ہو گئے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس نے عمل تھوڑا کیا مگر اجر بہت پایا۔''

صحیح بخاری میں غالباً انہی کے بارے میں حضرت براء ﷜ بتاتے ہیں:

((اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِیْدِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُقَاتِلُ اَوْ اُسْلِمُ فَقَالَ اَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ فَاَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَمِلَ قَلِیْلًا وَّ اُجِرَ کَثِیْرًا)) [بخاری، کتاب الجهاد: ۲۸۰۸]

''لوہے کا لباس پہنے ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)......! میں (پہلے) لڑوں یا (پہلے) مسلمان ہو جاؤں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام قبول کر، پھر لڑائی کر۔'' تب اس نے اسلام قبول کیا، پھر لڑنے لگا۔ چنانچہ وہ شہید ہوگیا۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر بہت پا گیا۔''

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے معرکوں کو دیکھیں تو وہ یہ بتلا رہے ہیں کہ انسان

بہر حال خطا کار ہے، غلطیاں تو ہر میدان میں ہوتی ہیں، جہاد میں بھی ہوں گی اور جہاد میں ہی اصلاح ہوگی، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے غزوات ہمیں بتلاتے ہیں کہ غزوات ہوتے گئے، جہاد ہوتا گیا، لوگ مسلمان ہوتے گئے، مجاہد بنتے گئے، کارواں بنتا گیا...... اور یوں حقیقت نقش ہوگئی کہ مکی دور میں مسلمانوں کی تعداد جو بدر میں تین سو تیرہ تک ہو پائی تھی وہ دس سالوں میں حجۃ الوداع کے موقع پر ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ:

﴿ يَدْخُلُوْنَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ [النصر : ۲]

''دین اسلام میں فوج در فوج لوگ داخل ہو رہے ہیں۔''

یہ سماں جہاد کی برکت سے بندھا ہے، اسلام شمشیر وسناں کے سائے تلے ابھرا ہے اور پروان چڑھا ہے۔ ''جہاد شمشیر'' کے دوہرے فائدے ہیں، کفر کی گردن بھی ٹوٹتی ہے اور اسلام بھی خوب پھیلتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان فائدوں کے حصول کے لیے امت محمد ﷺ کے مجاہدوں کو جہاد کا یوں حکم دیتے ہیں:

﴿ قٰتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ [التوبة : ١٤، ١٥]

''ان سے لڑائی کرو، اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھ سے عذاب دے گا، انہیں رسوا کرے گا، تمہیں ان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور مومن قوم کے سینے ٹھنڈے کردے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کردے گا اور جنہیں اللہ چاہے گا، توبہ کی توفیق دے گا اور اللہ ہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

قارئین کرام! غور کیجیے......!! پہلی قوموں میں سے جو قوم سرکش ہوتی تھی، پیغمبر کو جھٹلاتی تھی، اللہ عذاب بھیج کر اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا تھا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کو اللہ نے سیلاب کے عذاب سے غرق کیا اور لوط علیہ السلام کی قوم کی بستی کو اٹھایا اور آسمان پر لے جا کر زمین پر الٹا کر

چنگھاڑ دیا۔ کسی قوم کو کلیجے اور کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی زبردست چیخ کے عذاب سے تباہ کر ڈالا، مگر خاتم الانبیاء کی آخری امت کے لیے طریق کار بدل دیا۔ اب فرمایا کہ مشرکوں، کافروں اور اللہ کے باغیوں کو سزا دی جائے گی تو امت خیر الانام کے مجاہدوں کے ہاتھوں سے اور وعدہ کیا کہ تم جہاد کرو...... اور اس کے بدلے اللہ تمہارے ہاتھوں سے انہیں سزا بھی دے گا اور انہیں رسوا بھی کرے گا اور فتح بھی دے گا اور ان کافروں نے ظلم اور تعدی کا جو اندھیر مچا رکھا ہے اس کو جب تم کچل ڈالو گے تو اس سے تمہارے سینے ٹھنڈے کر دے گا۔ فتح یاب ہونے کے بعد تمہارے دلوں کا غصہ جاتا رہے گا...... اور ان کافروں میں سے بعض کو یہ فائدہ ہوگا کہ اسلام کی بالا دستی کو دیکھ کر، اس کی تعلیمات اور تمہارے کردار کو دیکھ کر یہ توبہ کریں گے، اسلام قبول کریں گے، تو اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا یعنی اسلام پھیلنا شروع ہو جائے گا۔

قارئین کرام! غور کیجیے! جہاد کے کتنے فائدے ہیں اور اس جہادی فرمان سے یہ بھی پتا چلا کہ کفر اور ظلم کے خلاف مومنوں کا غضب اور غصہ ضروری ہے...... یہ ہوگا تو جہاد کریں گے، اگر یہ ہی نہیں ہوگا، غیرت ہی نہ ہو گی تو جہاد کیونکر ہوگا؟ لہٰذا غصے کا ہونا ضروری ہے مگر اسے باقی رہنا چاہیے...... اس وقت تک جب تک کفر پر غلبہ نہ ہو جائے بلکہ تا قیامت تک...... اور پھر اللہ کا دین پھیلے گا اور خوب پھیلے گا...... یہ بصیرت ہمارے اندر اللہ کا قرآن پڑھنے سے اور اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے تھوڑی سی جمعیت فراہم ہونے پر، مدینے میں قرار حاصل کرنے پر، فی الفور جہادی کام شروع کر دیا اور پھر جہاد کی برکت سے شمشیر و سناں اور تیغ و تفنگ سے آٹھ سالہ مدنی اور جہادی دور میں پورے جزیرۃ العرب کو مسلمان بنا کر قیصر و کسریٰ جیسی دو سپر پاورں کے دروازوں پر دستک دے کر یہ بتلا دیا کہ میرے صحابہ کے قدموں تلے عنقریب تم بھی کچلے جانے والے ہو۔

یہ تھا وہ سبق جو محمد عربی ﷺ کے دیس سے آنے والے عربوں نے افغانستان کی چوٹیوں کے نام بدر و حنین اور حطین رکھ کر امت مسلمہ کو یاد کروایا۔

مرکز مدینہ

مرکز الدعوۃ والارشاد کی جہادی پوسٹ جو صوبہ پکتیا کے علاقے جاجی کے ایک پہاڑ پر تھی، اس کا نام ''مرکز مدینہ'' ٹھہرا۔عرب بھائیوں کے مراکز کے ساتھ ساتھ اس مرکز سے بھی پاکستانی مجاہدین روسیوں پر کارروائیاں کرنے لگے اور پھر جب روسی اس علاقے کو چھوڑ کر بھاگ اٹھے تو اس علاقے میں مجاہدین کو جہادی ٹریننگ بھی یہیں عربوں کے مراکز میں دی جاتی۔

یہاں یمن کی فوج کا ایک کیپٹن رہا کرتا تھا۔مکہ پوسٹ میں وہ مجاہدین کو خصوصی تربیت دیتا، مدینہ مرکز کے کئی مجاہدین نے یہاں سے خصوصی ٹریننگ لی۔مرکز الدعوۃ کے جس اولین دستے نے ابو البراء سے کمانڈو ٹریننگ لی، مقبوضہ کشمیر میں لشکر طیبہ کا شہید ہونے والا سالار ابرار خان اس دستے کا نمایاں ترین مجاہد تھا۔ ابرار خان کے باقی پاکستانی ساتھیوں میں عبدالرحمن الداخل، ریاض اسماعیل، وحید الزماں، عرفان، محمود احمد، عمر بخاری، شاہد، عبدالرشید، عطا اللہ، عبدالمجید، شیخ محمد خالد، اکبر ظہیر، محمد اصغر اور ذوالفقار شامل تھے۔جب کہ ۳۰ عرب مجاہدین تھے جن کا تعلق مختلف عرب ملکوں سے تھا۔ یہ مجاہدین ٹریننگ لیتے اور پھر مل کر روسی کمیونسٹوں پر یلغار کرتے۔ان یلغاروں کی تفصیل تو مشکل ہے۔تاہم چیدہ چیدہ چند واقعات کا ہم تذکرہ کرتے ہیں کہ جس سے یہ اندازہ ہو کہ ان مجاہدین نے کن حالات میں اپنے مالک کو خوش کرنے کے لیے جہاد میں حصہ لیا اور آج جب میں ان کی داستانوں کو اکٹھا کرنے بیٹھا ہوں تو کئی اس ڈر سے نہیں سناتے کہ مبادا ریاکاری نہ ہو جائے اور جو اصرار کے بعد سناتے ہیں تو وہ یہ وعدہ لے کر کہ ہمارا نام نہ لکھا جائے۔ یقیناً ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی جزاء دے گا۔

قافلہ دعوت و جہاد دشمن کے سامنے سینہ سپر

حافظ محمد سعید صاحب کہتے ہیں کہ شیخ سیاف کی ''صدہ چھاؤنی'' میں جب دوسرا قافلہ ٹریننگ کے لیے گیا تو اس میں...... میں بھی شامل ہوا۔ پہلے قافلے کی طرح اس قافلے کو بھی شام سے تعلق رکھنے والے مجاہد عالم ابوفراس نے ٹریننگ دی۔اس کے علاوہ مختلف ملکوں کے مجاہدین تھے جن سے ہم نے جہاد کی مختلف ٹریننگیں لیں۔

ابو البرہان جو کہ عرب مجاہدین کے امیر تھے، ایک روز وہ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے ہمیں دعوت دی، ہم ان کی دعوت پر اسی چھاؤنی میں ان کے سنٹر میں گئے تو وہاں جو میں نے مختلف ملکوں کے مجاہدین کی گنتی کی تو وہ چھتیس ملکوں کے مجاہد تھے، جو ابو البرہان سے تربیت لے رہے تھے۔

اس روز جو پہلی نماز عشاء ہم نے ان بھائیوں کے ہمراہ پڑھی اس نماز کا جتنا لطف زندگی میں پہلی بار آرہا تھا کبھی نہیں آیا...... انہی دنوں کی بات ہے کہ روسیوں اور مجاہدین کے مابین ''خوست'' کا معرکہ زوروں پر تھا، روزانہ ہمیں اس چھاؤنی میں خبریں ملا کرتی تھیں...... آج پچاس عرب شہید ہو گئے ......آج بیس شہید ہو گئے اور اتنے زخمی ہو گئے......!! خوست کے محاذ پر چلنے والی توپوں، میزائلوں اور بموں کی آوازیں بھی ہمیں یہاں سنائی دیتی تھیں اور پھر وائرلیس پر شہادت کی خبریں بھی۔ جونہی کوئی خبر آتی ہر مجاہد کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو جاتا:

''اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ...... اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ''

عجب منظر تھا۔ ہر ساتھی اللہ کے حضور دعائیں کرتا اور اپنے امیر کے سامنے التجائیں کرتا کہ صبح جو قافلہ روانہ ہو، اس میں میرا نام بھی شامل ہو۔ اب یہ سارا منظر دیکھ کر میری تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، میں ایک عجیب اور انوکھی دنیا میں آ گیا تھا۔ جہاں میدان جہاد کے دھماکے سنے جا رہے ہیں۔ وائرلیس پر شہادت کی خبریں سماعت کی جا رہی ہیں......مگر

اس کے باوجود ہر ساتھی وہاں جانے کے لیے بے قرار ہے......!!

ایک یمنی لڑکا جو میرے پاس بیٹھا تھا، میں نے اس سے پوچھا: ’’تم اتنی دور یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہو؟‘‘ کہنے لگا: ’’کفر مٹانے اور شہادت کو پانے کے لیے ہمیں اللہ نے موقع دیا ہے، اب اسلام بلند ہو یا پھر ہمیں شہادت کی موت مل جائے۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا منظر دیکھ کر اور عرب نوجوانوں کی باتیں سن کر ہمیں ندامت ہو رہی تھی کہ ہم نے تو افغانستان کے قریب ہوتے ہوئے اتنا سارا وقت ضائع کر دیا...... بہر حال ہمارے ذہن بنے تو ان عرب مجاہدوں کے اندر رہ کر بنے۔

’’صدہ‘‘ میں ٹریننگ کے دوران ایک روز ہمارے قافلے کو ابو البرہان کے حوالے کر دیا گیا۔ رات ہم نے پھر ان بھائیوں کے ہاں گزاری اور صبح ہمیں ’’جاجی‘‘ بھیج دیا گیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ان دنوں ان پہاڑوں پر شدید برف باری ہو رہی تھی۔ برف باری کی وجہ سے گاڑی آگے نہ جا سکی اور ہمیں رستے میں ہی چھوڑ کر واپس آ گئی۔ اب برف پر پیدل مارچ شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ہم عرب بھائیوں کی قرار گاہ میں پہنچے۔ وہاں ہمیں قہوہ پلایا گیا اور میوہ جات کے ساتھ ہماری ضیافت کی گئی۔ برف باری ابھی جاری تھی مگر خواہش یہ تھی کہ جلد از جلد روسیوں کے سامنے اپنے مورچوں میں پہنچ جائیں۔ چنانچہ عبد الرزاق نامی عرب مجاہد ہمارے لیے گاڑیوں کے ٹائروں پر سنگل چڑھا کے لے آیا، تا کہ برف پر سے پھسلن سے بچا جائے اور انہوں نے کہا کہ ہم اس گاڑی میں آپ کو آگے لے چلتے ہیں۔ اب ہمارے قافلے کی تعداد زیادہ تھی، طے یہ پایا کہ جہاں تک گاڑی جا سکے آپ ہمیں لے جائیں، اس کے بعد آپ ہماری راہنمائی کر دیں، ہم پیدل مورچوں تک پہنچ جائیں گے۔ اب قافلے کے دو حصے کر دیے گئے۔ پہلی گاڑی پر میری امارت میں قافلہ روانہ ہوا جب کہ دوسرے قافلے کے امیر ظفر اقبال صاحب ٹھہرے اور ان کا قافلہ دوسری گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔

ان دنوں ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر قریب سے شدید ترین حملے کرتے تھے۔ دسمبر کی سردی

کے یہ دن تھے اور سردیوں کی برف باری میں معرکہ بڑا گرم تھا۔ ہم نے جگہ جگہ دیکھا...... مجاہدین اپنے شہداء کی لاشیں لے کر آ رہے تھے۔ حتیٰ کہ کوئی اپنے بھائی کی لاش لا رہا ہے، کوئی بیٹے کی لاش اٹھائے ہوئے ہے اور کوئی بیٹا باپ کو کاندھا دیے ہوئے ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی چہرے پر ملال نہیں تھا۔ یہ سارا جہادی کام اس طرح ہو رہا تھا جیسے عام دنیا کے کاروبار معمول کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس جہادی کاروبار جو کہ اللہ کے ساتھ کیا جا رہا تھا، اس کی شان اور منظر کشی کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ منظر افغانستان میں سالہا سال سے جاری و ساری ہے۔ یہ منظر ہمارے سامنے بالکل ایک نئی زندگی پیش کر رہا تھا، جو دنیا سے الگ تھلگ اور نرالی تھی۔

ہماری گاڑی چار پانچ گھنٹے کے بعد ایک جگہ جا کر رک گئی۔ اس جگہ کا نام ''ماسدہ'' تھا۔ اس کا مطلب ہے ''شیروں کی کچھار''...... یہاں پہنچے تو ظہر اور عصر دونوں نمازیں اکٹھی کیں۔ نماز کی ادائیگی کے بعد ''ماسدہ'' کے امیر نے ایک عربی مجاہد کو حکم دیا کہ پاکستان کے اس قافلے کی تقسیم کر کے اسے مختلف مورچوں پر بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اس قافلے کے ارکان کو مختلف مورچوں پر پہنچا دیا گیا۔ جاجی میں مورچوں پر پہنچنے والا مرکز کا یہ دوسرا قافلہ تھا۔

مجھے اپنے چار ساتھیوں سمیت سب سے اگلے مورچے ''متقدمہ'' پر بھیج دیا گیا۔ ہمارے اس ''متقدمہ'' اور روسی دشمن کے سامنے سب سے کم فاصلہ تھا۔ ہمارے اس مورچے کو مجاہدین نے پہاڑ کھود کھود کر بنایا تھا۔ یہ اس قدر پختہ تھا کہ دشمن کا کوئی گولہ اس پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ یہاں ہر وقت گولہ باری جاری رہتی تھی۔ مجاہدین صرف دن کو کارروائی کرتے تھے جب کہ رات کو روسی حملہ آور کارروائیاں کرتے تھے۔ رات کے وقت مجاہدین دفاعی پوزیشن میں ہوتے تھے اور دن کو روسی دفاعی پوزیشن میں ہوتے تھے......!!

اب سورج غروب ہو چکا تھا، دن کی روشنیاں اپنا بوریا بستر باندھ چکی تھیں اور رات کا راج شروع ہو رہا تھا۔ مورچوں پر ہماری یہ پہلی رات تھی۔ حاصل کی ہوئی ٹریننگ کی یہ پہلی

عملی شب تھی اور ڈیوٹی پہرے پر لگ چکی تھی۔عرب کمانڈر نے اس مورچے کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا: ''یہ مورچہ سب سے خطرناک مورچہ ہے، اس لیے کہ یہ دشمن کے بالکل قریب اور اس کی ناک کے سامنے ہے۔ چند روز ہوئے اس مورچے پر ہیلی کاپٹروں نے دوسو روسی کمانڈوز اتارے۔جب کہ اس مورچہ میں مجاہدین کی تعداد فقط پچیس تھی۔ روسی کمانڈوز نے پہلے تو توپ اور ٹینک کے گولوں سے اس مورچے کو توڑنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر جب یہ نہ ٹوٹا تو انہوں نے اس پر حملہ کردیا۔ حملے سے تھوڑی دیر پہلے ۲۵ مجاہدین روسی کمانڈوز کے چاروں طرف پھیل گئے اور گھیرا ڈال کر فائرنگ شروع کردی۔ ان دوسو کمانڈوز میں سے اکثر قتل ہوگئے، چند گرفتار بھی ہوئے اور کچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس معرکے میں صرف دو مجاہد شہید ہوئے۔ایک مجاہد کی لاش تو فوراً مل گئی جب کہ دوسرے ساتھی کی لاش ایک گہرے کھڈ میں کئی دنوں کی تلاش کے بعد ملی کمانڈر بتلا رہے تھے: ''یہ معرکہ اس علاقے کے معروف اور بڑے معرکوں میں سے ایک ہے۔ روسی اس معرکے کو بھولے نہیں، کسی بھی وقت دوسرے حملے کی توقع ہے۔لہذا یہاں چوکنے ہوکر رہنا ہوگا، پہرا دینا ہوگا، پہرا بھی خوب احتیاط سے دینا ہوگا۔''

اپنے عرب امیر کی یہ باتیں سننے کے بعد اب میں پہرا دینے لگا۔پہرے میں میرا دوسرا ساتھی مصری تھا۔ گولا باری متواتر ہوتی رہی۔ آج رات اس مورچے میں چودہ ساتھی تھے، جن میں دس عربی اور چار پاکستانی تھے۔

ایک خطرناک مگر دلچسپ واقعہ

جب زندگی اور موت کے درمیان ایک سیکنڈ کا فاصلہ رہ گیا!!

میرے پہرے کا وقت رات ایک بجے ختم ہوگیا، میری جگہ دوسرا ساتھی کھڑا ہوا۔ اب مجھے واپس اپنے مورچے میں جانا تھا چونکہ پہرے کی جگہ مورچے سے قدرے دور تھی، تو جب

میں واپس آنے لگا تو مجھے غار نما پہاڑی مورچے کا دہانہ بھول گیا۔ اب میں اسی طرح کے ایک اور مورچے پر جا نکلا ۔ یہ بھی پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ یہ مورچہ دراصل مجاہدین کا باورچی خانہ تھا۔ اب جب میں اس مورچے میں داخل ہوا تو اندھیرے میں جس طرف بھی ہاتھ لگاتا میرا ہاتھ کسی نہ کسی برتن سے جا ٹکراتا، اس سے آواز پیدا ہوتی اور میں پریشان ہو جاتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جب کہ وہ شخص جو اس مورچے میں تھا، اس نے سمجھا کہ کوئی دشمن ہے جو یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ اب اس نے اپنی کلاشن کا بلٹ مار لیا، اب اگلا مرحلہ گولی مارنے کا تھا!!

یاد رہے! عام طور پر جیسا کہ مجاہدین جانتے ہیں، افغانستان میں یہ اصول تھا کہ پہرے دار جب کسی آدمی کو دیکھے تو ''دریش'' کہے۔ اب وہ آدمی پہرے دار کو رات کا ''کوڈ ورڈ'' بتا دے تو پتا چل جائے گا کہ آدمی اپنا ہے وگرنہ پہرے دار اسے وہیں ہینڈز اپ کروائے اور اگر وہ نہ کرے تو گولی سے اڑا دے۔ مگر یہاں ''ماسدہ'' میں ایسا نہیں تھا۔ یہ انتہائی خطرناک مورچے تھے، یہاں ''دریش'' والی بات کوئی نہیں تھی۔ یہاں تو عرب امیر کا حکم تھا کہ بس دیکھو اور گولی سے اڑا دو۔

چنانچہ اب پہرے دار پوزیشن سنبھالے ہوئے مجھ پر فائر کھولنے والا ہی تھا مگر زندگی اور موت میں چند سیکنڈیوں پر وہ بن گئے کہ جب میں دہانے کی طرف ہوا تو وہاں تھوڑی سی روشنی میں پہرے دار نے مجھے پہچان لیا......!! اب ٹریگر پر دباؤ ڈالنے والی انگلی اچانک رک گئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس انگلی کو دبنے سے اللہ نے روک لیا۔ یہ پہرے دار ساتھی سعودیہ کے ہیں، ابو جابر ان کا نام ہے، جب بھی ان سے ملاقات ہوتی ہے تو ''ماسدہ'' والا واقعہ دونوں کے ذہنوں میں تازہ ہو جاتا ہے۔

اس مورچے میں ہم نے تقریباً ایک ہفتہ گزارا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس ایک ہفتے میں عرب بھائیوں کے ساتھ جو نمازیں ادا کیں ، وہ زندگی بھر کبھی نہیں بھولیں گی کہ ان کا رو رو کر

نمازوں میں قنوت کرنا...... جب کہ مورچے پر بمباری ہو رہی ہو...... قرآن کی جہادی آیات کی رقت آمیز تلاوت کرنا...... پھر ان لوگوں کا دن کو روزے رکھنا...... رات کو پہرا دینا، پچھلی رات تہجد پڑھنا...... کئی کئی دن کی پرانی باسی روٹیاں، سوکھے ٹکڑے قہوے کے ساتھ کھانا...... سچی بات یہ ہے کہ ان بھائیوں کے ہمراہ ان نمازوں اور ان سوکھے ٹکڑوں کی لذت دنیا بھر میں کہیں مل سکتی ہے تو دوبارہ جہاد کے انہی میدانوں میں ہی مل سکتی ہے۔

ہفتہ بھر ان مورچوں میں رہنے کے بعد اب ہم واپس ''ماسدہ'' اور وہاں سے پاکستان آ گئے۔ تب ''صدہ'' کی بجائے براہ راست جاجی میں قافلے بھیجنے شروع کر دیے۔ شروع میں عرب بھائیوں کے ساتھ ہی ہمارے مجاہدین رہا کرتے تھے، مگر جب تعداد زیادہ ہو گئی تو عربوں نے ہمیں الگ مرکز دے دیا۔ اب ساتھی ''مرکز مکہ'' میں ٹریننگ لینے لگے، ذکی الرحمٰن صاحب ٹریننگ دینے لگے اور مجاہدین مختلف محاذوں پر جانے لگے۔

شیخ جمیل الرحمٰن کی ...... جماعۃ الدعوۃ کے محاذوں پر

حافظ سعید صاحب جاجی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ جاجی میں جب کام شروع ہو گیا تو اب پشاور میں اکثر آمد و رفت رہتی تھی۔ انہی دنوں ایک بار شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی جو دو اڑھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ انہوں نے اپنی جماعت اور محاذوں کے بارے میں تفصیل سے ہمیں آگاہ کیا۔ شیخ صاحب سے تفصیلات سن کر ہم نے شیخ کے مراکز کی جانب جانے کا پروگرام بنا لیا۔

سب سے پہلے ہم حذیفہ بن یمان کے جہادی مرکز میں پہنچے۔ یہ باجوڑ ایجنسی میں شیخ کا ٹریننگ سنٹر ہوا کرتا تھا۔ اب چونکہ میرے ساتھ جتنے بھی ساتھی تھے سب ٹریننگ یافتہ تھے، لہٰذا ہمیں یہاں ٹھہرانے کی بجائے فوراً کنڑ میں اگلے مورچوں پر بھیج دیا گیا۔ اس وقت شیخ کا سب سے بڑا مرکز ''غنڈ عبداللہ بن مسعود'' تھا۔ یہاں پیدل ہی جانا پڑتا تھا۔ جب ہم چار پانچ گھنٹے پیدل چل کر پہاڑ چڑھ کر اس مرکز میں پہنچے تو وہاں کے کمانڈر نے ہمارا

استقبال کیا۔ انہیں لوگ ''حاجی صاحب'' کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ افغان فوج میں بریگیڈیئر ہوا کرتے تھے مگر اب شیخ کے ساتھی بن کر مجاہدین کے کمانڈر ہیں۔

ہم یہاں دو دن رہے۔ اس کے بعد حملے کا پروگرام تشکیل پا گیا۔ حملے میں شرکت ہر شخص کی دلی خواہش تھی۔ یہاں عرب اور افغان مجاہد تو تھے ہی، اب ہم پانچ پاکستانی بھی تھے۔ جب قرعہ اندازی ہوئی تو بحمد اللہ میرا نام بھی نکل آیا۔ اب حملہ آوروں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصے کا کام B.M میزائل چلانا تھا۔ دوسرے دستے میں گرینوف شامل کی گئی جب کہ تیسرا دستہ دھشکہ اٹھائے ہوئے تھا۔

حکم یہ تھا کہ ساری رات چلنا ہے، اسلحہ کو کندھوں پر اٹھا کر حملہ کرنے والی جگہ پر پہنچانا ہے۔ اب ہم چل پڑے۔ سب ساتھیوں نے اسلحہ کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ قافلے میں دو گدھے اور ایک خچر بھی تھا۔ مگر جس دستے میں میں تھا اسے کوئی گدھا اور خچر نہ مل سکا۔ میرے پاس B.M میزائل تھا۔ ہم چلتے چلتے تھک جاتے تو اسلحہ رکھ دیتے۔ عرب بھائیوں کی عجب شان تھی! وہ قافلے سے آگے آگے چلتے۔ دور جا کر اپنا اسلحہ رکھ دیتے۔ پھر واپس آتے، دوسرے ساتھیوں کا اسلحہ اٹھاتے اور پھر اپنے اسلحہ کے قریب جا کر جن ساتھیوں کا اسلحہ ہوتا انہیں لوٹا دیتے اور اپنا اسلحہ اٹھا کر چل دیتے۔ وہ وقفے وقفے کے ساتھ ایسا ہی رات بھر کرتے رہے۔

اب صبح کی نماز کا وقت قریب تھا اور نماز ادا کرنے کی مطلوبہ جگہ پر بھی ہم پہنچ چکے تھے۔ نماز کے بعد کچھ دیر انتظار کیا۔ امیر صاحب نے حکم دیا کہ ٹھیک صبح کے سوا سات بجے پہلا فائر کیا جائے گا۔ اس پہلے فائر کا قرعہ ہمارے دستے میں میرے نام نکلا۔ چنانچہ امیر کے حکم پر سوا سات بجے میں نے B.M کا پہلا فائر روسیوں کے مورچے پر کیا۔ مورچہ ''نشد'' میں تھا۔ ہم دشمن کے اس قدر قریب تھے کہ ان کے مورچے، ٹینک اور گاڑیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اب مجاہدین نشانے لے لے کر ان پر فائر کر رہے تھے۔ ہم بلند جگہ پر تھے۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ نشانے کس قدر صحیح جگہوں پر لگ رہے ہیں۔ یہ حملہ 35 منٹ جاری رہا۔ اس کے بعد انہوں نے زبردست جوابی حملہ کیا، ان کی توپوں اور ٹینکوں کا ہر گولہ ہمیں نظر آ رہا تھا۔ یہ گولے ہمارے دائیں بائیں اور آگے پیچھے گر رہے تھے۔ پتھروں اور مٹی کا ایک غبار تھا جو اڑ رہا تھا۔ اس حملے میں مجاہدین کو کوئی زیادہ چوٹیں نہیں آئیں، معمولی چوٹیں آئیں، دو ساتھی زخمی ہوئے جب کہ شہید کوئی نہیں ہوا۔

یہ دن ہم نے یہیں بسر کیا۔ اگلے دن پھر حملے کا پروگرام بنا۔ اب قرعہ ڈالا گیا تو میرا نام نہ نکل سکا البتہ میرے ساتھی قمر الاسلام کا نام نکل آیا۔ یہ والدین کو بتلائے بغیر ہمارے ہمراہ آیا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ آپ شامل نہ ہوں مگر قمر الاسلام نے اصرار کیا اور کہا کہ جب قرعہ میرے نام نکل آیا ہے تو یہ اللہ کا فیصلہ ہے، لہٰذا مجھے روکنا مناسب نہیں۔ چنانچہ اب میں خاموش ہو گیا اور یہ ساتھی حملے کے لیے چلے گئے جب کہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر دوربین لگا کر حملے کا منظر دیکھنے لگا۔

قمر الاسلام اور ان کے دو عرب ساتھیوں نے اپنے گولے فائر کیے اور پھر دشمن کے جوابی حملے سے محفوظ ہونے کے لیے ایک اوٹ میں آ گئے۔ ادھر دھواں اور گرد و غبار اٹھا، مٹی اور پتھر اڑے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ قمر تو گیا۔ اب میں سوچنے لگا کہ اس کا باپ مجھے پکڑ لے گا کہ تو تو زندہ آ گیا اور میرے بیٹے کو مروا دیا۔ اب میں اسی کیفیت سے دوچار تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کے ساتھ طور پر تورات لینے گئے تو قوم کے لوگ کہنے لگے: ''اے موسیٰ! ...... ہم تو اللہ کو دیکھیں گے۔'' اس پر اللہ نے ان سب کو ہی مار ڈالا۔ اب موسیٰ علیہ السلام پریشان ہو گئے کہ یونہی اکیلا واپس جاؤں گا تو قوم کہے گی ہمارے آدمی مروا کر اکیلا یہاں آ گیا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! میں کیا کہوں گا؟ تب اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔

کچھ اس طرح کے خیالات میرے ذہن میں آ رہے تھے اور میں اپنے اللہ سے عرض کر رہا تھا۔ ''اے اللہ! ابھی تو ہم نے جہاد میں قدم رکھا ہے۔ اگرچہ یہ تیرا راستہ تو شہادتوں کا

راستہ ہے اور اسی راستے کی تلاش میں ہم یہاں آئے ہیں مگر ابھی تو ہمارا ابتدائی مرحلہ ہے۔لوگ باتیں کریں گے،تو ہی کرم فرما۔" چنانچہ تھوڑا سا دھواں ہٹا،گرد وغبار کا بگولا چھٹا تو دور بین سے کیا دیکھتا ہوں کہ ساتھی کرالنگ یعنی کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے چلے آرہے ہیں! اٹھتے ہیں! مٹی جھاڑتے ہیں اور دوڑ رہے ہیں۔

غرض اس طرح کے کئی واقعات ہیں۔ایسے ہی ایک واقعہ میں ہم چار ساتھی جا رہے تھے۔روسیوں کے ایک مورچے کے قریب سے گزرہوا۔یہ گزرنا ناگزیر ہوتا تھا کہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔بہر حال جب ہم گزرنے لگے تو فائرنگ شروع ہوگئی، ارد گرد سے شاں شاں کرکے گولیاں گزر رہی تھیں۔مگر اللہ نے ہم سب کو محفوظ رکھا۔تو حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور موت سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

عبدالرحمٰن کا جہادی سفر کابل کی جانب

بھائی عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں ''جاجی'' میں مرکز الدعوۃ والارشاد کے معسکر'' مرکز مدینہ'' میں ہوتا تھا کہ ہمارے امیر بھائی ذکی الرحمٰن نے مجھے بلڈوزر لینے کے لیے ''فیروزہ'' بھیجا۔اس بلڈوزر سے مجاہدین راستے بناتے تھے۔مجھے بلڈوزر کا کام کرکے وہیں سے کابل کی جیل پل چرخی کے قریب علاقہ ''رتین'' کے مورچوں پر پہنچنا تھا اور مجاہدین کے لیے وہاں سامان پہنچانا تھا۔چنانچہ یہاں سے چلنے والے ہم چار ساتھی تھے۔میرا دوسرا ساتھی بھائی مصعب تھا۔یہ قفقاز کا رہنے والا تھا اور جب روسیوں نے وہاں قبضہ کیا تو اس کے آباؤ اجداد اُردن چلے گئے اور اب یہ کمیونسٹوں سے بدلا لینے کے لیے افغانستان میں جہاد کرنے آیا تھا۔تیسرا ساتھی عبدالمجید اور چوتھا ساتھی عنایت اللہ افغانی تھا۔یہ گھوڑوں کا خدمت گار تھا۔جہادی گھوڑوں کی خدمت کوئی معمولی بات نہیں بلکہ یہ بڑی سعادت ہے، جو راہ جہاد کے گھوڑوں کی خدمت سے ملتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

((اِنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِ لَيَسْتَنُّ فِي طِوَلِهٖ فَيُكْتَبُ لَهٗ حَسَنَاتٍ))

(بخاری ، کتاب الجهاد: ۲۷۸۵]

''بے شک مجاہد کا گھوڑا جو (کھیت میں) اپنی لمبی رسی میں بندھا ہوا، اپنی خوشی کے ساتھ چرتا ہے تو (شاہ سوار) مجاہد کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔''

اسی طرح بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَ تَصْدِيقًا بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شِبَعَهٗ وَ رِيَّهٗ وَ رَوْثَهٗ وَ بَوْلَهٗ حَسَنَاتٍ فِي مِيزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

[بخاری، کتاب الجهاد، باب من احتبس فرسا فی سبیل الله: ۲۸۵۳]

''جس نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اللہ کے آخری دن قیامت کو سچا جانتے ہوئے اللہ کے راستے میں (جہاد کے لیے) گھوڑے کو روکے رکھا تو اس کا کھانا پیا اور اس کا پیشاب اور لید بھی قیامت کے دن مجاہد کے میزان میں نیکیاں بنا کر رکھی جائیں گی۔''

عبدالرحمٰن بھائی کہتے ہیں: ''ہم نے جہاد کے لیے پاکستانی گھوڑے خریدے اور کابل کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ گھوڑے پاکستانی تھے، جو میدانوں میں دوڑنے والے تھے، پہاڑوں اور برف کی چوٹیوں پر چلنے کا انہیں تجربہ نہیں تھا۔ چنانچہ تین دن کے بعد ہم سارا سامان راستے میں برباد کر کے بمشکل ان گھوڑوں کی جانیں بچا کر واپس آ گئے اور پھر ہم نے افغانی گھوڑے کرائے پر حاصل کیے اور گھوڑوں کا مالک بابا عبدالمجید افغانی بھی ہمارے ہمراہ ہولیا۔ اب ہم چھ ساتھی ہو گئے، جب کہ ہمارے پاس پانچ گھوڑے اور ایک خچر تھا۔ مجھے یاد آیا جنگ حنین میں اللہ کے رسول ﷺ بھی خچر پر سوار تھے اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس کا رنگ سفید تھا۔ بہر حال ہم نے ان گھوڑوں پر مجاہدین کے کھانے کا سامان لادا، اسلحہ

وغیرہ بھی رکھا اور معروف راستوں کو چھوڑ کر غیر معروف اور انتہائی مشکل اور دشوار گزار راستوں پر چل نکلے۔ پہلا پہاڑ جسے ہم نے پار کرنا تھا اس کا نام ''لکڑئی'' تھا۔ اس پہاڑ پر ہر سو برف ہی برف تھی۔ چنانچہ ایک جگہ ہمارے گھوڑے برف میں پھنس گئے، تین گھنٹے تک ہم برف میں پھنستے رہے اور نکلتے رہے، اس تھکا دینے والی کشمکش کے بعد بالآخر ہم صاف راستے پر چلنے میں کامیاب ہو گئے۔ تھوڑی دیر صاف راستے پر چلے تھے کہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ہوٹل آ گیا۔ وہاں ہم نے نماز عصر ادا کی اور پھر ہم نے پہاڑ پر سے اترنا شروع کر دیا۔ جب ہم اتر کر پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو اندھیرا چھانا شروع ہو گیا...... اب دل تو چاہتا تھا کہ رات یہاں گزار لیں مگر ہمارے امیر مصعب بھائی نے آگے ہی جانا پسند فرمایا۔ چنانچہ سفر پھر شروع ہو گیا۔ اب اندھیری رات نے سیاہ پر پھیلائے اور پھر ان پروں کا تاریک سایہ ہم پر گہرا ہی ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ گھپ اندھیرے میں بارش بھی شروع ہو گئی۔ اب جس گھوڑی پر میں سوار تھا مجھے اس سے اگلا گھوڑا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہم ایک لائن میں چل رہے تھے اور اگلے پچھلے ساتھیوں کو آوازیں دے کر اپنے ساتھ ملائے اور چمٹائے رکھتے تھے۔ پتھروں پر چلتے ہوئے گھوڑوں کے پاؤں کی ٹاپوں سے جب چنگاریاں نکلتیں تو ان سے ہی ہمیں پتا چلتا کہ اگلا گھوڑا کس طرف جا رہا ہے۔ جب ان گھوڑوں کے قدموں سے آگ کے کچھ چنگاڑے نکلتے تو بے اختیار گھوڑوں والی سورت کی آیات یاد آ جاتیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝﴾ [العادیات:۱،۵]

''قسم ہے (مجاہدوں کے) ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہوئے ہانپتے ہیں اور ان گھوڑوں کی جو ٹاپ مار کر پتھر سے چنگاریاں اڑاتے ہیں۔ پھر صبح ہی صبح دشمن پر چھاپہ مارتے ہیں تو اس کے ساتھ گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر دشمن کی فوج میں جا

گھستے ہیں۔''

یہ آیتیں پڑھتے ہوئے دل یقیناً یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہادی گھوڑوں کی اس قدر قسمیں کھا کھا کر محبت سے ذکر کرتے ہیں اور دشمن پر جھپٹنے کے ایک ایک منظر کو بیان کرتے ہیں!!......تو جو مجاہد ان گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے اس کی کیا شان ہوگی؟

ہم جہادی گھوڑوں پر رات گئے تک چلتے رہے، حتیٰ کہ ایک درہ آیا، اس کا نام ''مینگل'' تھا۔ یہاں ایک ہوٹل تھا، یہیں ہم نے باقی ماندہ رات گزاری، کھانا کھایا اور صبح اٹھ کر پھر چل دیے۔ بارش تو اب بھی متواتر جاری تھی مگر ہم چلتے رہے حتیٰ کہ ایک امروت نامی درہ آ گیا، اس درے سے ہم گزرے تو سامنے وادی امروت تھی۔ بڑی کشادہ وادی تھی اور اس میں خوبانی، آلوچہ، انگور اور اخروٹ کے باغات تھے مگر وہ سب روسی جہازوں کی بمباری سے تباہ تھے۔ درخت جھلسے ہوئے تھے۔ بہرحال ان باغات میں کچھ وقت چلنے کے بعد اب ہمارے سفر کا دوسرا پہاڑ سامنے تھے، جسے ہم نے سر کرنا تھا۔ اس کی چوٹی پر برف باری ہو رہی تھی۔ ہم نے چوٹی سے نیچے وادی کے دامن میں چلنا شروع کیا۔ برف باری سے بارش کی طرف اترنا شروع کیا۔ اب ہمارا یہ راستہ کہ جس پر سے ہم اتر رہے تھے اور جسے مجاہدین نے بلڈوزر سے بنایا تھا وہ مسلسل بارش کی وجہ سے خراب ہو گیا اور اس قدر خراب ہوا کہ دلدل بن کر رہ گیا!! گھوڑے کے پاؤں اس میں دھنستے تھے اور پھر وہ پورا زور لگا کر اگلی ٹانگیں نکالتا...... غرض اس مشکل میں ہم دو گھنٹے تک گرفتار رہے۔ اللہ اللہ کر کے یہاں سے نکلے اور گھنٹہ بھر سفر کرنے کے بعد ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ وہاں کھانا کھایا، بارش سے بھیگے ہوئے کپڑے ہوٹل میں لکڑی سے جلتی ہوئی لوہے کی بخاریوں پر خشک کیے، جب کہ باہر ہنوز بارش جاری تھی۔ اب نماز کا وقت ہو گیا، ہم نے نماز پڑھی اور ہوٹل والے نے ہمیں رفع الیدین کرتے دیکھ لیا۔ بس! پھر کیا تھا......! وہ جو ہمیں خوش آمدید کہہ رہا تھا...... یکدم بگڑ گیا اور ہمیں وہابی کافر کہنے لگا اور ہمارے افغانی بھائیوں کو بھی غیرت دلانے لگا کہ ''تم پیسے کے لیے ان

وہابیوں کے ساتھ سفر کر رہے ہو۔'' مگر ہمارے افغانی ساتھیوں نے اس کی کسی بات پر توجہ نہ دی...... بہر حال اب ہم اس ہوٹل سے کہ اتفاق سے ہم نماز سے قبل ہی کھانا کھا چکے تھے، نماز کی ادائیگی کے بعد نکل کھڑے ہوئے اور پھر دو گھنٹے سفر کیا ہوگا کہ اب ہمارے سامنے ایک تیسرا پہاڑ کھڑا تھا کہ جسے ہم نے عبور کرنا تھا۔

اس تیسرے بلند پہاڑ کی چوٹی پر جب ہم نے چڑھنا شروع کیا تو بارش کی وجہ سے اس کا راستہ کیچڑ سے اٹا پڑا تھا اور تنگ بھی تھا اور یہ راستہ اس قدر دشوار تھا کہ یہاں کئی گھوڑے اور خچر جو اس کی چوٹی سر کرنے کی بازی ہار گئے تھے، وہ یہاں مرے پڑے تھے۔ بہر حال بڑی مشکل کے بعد ہم اللہ کی مدد اور توفیق سے اس کی چوٹی پر پہنچ پائے...... پھر جب چوٹی سے اترنے لگے تو اترائی بھی ایسی ہی خطرناک، تنگ اور دشوار تھی۔ بہر حال ہم یہ اترائی اترنے کے بعد وادی میں پہنچے۔ تین گھنٹے تک متواتر وادی میں چلتے رہے۔ راستے میں کئی ہوٹل آئے، مولوی یونس خالص کا مرکز بھی آیا مگر ہم کہیں رکے بغیر آگے بڑھتے رہے، حتیٰ کہ ہماری منزل کا آخری اور چوتھا پہاڑ بھی آ گیا۔

جب روسیوں کا مال ہمارے ہاتھ لگا اور ہماری غزالہ مر گئی

اس پہاڑ کے دامن میں ہمیں ایک مکان دکھائی دیا۔ ہمارے امیر بھائی مصعب نے کہا کہ رات اس مکان میں ہی بسر کرتے ہیں مگر ایک افغانی ساتھی کہنے لگا کہ پہاڑ پار کرنے کے بعد ہمیں صرف دو گھنٹے چلنا ہوگا اور ہم اپنے مرکز میں ہوں گے، لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں سفر کرنا چاہیے۔ چنانچہ اب ہم گھنٹہ بھر اس پہاڑ پر چڑھے ہوں گے کہ کیا دیکھتے ہیں...... وہ بارش جو نیچے ہم پر برس رہی تھی، یہاں برف کی شکل میں ہم پر گرنے لگی......!! یہ اس قدر شدید تھی کہ ہم راستہ گم کر بیٹھے۔ بہت کوشش کی مگر راہ نہ پا سکے۔ بالآخر ہم تھک ہار کر واپس ہوئے اور اسی مکان میں آ گئے۔ اب ہم برف باری اور برستی بارش میں اس کے دروازے پر آئے تو تالا لگا ہوا تھا!! ہم نے لائٹ جلائی، اب جو ہم نے تالے کو ہاتھ لگایا تو

وہ ٹوٹا ہوا تھا۔ چنانچہ ہم اندر چلے گئے ...... اندر کیا دیکھتے ہیں کہ چاول موجود ہیں، دالیں بھی پڑی ہیں، لکڑی اور مٹی کا تیل بھی موجود ہے اور لطف یہ کہ پکانے کے لیے برتن بھی موجود ہیں۔ جنگل اور کوہستانی بیابان میں پردیسی مسافر جو کہ راستہ بھٹکے ہوئے ہیں اور رات اپنے تاریک پھن پھیلانے کو ہے، بارش، برف اور بھوک کے وہ ستائے ہوئے ہیں۔ انہیں ایک مکان مل جائے، یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے ...... اور پھر اس میں ہر شے کھانے کو مل جائے، یہ بھلا کس قدر انعام ہے مولا کا اپنے مجاہد بندوں پر۔ ہمارے کپڑے گیلے تھے...... ہم کیا دیکھتے ہیں کہ یہاں ایک پیراشوٹ اور بہترین روسی وردیاں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ہم نے گیلے کپڑے اتارے، گرم وردیاں پہنیں اور آرام سے سو رہے...... یقیناً یہ سارا مال روسیوں کا تھا اور وہ مجاہدین کی کارروائیوں کے خوف سے چھوڑ بھاگے تھے اور آج یہ ہمارے کام آرہا تھا مگر اب ہم ان کا کابل تک پیچھا کر رہے تھے اور یہ دشوار گزار سفر طے کر کے مجاہدین کو سامان خورد و نوش اور اسلحہ پہنچا رہے تھے۔

''الحمدللہ'' رات ہم نے سکون سے گزاری۔ صبح ہوئی تو ہم نے آگ جلائی، کھانا تیار کیا اور کھا کر کوچ کا پروگرام بنایا...... اب ہم نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ گھنٹہ بھر چڑھائی چڑھنے کے بعد برف شروع ہوگئی۔ چنانچہ بقیہ تین گھنٹوں کا سفر ہم نے متواتر برف پر ہی کیا اور برف اس قدر شدید تھی کہ بار بار گھوڑے پھنس جاتے۔ ہم ان کا بوجھ اتارتے، انہیں برف سے نکالتے اور پھر سامان ان پر لادتے۔ جب اللہ اللہ کر کے یوں ہم چوٹی پر پہنچے تو اب راستہ بجھائی نہیں دیتا تھا۔ جس جانب بھی ہم نکلنے کی کوشش کرتے، پاؤں برف میں پھنسنا شروع ہو جاتے اور ہم واپس اپنے قدموں پر آجاتے۔ دن بھر یہ کوشش کرتے کرتے جب ہم کسی جانب بھی نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو بالآخر عصر کے وقت ہم نے سارا سامان چوٹی پر چھوڑا اور خود گھوڑوں کو لے کر واپس اسی مکان میں آگئے۔ اب ہم نے سوچا کہ بارش جو کئی دنوں سے جاری ہے جب تک یہ تھم نہیں جاتی اس پہاڑ کو عبور کرنا ناممکن ہے۔ اب اس

مکان میں ٹھہریں تو ہمارے لیے کھانے کا سامان تو تھا مگر گھوڑوں کو کیا کھلائیں۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ واپس راستے میں جو ہم نے ایک ہوٹل چھوڑا تھا وہاں چلتے ہیں اور وہاں سب کچھ میسر ہوگا (ان شاء اللہ)۔ چنانچہ اس مکان سے ہم واپس الٹے پاؤں چلے اور سات گھنٹے کا سفر کر کے ہم مطلوبہ ہوٹل پر پہنچے۔ وہاں ہم نے دو راتیں گزاریں۔ اب اللہ کا یہ کرم ہو چکا تھا کہ بارش نہ صرف تھم چکی تھی بلکہ آسمان بھی صاف ہو چکا تھا، چنانچہ ہم نے پھر رخت سفر باندھا۔

مگر اب کے اس سفر میں ہماری ایک گھوڑی سفر کی مشقتوں کی تاب نہ لا کر ہمارا ساتھ چھوڑ گئی۔ ہم نے اس کا نام ''غزالہ سریعہ'' یعنی تیز ہرنی رکھا ہوا تھا۔ ہم نے نام رکھ کر سنت نبوی کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سواری کے جانوروں کے بھی نام ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی اونٹنی کا نام ''قصوا'' تھا جب کہ گدھے کا نام صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ''عفیر'' تھا۔ بہرحال ہماری یہ غزالہ تیز دوڑتی تھی مگر اب اس پر مشقت سفر نے اس کی تیزیاں ختم کر دیں تھیں اور اب وہ مر چکی تھی۔ ہم اسے چھوڑ کر سوئے منزل روانہ ہوئے اور دوبارہ اسی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھنا شروع ہوئے کہ جہاں سے ہم واپس لوٹے تھے اور اپنا سامان وہیں پھینک آئے تھے۔

خچر برف میں پیٹ تک دھنس گیا

آج جب ہم اس چوتھے اور آخری پہاڑ پر دوبارہ چڑھ رہے تھے تو ہر سو برف تو تھی مگر آج یہ برف چاندی بن کر چمک رہی تھی۔ اس لیے کہ آج سورج اپنی ننگی آنکھ کے ساتھ اسے دیکھے چلا جا رہا تھا۔ ہم موسم کی اس صفائی سے خوش تھے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے چڑھ رہے تھے کہ اچانک کابل کی جانب سے ہوائی جہاز نمودار ہوئے اور انہوں نے ہمیں دیکھ کر بمباری شروع کر دی۔ اب ہم چھپتے تو کہاں؟ کہ ہر طرف برف ہی برف تھی جو چمک رہی تھی۔ نہ جھاڑی تھی نہ کوئی درخت تھا اور نہ ہی پتھر کی کوئی اوٹ۔ اس لیے کہ اوٹوں کو تو برف

نے پر کردیا تھا۔ بہر حال ہم اللہ کا نام لیتے ہوئے اپنے سفر میں مصروف رہے۔ جہازوں کے بم گرتے رہے اور وہ پھس پھس اور ٹھس ٹھس کرتے رہے اور وہ بم گرا گرا کر آخر اپنی راہ لیے چلتے بنے اور ہم اپنی راہ لیے دن کے بارہ بجے چوٹی پر جا پہنچے۔ ہم اپنا جو سامان یہاں چھوڑ گئے تھے وہ برف میں دب چکا تھا۔ چنانچہ ہم نے اس سامان کو برف کے بوجھ سے آزاد کیا اور پہاڑ سے اترنے کا پروگرام بنایا...... اترائی جو کہ اب آسان ہو چکی تھی مگر اب بھی اس کا یہ حال تھا کہ ہم نے اپنا سامان گھوڑوں پر لادنے کی بجائے خود اٹھایا اور ایک کلومیٹر جا کر چھوڑا اور پھر خچر کو لے جانے لگے تو ہمارا وہ خچر جو کہ کبھی برف میں نہیں پھنسا تھا، وہ بھی برف میں پھنس جاتا اور کئی بار تو ہمارے خچر کی چاروں ٹانگیں برف میں پیٹ تک دھنس جاتی۔ اب ہم لکڑی کا ایک تختہ لیتے اور اسے خچر کے پیٹ کے نیچے سے آر پار گزارتے دونوں طرف سے اسے ہم اوپر اٹھاتے، خچر ہمارا پورا زور لگا کر آگے کو چھلانگ لگاتا اور پھر اسی طرح پھنس کے رہ جاتا اور ہم وہی عمل دوبارہ دہرانا شروع کردیتے۔ بہر حال بڑی مشکل سے ہم نے خچر کو اس دلدلی برف سے نکالا، جب کہ اللہ کا یہ شکر ہوا کہ باقی گھوڑے قدرے صحیح راستے پر نکل گئے۔ وگرنہ سب گھوڑوں کو اگر اسی طرح نکالنا پڑتا تو پیش آنے والی مشقت اور مصیبت کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کردیتا ہے۔

اب نیچے جا کر راستہ ٹھیک تھا۔ وہاں سے ہم نے اپنا سامان گھوڑوں پر لادا اور دوبارہ اپنے جہادی مرکز کی جانب مارچ شروع کردیا۔ اب تین گھنٹے چلنے کے بعد ہم ایک وادی میں پہنچے۔ اس کا نام ''تیزین'' تھا۔ یہ چھوٹی سی وادی تھی مگر بڑی زرخیز اور خوبصورت تھی۔ یہ انتہائی بلند و بالا پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے اور اس وادی میں مولوی یونس خالص کے مرکز اور ''جبہات'' تھے جب کہ ایک مرکز عرب بھائیوں کا بھی تھا۔ یمنی کافی تعداد میں تھے۔ یہ سارے عرب سلفی العقیدہ تھے۔ انہی بھائیوں کے پاس ہم نے سامان پہنچانا تھا۔ چنانچہ جب ہم ان بھائیوں کے پاس پہنچے اور سلام کہا تو سب ساتھی بڑے تپاک سے ہمیں ملے۔ وہ خوش

ہو رہے تھے اور ہماری خوشی کا بھی کوئی ٹھکانا نہ تھا کہ ہم اللہ کی توفیق سے سامان لے کر اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ گئے۔

روسی قیدی عرب مجاہدین کی حراست میں

عرب بھائیوں نے ہمیں خوشخبری سنائی کہ کل ہی ہم نے روسیوں پر حملہ کیا ہے اور سات روسی فوجیوں کو ہم گرفتار کر کے لائے ہیں۔ چنانچہ ہم نے انہیں دیکھا، ان سے بات چیت بھی کی۔ ان میں سے دو فوجی تو نشہ کرتے تھے مگر اب نشہ نہ ملنے کی وجہ سے وہ مرنے کی حالت کو تھے اور یہ سب اس قدر بزدل تھے کہ ان کے لیے عرب مجاہدین نے پہرے کا بھی کوئی خاص انتظام نہیں کیا تھا۔ ان سات فوجیوں پر ایک دس سالہ بچہ مامور تھا جو کلاشن تھامے ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ یہ روسی قیدی ان خچروں پر جو مجاہدین نے روسیوں ہی سے غنیمت میں حاصل کیے تھے، جنگل کی لکڑیاں اکٹھی کرتے اور مجاہدین کے لیے پانی لاتے اور ہر طرح کی خدمت بجا لاتے۔ یعنی یہ تقریباً آزاد تھے مگر اس کے باوجود مجاہدین کی دہشت اور رعب اس قدر تھا کہ یہ بھاگتے نہیں تھے۔ یاد رکھیے! یہ دہشت اور رعب صرف اور صرف جہاد کی برکت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ))

[صحیح البخاری:۳۳۵]

''ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔''

کچھ عرصہ ہم نے یہاں گزارا اور اس کے بعد ہمیں ''دیدار مرکز'' میں جانا تھا۔ چنانچہ ہم اس مرکز کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں سعودی عرب کے سلفی بھائیوں کا مرکز آیا۔ یہاں اسامہ بن لادن کہ افغانستان کے محاذوں پر جن کی جہادی خدمات ناقابل فراموش ہیں، ان کی تنظیم کے مجاہدین تھے۔ اسامہ بن لادن سعودی باشندہ ہے۔ اللہ نے اس کو بے پناہ مال دیا مگر اس نے بھی دل کھول کر اربوں ڈالر افغان جہاد میں لگا دیے اور انہوں نے صرف مال

کے ساتھ ہی جہاد نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جان لے کر بھی افغانستان کے محاذوں پر روسیوں کے مقابل پیش پیش رہے۔

اسامہ بن لادن کے مرکز پر مجاہدین کے کمانڈر ابو خلیل تھے۔ اس مرکز پر مرکز الدعوۃ والارشاد کے دو مجاہد ابو سفیان اور شفقت بھی موجود تھے۔ ہم اپنے ان بھائیوں سے ملے۔ کچھ عرصہ یہاں رہے اور جہاد میں بھی حصہ لیتے رہے۔ یہاں ہمارے مورچے بہت بلند پہاڑی چوٹیوں پر تھے۔ ان چوٹیوں پر سے مجاہدین کابل شہر سے باہر روسیوں کی چھاؤنیوں اور مورچوں پر گولے پھینکتے تھے اور کابل ہوائی اڈے سے جہاز اڑ کر مجاہدین کے مورچوں اور مرکز پر بمباری کیا کرتے تھے۔

جہادی گھوڑوں کی برکتیں

اللہ کے رسول ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمایا:

((اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْهَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ الْاَجْرُ وَ الْمَغْنَمُ)) [بخاری، کتاب الجهاد : ۲۷۵۲]

”گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے بھلائی بندھی ہوئی ہے یعنی اجر اور مال غنیمت۔“

جی ہاں......! اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کا یہی فرمان ہم پڑھا کرتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ گاڑیوں، ٹینکوں کے اس دور میں توپوں، میزائلوں، راکٹوں، ہیلی کاپٹروں اور بمبار جہازوں کی اس دنیا میں بھلا اب گدھوں، خچروں اور گھوڑوں کی کیا ضرورت باقی ہے؟ مگر اللہ کے رسول ﷺ کا ان جہادی گھوڑوں اور خچروں کے بارے میں فرمان ہے کہ قیامت تک کے لیے ان کی پیشانیوں میں بھلائی ہے۔ یعنی ٹیکنالوجی جہاں جی چاہے اپنی تیزیوں کے ساتھ چاند پر کمند ڈالے مگر گھوڑوں کے بغیر جہادی دنیا میں گزارا نہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کی حقیقت اور حکمت کا راز ہم پر افغانستان کے جہادی میدانوں

میں کھلا کہ افغانستان میں اسلحہ کی سپلائی کا اسی (۸۰) فیصد کام ان گھوڑوں، خچروں اور گدھوں سے لیا جاتا تھا اور اس مقصد کے لیے افغانستان میں تو یہ جانور تھے ہی، پاکستان سے بھی خریدے گئے اور دوسرے ملکوں سے بھی، حتیٰ کہ امریکہ سے بھی منگوائے گئے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ جانور قیامت تک جہاد میں کام آتے رہیں گے اور یہ بھی کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور جو اس راہ پر چلتا رہے گا اجر وثواب اور غنیمت کے مال کا حقدار بنتا رہے گا۔ اس کے بختوں اور نصیبوں کی بلندی کا اعلان جو اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے ہو چکا ہے وہ اپنے اندر اس صفت کو پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ خوش بختی اور بلند نصیبی کا وہ اعلان صحیح بخاری میں اس طرح سے ہے:

((قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ : طُوبٰى لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ أَشْعَثَ رَأْسُهٗ مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَ إِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ ، وَ إِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ))

[بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللّٰہ :۲۸۸۷]

”خوشخبری ہے (اس (مجاہد) بندے کے لیے کہ جو اللہ کے رستے میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ اور قدم گرد آلود ہیں۔ اگر وہ پہرے پر ہے تو وہیں (ڈٹا ہوا) ہے اور اگر پانی پلانے میں ہے تو وہیں مصروف ہے۔ اگر وہ اجازت چاہے تو اجازت نہیں دی جاتی، اگر وہ سفارش کرے تو اس کی مانی نہیں جاتی۔“

یعنی ایسا اطاعت گزار اور مسکین مجاہد ہے کہ اس کی کوئی نہیں مانتا مگر جہاد میں ہر جگہ کہ جہاں بھی اسے لگا دیا جائے ڈٹا رہتا ہے اور گھوڑے کی لگام تھامے ہر لمحے جہاد کے لیے تیار کھڑا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اسے خوشخبریاں سنا رہے ہیں...... اللہ کے ہاں اس کا یہ مقام

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ کہیں اللہ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔'' یعنی یہ ایسا ولی ہے کہ اللہ اس کی بات مانتا ہے اور اسے پورا کر دیتا ہے۔

آپ ﷺ مدینے کے حکمران ہیں اور غزوۂ احزاب کے بعد ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ رومی مدینے پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایسے ہی ایک دفعہ حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ گھوڑے پر بیٹھے اور مدینے کے گرد دور تک چکر لگا کر دیکھتے رہے کہ کہیں کوئی حملے کے آثار تو نہیں ہیں..... ادھر صحابہ کو جب مدینے میں اللہ کے رسول ﷺ کی عدم موجودگی کا پتا چلا تو وہ پریشان ہو گئے اور آپ ﷺ کو ڈھونڈنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اتنے میں اللہ کے رسول ﷺ بھی واپس آ گئے اور فرمایا کہ میں سب دیکھ آیا ہوں لہٰذا ((لَمْ تُرَاعُوْا...... لَمْ تُرَاعُوْا)) ''فکر نہ کرو، خوف نہ کھاؤ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ جو بخاری شریف میں مروی ہیں وہ اس منظر کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

((اِسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰى فَرَسٍ عُرْيٍ مَا عَلَيْهِ سَرْجٌ فِي عُنُقِهِ سَيْفٌ)) [بخاری کتاب الجهاد: ٢٧٦٦]

''صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ کا استقبال کیا، آپ ﷺ ایسے گھوڑے پر تھے کہ جس کی پشت ننگی تھی، اس پر کوئی زین نہیں تھی جب کہ آپ ﷺ کی گردن میں تلوار تھی۔''

دیکھیے! کیسے بہادر، دلیر اور جری تھے اللہ کے رسول ﷺ کہ گلے میں تلوار لٹک رہی ہے اور اس قدر باخبر اور خطرہ سے نمٹنے اور جہاد کے لیے تیار ہیں کہ گھوڑا جیسے تھا ویسا ہی پکڑا، اس پر زین بھی نہیں رکھی اور گشت کر کے حالات سے باخبر ہو کر اکیلے واپس بھی آ گئے ہیں، پھر کیوں نہ زبان سے نکلے (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)۔

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جنگ حنین میں اللہ کے رسول ﷺ سفید خچر

پر سوار تھے اور دلیری کے ساتھ ہوازن وثقیف قبیلے کے تیر اندازوں کے تیروں کی بارش میں ڈٹے ہوئے تھے اور اپنی تتر بتر فوج کو اکٹھا کر رہے تھے۔

صحیح بخاری میں ہی حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:

((مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ إِلَّا سَلَاحَهُ وَ بَغْلَةً بَيْضَاءَ وَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ جَعَلَهَا صَدَقَةً)) [بخاری، کتاب الجهاد: ۲۹۱۲]

"(اس دنیا سے جاتے وقت) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہتھیار اور سفید خچر کے سوا کوئی ترکہ نہیں چھوڑا، خیبر میں کچھ زمین تھی، اسے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کر دیا تھا۔"

غور کیجیے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ ہے تو وہ بھی جہادی اسلحہ اور جہادی سواری ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا چھوڑا ہوا سامان اور ترکہ بھی پکار پکار کر مسلمانوں کو یہ درس دے رہا ہے کہ جہاد نہ چھوڑنا اور اسلحہ کو اپنی زندگی کا اثاثہ بنانا۔"

مرکز الدعوۃ کے مجاہدین افغانستان کے مختلف محاذوں پر

جاجی کی پہاڑیاں کہ جہاں مرکز الدعوۃ نے اپنا جہادی مرکز بنایا وہاں پاکستان کے سلفی نوجوان جہاد کی ٹریننگ کر کے افغانستان کے مختلف محاذوں پر اپنے عرب اور افغان بھائیوں کے ہمراہ ہو کر کمیونسٹوں سے لڑنے لگے۔ چنانچہ عبد الرؤف کابل کی تحصیل سروبی کے علاقے میں شہید ہوا جب کہ محمد قاسم خوست کے محاذ پر شہید ہوا۔ اسی طرح کابل کے قریب وادی سرخاب میں ریاض اسماعیل، بھائی محمود، عبدالرحمٰن اور دیگر نوجوان برسر پیکار رہے اور کابل کے قریب ہی ایک دوسرے مرکز "شنواری" میں بھی مجاہدین جاتے تھے۔ یہ عربوں کا مرکز تھا۔ جاجی سے مرکز الدعوۃ کا ایک قافلہ بھائی صلاح الدین کی زیر کمان کئی دن کے سفر کے بعد یہاں پہنچا۔ ان کے باقی ساتھی فائق، نصر اور احمد تھے جب کہ ایک ساتھی ان کے جانے سے پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

موضع ''ملنگ'' کی فتح

بھائی صلاح الدین چیمہ بتلاتے ہیں ان دنوں کابل کے قریب ''چکری'' کا محاذ بڑا معروف تھا۔ اس وجہ سے کہ وہاں کمیونسٹوں نے اپنی بہت بڑی قوت مقابلے میں لا رکھی تھی۔ چنانچہ ہم نے اس محاذ کا انتخاب کیا۔ اپنے عرب امیر سے اجازت لینے کے بعد رخت سفر باندھا۔ مختلف دروں اور پہاڑوں سے ہوتے ہوئے ایک بلندترین چوٹی پر پہنچے۔ اس چوٹی کا نام ''بیجائی'' تھا۔ یہ چوٹی کمانڈر ولی شاہ کی کمان میں تھی۔ جون کی گرمی کے باوجود یہاں کافی سردی تھی۔ ہم نے ایک رات یہاں قیام کیا اور زمین سے زمین پر مار کرنے والے ''صقر میزائل'' کی تربیت لی۔ ہمارا ایک دن اس کی مشق میں گزر گیا جب کہ اگلے روز ہم دن بھر چلنے کے بعد چکری کے محاذ پر پہنچے۔ یہاں مجاہدین کا ٹھکانا ایک بہت بڑی غار میں تھا۔ یہاں اور بھی بہت سی غاریں تھیں اور ان غاروں کے اوپر بستیاں بنائی گئی تھیں۔ افغانیوں نے ہمیں بتلایا کہ یہ غاریں انگریز نے اپنی فوج کے لیے اس وقت بنوائی تھیں جب اس نے کابل پر حملہ کیا تھا اور اس حملے میں ان کی حملہ آور فوج کا صرف ایک آدمی بچ سکا تھا اور وہ بھی شدید زخمی تھا!! وہ درہ جس میں یہ معرکہ ہوا تھا اگرچہ یہاں سے دور تھا مگر پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے وہ ہمیں دکھائی دے رہا تھا۔ اب یہاں کمیونسٹ قابض تھے۔

ہم اپنے چکری مرکز سے رات کو ''ترصد'' کے لیے یعنی دشمن پر گھات لگا کر جھپٹنے کے لیے نکلتے، دشمن کے علاقے میں چلے جاتے اور وہاں تمام تر حالات پر نگاہ ٹکائے دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے، ان کے مورچوں کو دیکھتے اور واپس آجاتے اور پھر اگلے روز منصوبہ بندی کے ساتھ ان پر اچانک حملہ آور ہو جاتے۔ ایسے حملے کرنے کے لیے بسا اوقات راتوں کو ہم بارودی سرنگیں بھی صاف کرتے۔

ایک رات ہم ''ترصد'' کرتے کرتے موضع ''ملنگ'' کے قریب دشمنوں کے مورچوں کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ رات کے دو بج رہے تھے اور ہمیں ان کی آوازیں سنائی دے

رہیں تھی۔ دشمن کو بھی ہمارے آنے کی خبر ہوگئی تھی۔ چنانچہ ہم پر روشنی کا ایک گولہ پھینکا گیا جو فضا میں معلق ہوگیا، زمین روشن ہوگئی، فائرنگ ہر طرف سے جاری تھی، میں سب سے اونچی جگہ پر تھا اور ہمیں یقین ہوگیا کہ اب ہم دشمن کے گھیرے میں ہیں۔ بہر حال غافل تو ہم بھی نہیں تھے۔ ایک چھوٹا سا راستہ تھا جس کے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ساتھیوں کو بٹھایا جاتا تھا تاکہ آگے جا کر دشمن پر حملہ کرنے والے مجاہدوں کے راستے کا پچھلا راستہ کاٹ کر گھیرے میں نہ لے لیا جائے۔ چنانچہ اب مقابلہ شروع ہوگیا۔ ہمارے پاس صرف کلاشنکوفیں اور راکٹ لانچرز تھے، جن سے ہم بھی فائر کرتے رہے۔ کافی دیر مقابلے کے بعد دشمن کی جانب سے فائرنگ بند ہوگئی۔ اب ہم واپس پلٹے اور پیچھے جو ہم نے بھاری اسلحہ رکھا ہوا تھا، اسے اٹھا کر لائے، فٹ کیا اور بھرپور حملہ کردیا۔ ہمارے اس بھرپور حملے سے دشمن خائف ہوگیا، اس نے سوچا کہ ان کو تازہ کمک پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ وہ بھاگ اٹھے اور موضع ملنگ کو ہم نے اللہ کی مدد سے فتح کرلیا۔ اب شنواری کا مرکز ختم کردیا گیا اور موضع ''ملنگ'' میں مجاہدین نے اپنا نیا مرکز قائم کرلیا۔

قندھار

جاجی کے ''مرکز مدینہ'' سے جو مجاہدین افغانستان کے مختلف محاذوں پر گئے تو ان میں قندھار کے محاذ بھی شامل ہیں۔ شیخ جمیل الرحمٰن شہید ﷫ کی جماعۃ الدعوۃ کے یہاں بھی مراکز تھے اور وہ زور وشور سے جہاد میں شامل تھے۔ مرکز الدعوۃ کے کئی ساتھی قندھار میں گئے، ان میں ریاض اسماعیل، بھائی طاہر عبداللہ اور صلاح الدین بھی تھے۔

بھائی صلاح الدین کہتے ہیں کہ ہم کوئٹہ میں جماعۃ الدعوۃ کے مدرسے میں گئے اور پھر یہیں مہاجرین کی خیمہ بستی میں جماعۃ الدعوۃ کے مدرسے میں گئے اور پھر ''ساغی'' مرکز اور وہاں سے ''سپین بولدک'' کے راستے ''ترصد'' کے لیے نکلتے، کمیونسٹوں پر حملہ آور ہوتے۔ دو دفعہ آمنے سامنے ہو کر زوردار مقابلہ بھی ہوا مگر اللہ نے مجاہدین کو فتح عطا فرمائی۔ ایک دفعہ

اس وقت مقابلہ ہوا جب افغان فوجی بھاگ کر آ رہے تھے اور ان کا تعاقب کمیونسٹ فوج کر رہی تھی۔ مجاہدین کو ان کے بھاگنے کی پہلے سے خبر تھی۔ چنانچہ وہ بھاگ کر ہم سے آ ملے اور پھر خوب زوردار مقابلہ ہوا جس میں کمیونسٹوں کو بھاگنا ہی پڑا۔

قندھار کے محاذ پر مرکز الدعوۃ کے مجاہد سیف اللہ منصور بھی پہنچے۔ وہ بتلاتے ہیں: ''ایک دفعہ دوران جنگ دشمن نے اس قدر شدید گولہ باری کی کہ ہمارے کئی مجاہد شہید ہو گئے۔ ان میں ایک پاکستانی ڈاکٹر بھی شہید ہو گیا۔ شدید ترین گولہ باری میں ایک دس سالہ افغان مجاہد نے ڈاکٹر صاحب کے مختلف اعضا کو اکٹھا کیا اور ایک کپڑے میں باندھ کر ایک طرف رکھ دیا۔ ان بچوں کی اس دلیری پر ہم بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ یہاں جو زوردار معرکہ لڑا گیا اس میں تو دشمن کا بھی بہت سارا جانی نقصان ہوا، ایک روسی کو تو میں نے بھی کلاشن کے برسٹ سے جہنم واصل کر دیا۔

اسی طرح جلال آباد کے محاذ پر جب مجاہدین نے ایک بار پیش قدمی کی تو بھائی جمیل اس قدر تیزی سے دوڑے کہ کمیونسٹوں کے مورچے پر جا کر تین کمیونسٹوں کو دستی بم اور کلاشن کے برسٹوں سے ڈھیر کر دیا۔ غرض مرکز الدعوۃ کے مجاہدین افغانستان کے محاذوں پر شہید بھی ہو رہے تھے اور دشمن کو قتل بھی کر رہے تھے۔ وہ دونوں صورتوں میں کامرانیوں کی منزلیں طے کر رہے تھے..... اللہ ان کامرانیوں کی نوید یوں سناتے ہیں:

﴿ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

[النساء: ۷۴]

'' وہ لوگ کہ جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے فروخت کر ڈالا ہے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ کے راستے میں لڑائی کریں اور جو اللہ کے راستے میں قتال کرے گا وہ قتل ہو جائے یا غالب آ جائے (دونوں صورتوں میں) ہم اسے اجر

عظیم سے نوازیں گے۔"

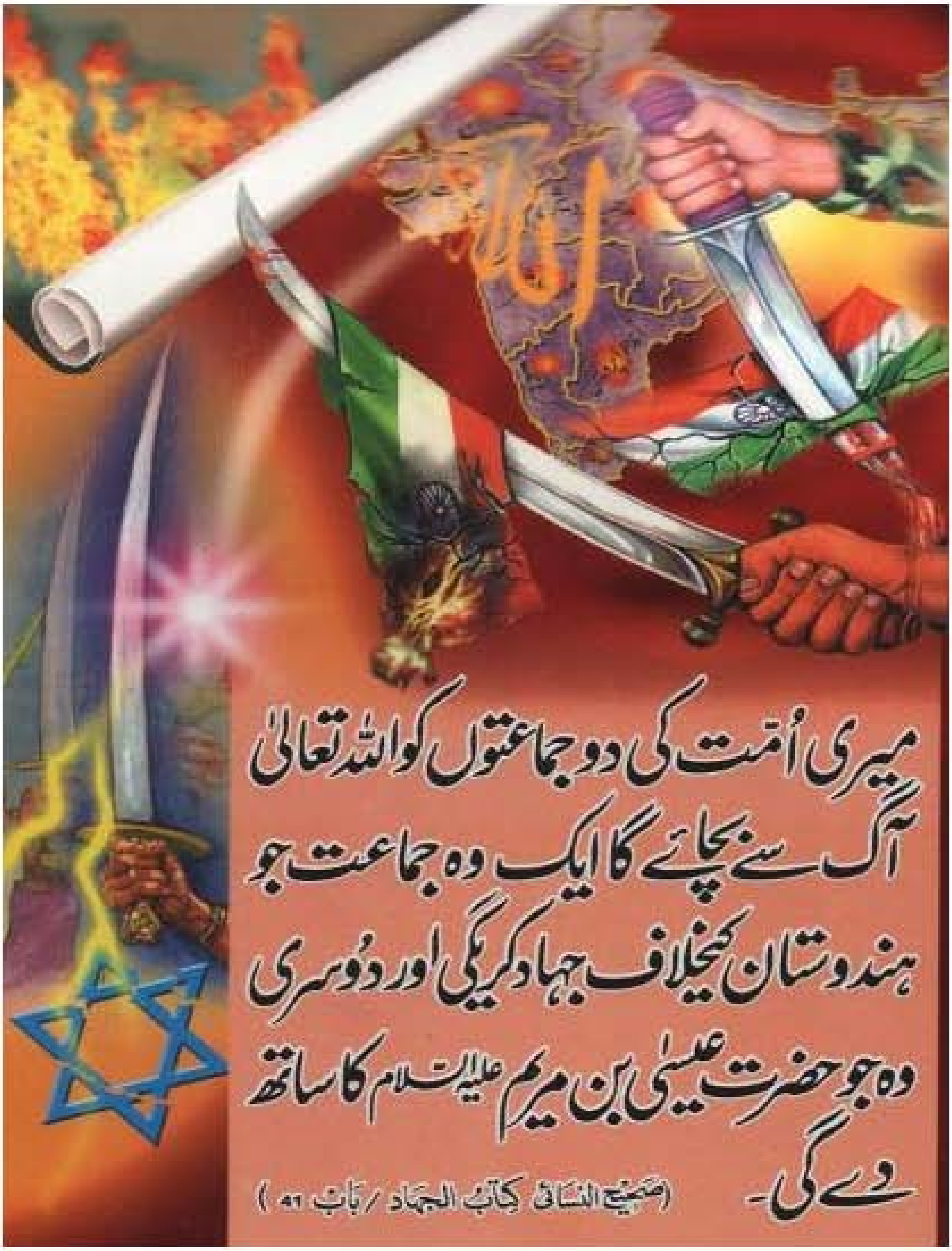
مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَ قَاتِلُهُ فِي النَّارِ اَبَدًا))

[مسلم، کتاب الامارة،باب من قتل كافرا ثم سدد:١٨٩١]

" کافر اور کافر کو قتل کرنے والا (مجاہد) دونوں جہنم کی آگ میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔"

قارئین کرام! سچی بات تو یہ ہے کہ افغانستان کے ہر پہاڑ کی چوٹی، وادی، میدان اور ہر درہ اپنے اندر مجاہدین کے جہاد اور شہادتوں کی اس قدر داستانیں سموئے ہوئے ہے کہ ہر وادی، ہر درہ اور ہر چوٹی پر جو بارہ سال تک جہاد ہوتا رہا، ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے اور یوں پورے افغانستان میں پھیلی ہوئی داستانوں کو اکٹھا کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں لکھی جا سکتی ہیں اور یہ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں مجاہدوں کے جہاد پر اور عرب مجاہدوں کی بے لوث معرکہ آرائیوں پر۔ ہم نے مرکز الدعوۃ والارشاد کے چند مجاہدوں کی ایک ایک داستان نمونے کے طور پر رقم کر دی ہے وگرنہ اگر باقی مجاہدوں کی داستانیں بھی اکٹھی کی جائیں تو علیحدہ سے ایک کتاب بن سکتی ہے۔ مگر میں نے جو زیرِ نظر کتاب مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو محض اس وجہ سے کہ اس کو کتاب و سنت کے پھولوں سے آراستہ کر دوں تا کہ جہاد کی مہک اور خوشبو سے اپنے غافل بھائیوں کو جگا دوں۔


میری اُمت کی دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ
آگ سے بچائے گا ایک وہ جماعت جو
ہندوستان کیخلاف جہاد کریگی اور دُوسری
وہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ساتھ
دے گی۔
(صحیح النسائی کتاب الجہاد / باب ۴۱)

پانچواں باب

''زم زم'' پینے والوں نے جب جہادی جام پیے

”زم زم“ پینے والوں نے جب جہادی جام پیے

شیخ ابو عبد العزیز اور ان کی رفیقہ حیات کا مال اور جان سے جہاد

افغانستان کے جہاد میں محمد عربی ﷺ کے دیس کے باسیوں کی خدمات نا قابل فراموش اور سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔ افغانستان میں جتنی بھی جماعتوں نے جہاد میں عملاً حصہ لیا انہیں عربوں کا تعاون ضرور حاصل تھا...... مرکز الدعوۃ کے ساتھ بھی بہت سے عربوں نے تعاون کیا، مالی جہاد بھی کیا اور مرکز کے پرچم تلے عملی جہاد میں بھی حصہ لیا۔ ان بھائیوں میں سعودیہ کے شیخ ابو عبد الرحمٰن اور ان کے رفقاء کے نام بھی قابل ذکر ہیں...... تاہم جس شخصیت نے مرکز سے بھرپور تعاون کیا وہ شیخ ابو عبد العزیز ہیں کہ جو نہ صرف مرکز الدعوۃ کے بانی ارکان میں سے ہیں بلکہ مرکز میں ”جہاد العالمی“ کے امیر بھی ہیں۔

اسی طرح شیخ کے دوست اور دینی بھائی شیخ احمد سعد الغامدی کی خدمات بھی نا قابل فراموش ہیں کہ جو اس وقت مرکز سے وابستہ ہیں اور جن کی کوششوں سے اس وقت مرکز الدعوۃ والارشاد ایک عالمی ادارہ اور تحریک بن چکا ہے۔ شیخ ابو عبد العزیز جب بوسنیا سے یہاں آئے تو شیخ احمد سعد الغامدی کی تجاویز اور کوششوں سے مرکز طیبہ مرید کے میں اوائل جنوری ۱۹۹۳ء میں ایک خصوصی اجلاس ہوا، جس میں مرکز الدعوۃ والارشاد کو عالمی ادارہ بنانے کا فیصلہ ہوا کہ جس کے امیر پروفیسر حافظ محمد سعید ہی ہوں گے، جب کہ باقی اراکین میں شیخ

ابوعبد العزیز کو جہاد العالمی، جب کہ تعلیم و تربیت کے امور پروفیسر ظفر اقبال سلفی کو، شیخ احمد الغامدی کو شعبہ تجارت، سیف اللہ خالد کو رابطہ اور راقم کو نشر و تالیف کی ذمہ داریاں دی گئیں۔

مرکز کے لیے ایک پرچم کا بھی فیصلہ کیا گیا جس کا ڈیزائن اللہ کے رسول ﷺ کے جہادی پرچم کے مشابہ بنایا گیا۔

بوسنیا میں جب سربوں نے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور ساری دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی تو ان حالات میں شیخ ابو عبد العزیز ہی تھے کہ جو اپنے چار مجاہد ساتھیوں کے ہمراہ وہاں گئے اور چھ ماہ تک جہاد میں مصروف رہے۔ انہوں نے وہاں ''مسلم فورسز'' کے نام سے مجاہدین کی فوج تیار کی اور پھر اس فوج سے سرب صلیبی ہی نہیں بلکہ یورپ اور امریکہ بھی کانپنے لگا۔ چنانچہ سربیا والوں نے شیخ کے سر کی لاکھوں ڈالر قیمت لگائی اور ادھر بوسنیا کے اردگرد کی عیسائی ریاستوں میں کسی بھی باریش شخص خاص طور پر عربوں کے داخلے پر سختی کردی تاکہ یہاں مجاہدین نہ آنے پائیں...... بہر حال شیخ چھ ماہ تک وہاں ڈٹے رہے اور پھر وہ وہاں سے سیدھے پاکستان میں ہمارے پاس آئے ...... ان دنوں...... میں نے شیخ سے پوچھا کہ آپ نے افغانستان کے جہاد میں کب حصہ لینا شروع کیا اور مرکز سے آپ کا کب تعارف ہوا؟

انہوں نے کہا: ''میں پاکستان میں تو اکثر آتا جاتا رہتا تھا اور اپنے اہل توحید بھائیوں سے ملتا رہتا تھا، ان دنوں میں نے سنا کہ ذکی الرحمٰن اور ان کے رفقاء افغان جہاد میں حصہ لے رہے ہیں...... پھر حافظ محمد سعید صاحب اور ظفر اقبال صاحب سے ملاقات ہوئی تو جاجی میں کام شروع کیا اور اسی وقت سے میں مرکز کا ساتھی ہوں۔''

شیخ مجاہدین کے ساتھ جہاں مالی تعاون کرتے تھے وہاں وہ خود جہاد کے میدان میں معرکہ آراء بھی ہوتے تھے اور اس انداز سے کہ اپنے بچوں کو بھی وہ جہاد میں لے جاتے۔

ان کا بڑا بیٹا عبدالعزیز تو اکثر محاذ پر ہی رہتا تھا۔

جلال آباد کا معرکہ جب زوروں پر تھا تو شیخ کئی دفعہ یہاں بھی گئے۔ شیخ کے ہمراہ ان کی رفیقہ حیات بھی ہوتیں، وہ بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ وہاں جاتیں اور مورچے میں معرکہ آراء ہو کر کمیونسٹوں پر توپ کے گولے گراتیں۔ جلال آباد کے معرکے میں انہوں نے اپنا یہ کردار خوب ادا کیا۔

وہ جہاں عظیم مجاہدہ ہیں وہاں وہ ایک عالمہ اور فاضلہ خاتون بھی ہیں کہ جو جدہ میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ چلا رہی ہیں، جہاں سینکڑوں طالبات زیر تعلیم ہیں...... اب اس عظیم مجاہدہ کے دو خط ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں کہ جو انہوں نے اپنے بیٹے کو لکھے کہ جو دشمن کے خلاف میدان جہاد میں سینہ سپر تھا۔ یہ پر تاثیر اور ایمان افروز خطوط ملاحظہ کیجیے...... اور یہ بات ذہن میں رکھیے کہ سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا جیسی دلیر صحابیات کو اپنا اسوہ بنانے والی مائیں آج بھی موجود ہیں کہ جن کی غیرت ایمانی، دلاوری اور صبر و ثبات کے واقعات ہمارے لیے مثال اور نمونہ ہیں۔

قرون اولیٰ کی ایک ماں کا خط دور حاضر میں مجاہد بیٹے کا نام

میرے بیٹے عبدالعزیز! اللہ تمہاری حفاظت فرمائے......!

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: ''انسانوں میں سب سے افضل آدمی کون ہے؟ فرمایا: ''وہ مومن جو اپنی جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔''

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اللہ کے رستے میں ایک دن گزارنا دوسرے ایک ہزار دنوں سے بہتر ہے۔''

میرے بیٹے اس مقصد عظیم اور بے حساب اجر و ثواب کی خاطر میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتی ہوں...... میں صبر پر کاربند ہوں، صبر کروں گی، زندگی کے آخری سانس تک صبر کرتی چلی جاؤں گی، خواہ مجھے خون کے گھونٹ بھی پینا پڑیں، میں پھر بھی صبر ہی کروں گی۔ اگر چہ

تمہاری جدائی بہت تکلیف دہ ہے کیونکہ اولاد ہی والدین کا کل اثاثہ ہوتی ہے.....مگر جنت بھی آخر جنت ہے جو بہت بڑا انعام ہے، شہادت بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر جہاد کے بدلے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو اور کیا چاہیے۔

ملحدوں، کافروں اور اللہ کے نافرمانوں نے ہماری عصمتیں تاراج کیں، ہمارے دین اسلام کی عظمت اور ہمارے مال کی خاطر ہمیں ایذائیں پہنچائیں.....اور.....تم لوگ ہی اس ظلمت میں واحد امید کی کرن ہو۔ ہمیں بہر حال تادم فتح لڑنا ہے.....معرکے سر کرنے ہیں، صبر کا دامن تھام کر.....فتح اسلام تک، کلمۃ اللہ کے سر بلند ہونے تک، قربانیوں کے نذرانے دے کر حتیٰ کہ پوری زمین پر ایک اور صرف ایک اللہ کی عبادت ہونے لگے۔ شان وشوکت کے ساتھ، مکمل آزادی اور سکون واطمینان کے ساتھ.....اپنے گھروں سے بے دخل کیے گئے بے شمار لوگ اور اپنے مال ومتاع اور اولادوں سے محروم کیے گئے لوگ، اللہ رب العزت سے تمہارے لیے ثابت قدمی اور فتح ونصرت کی دعا کرتے ہیں۔

عبدالعزیز! سب ہی لوگ تو قبر کے عذاب سے نہیں بچیں گے، کبھی تو قبر کی گھٹن سے نہ بچ سکیں گے، یہ تو صرف مجاہدوں کا خاصا ہوگا کہ اس کی میٹھی نیند میں کوئی خلل نہیں پڑے گا..... ہاں! نیند..... اسے موت نہ کہو کیونکہ شہید تو مرتا ہی نہیں، وہ زندہ ہوتا ہے اور اللہ کے ہاں سے اسے باقاعدہ رزق پہنچتا ہے:

﴿ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ [آل عمران:۱۶۹]

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”اللہ کے راستے میں ایک دن اور ایک رات کا پہرا، ایک ماہ کے روزے اور قیام سے بہتر ہے اور اگر وہ مارا جائے تو اس کا وہ (نیک) عمل قیامت تک جاری رہے گا جو وہ کر رہا تھا اور اسے قبر کے فتنے سے بچا لیا جائے گا۔“

سبحان اللہ.....!! اے عبدالعزیز! اگر تیری نیت اللہ کے لیے خالص ہو جائے تو یہ تمام نعمتیں تیری منتظر ہیں۔ مجھے پورے یقین کے ساتھ امید ہے کہ تو ایسا ہی ہے۔ تیرا نام

عبدالعزیز ہے یعنی تو غالب قوت و قہار والے رب کا بندہ ہے۔ پس میری تمنا ہے کہ تو اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے ملحدوں، کافروں اور مشرکوں کے لیے قوی، جابر اور قاہر بن جا، مگر اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جا۔ میں تمہیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ایک خوشخبری سناتی ہوں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مرنے والے کا عمل اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے سوائے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے۔''

پس...... یاد رکھ کوئی دیکھنے والا تجھ میں عقیدہ وعمل کی کمزوری نہ تلاش کر سکے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تمہیں اور مجاہدین کو ہر خیر و فلاح اور جنت میں پہنچانے والے کاموں پر ثابت قدم رکھے۔

میرے لاڈلے عبد العزیز! جدہ کے رہنے والے تجھے سلام کہتے ہیں اور اللہ کے فضل کے ساتھ تیرے لیے فتح یابی اور ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ تو ایسا ہی ہو جیسے ہم تجھ سے امیدیں باندھے بیٹھے ہیں اور تیرا بھائی عبد اللہ دن رات یہ دعائیں کرتا ہے کہ وہ تیرے ساتھ افغانستان کے میدان جہاد میں ملاقات کرے۔ تو بھی اس کے لیے دعا کر کہ اللہ اس کی تمنا اور دعا کو قبول فرمائے۔ (آمین)

میرے بیٹے......! فتح و کامرانی کے ہتھیار تیری گردن کا ہار بنیں اور اللہ تجھ پر اپنی رحمت اور برکت نازل فرمائے۔

دوسرے خط میں پھر ملاقات ہو گی لیکن اصل ملاقات تو اللہ کے فضل اور رحمت سے جنت میں ہی ہو گی۔ ان شاء اللہ!

ام عبدالعزیز

ماں کا...... مجاہد بیٹے کے نام دوسرا خط

میرے بیٹے عبدالعزیز......! السلام علیکم!

انتظار کے بعد ملاقات کیا ہی خوب ہوتی ہے۔ خط ہی آدھی ملاقات ہے، اس ملاقات

کے ساتھ بھی کس قدر مسرت ہوتی ہے، دل مسرور ہوتا ہے اور مسلسل خوش ہوتے چلا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں تمہاری خوبصورت آنکھیں دیکھ رہی ہوں اور وہ مجھے اپنی طرف بلا رہی ہیں۔ اس طرح وقت ہے کہ گزرتا چلا جارہا ہے اور خواہش یہ کہ تم سے فوراً ملاقات ہو مگر جہاد جیسی پیاری مجبوریاں ہیں جو تمہیں آنے سے روکے ہوئے ہیں۔

پیارے بیٹے......! دل تو چاہتا ہے کہ زندگی تیرے ساتھ گزاروں۔ مجاہدین کے درمیان رہوں۔ عبدالعزیز میرا مخاطب! جہاں تو ہے وہاں تیرے جیسے دوسرے مجاہدین بھی ہیں، وہ بھی میرے بیٹے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ فرزندان توحید کا توحیدی رشتہ خون اور برادری کے رشتوں سے کہیں زیادہ مضبوط اور شیریں ہے۔

عبدالعزیز! ہم سب کو تجھ سے ملاقات کا بڑا شوق ہے مگر سوچتی ہوں کہ یہ ملاقات کہاں ہو اور کیسے ہو؟ زمین پر ہو یا آسمان پر ہو، مٹی اور پتھروں کی زمین پر یا زعفران اور عزت کی زمین پر۔ دنیاوی ملاقاتوں کے بعد ہمیشہ کی جدائی، جہنم کی نار ہے یا فردوس کی بہار ہے۔ لہٰذا ہم بہار فردوس کو پانے کے لیے تمام کانٹوں کو عبور کریں گے اور اپنے پیاروں سے ہمیشہ کی ملاقات کریں گے۔ ہمارے مالک الملک نے ہم سے دنیا کی مشکلات کے بعد آخرت کی حسین بہاروں کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''کیا تم بہتر کے بدلے ادنیٰ شے کو چاہتے ہو۔'' یعنی آخرت کی بجائے دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔

پیارے بیٹے! بہترین زندگی کے حصول کے لیے نیت کو اللہ کے ساتھ خالص کرلو۔ جب تم نے ایسا کرلیا تو تم ہی غالب رہو گے۔ دنیا میں فتح ونصرت تمہارے قدم چومے گی اور آخرت کی کامیابیاں بھی تمہارا مقدر رہوں گی۔ ان شاء اللہ!

بیٹے ابو العالیہ! سب مائیں اپنے بیٹوں سے محبت کرتی ہیں مگر کامیاب اور حقیقی محبت وہی ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہے جو چاہتی ہے کہ اس کے بیٹے کا چہرہ دین کے نور سے روشن

ہو، اس کا بیٹا آفاق میں گم رہے، اللہ کے ہاں اس کے درجات بلند ہوں اور یوں وہ ایک ایسا کامیاب انسان بن جائے کہ تمام نگاہیں اس کی جانب اٹھ جائیں۔ سب کی نظریں اسے بلند مقام اور احترام سے دیکھیں۔ دنیا سے جنت تک جتنے درمیانی مقامات اور درجات ہیں ہر مقام کا وہ آنے والے کل کی طرح منتظر رہے۔ ماں سوچے کہ کیسے یہ زمین میرے بیٹے کے لیے آخرت کے حصول کا سبب بنے گی؟ جو ماں اپنے بیٹے کے لیے یوں سوچے اور یوں عملی قدم اٹھائے وہی اپنے بیٹے سے حقیقی پیار کرنے والی ہے۔

بیٹا......! اب یہ جو راستہ ہے ہم اس کو اپنی پوری تمناؤں کے ساتھ کیسے پائیں، یہاں آکر دماغ سوچتا ہے، مشکلات دکھائی دیتی ہیں، یہاں کوئی جسم کی قوت کا ہر دم خیال کرتا ہے، ڈاکٹروں کے پھیرے لگاتا ہے، کوئی دنیاوی علوم اور اپنے کاروبار کی طرف دھیان کرتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہر کسی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیا کے حصول کے لیے کوئی سا بھی ذریعہ ہو، وہ اس کے بیٹے کا ہونا چاہیے۔ جب کہ بیٹے کے دین کی طرف کوئی خیال ہی نہ ہو تو یہ کس قدر خطرناک انداز ہے، خود ماں کے لیے بھی اور بیٹے کے لیے بھی۔

یہاں ایک وہ ماں بھی دکھلائی دیتی ہے کہ جس کی سوچ سطحی نہیں بلکہ گہری ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ اس کا بیٹا کہاں ہے؟ کن کے ساتھ ہے؟ اس کے اعمال کیسے ہیں اور یہ اپنے اعمال کے مطابق آخرت میں کن لوگوں کے ساتھ ہوگا؟ اے ابو العالیہ بیٹا! تیری کنیت ابو العالیہ ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ اللہ تیری قسمت تیری کنیت کے مطابق کرے، اللہ تجھے صدیقین کے ساتھ کرے، جنہوں نے اللہ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور انہوں نے اپنی جانوں کو جنت کے بدلے اللہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ بیٹا! میری نظر ایسی ہی روشن صبح پر لگی ہوئی ہے جس کا ہم سے ہمارے رب نے وعدہ فرما رکھا ہے اور وہ ہے ہمیشہ کے باغات، ابدی ملاقات، نہ ختم ہونے والی خوش بختی، انتہائی قلبی سکون، حسین وجمیل بیویاں، گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں اور میں تمہیں اللہ کے وہ وعدے یاد دلاتی ہوں جو

ہمارے مالک نے سورۂ رحمان میں کیے ہیں، وہ سورۃ کہ جسے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے قرآن کی دُلہن ''عروس القرآن'' کہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قرآن کی اس دُلہن کے چہرے سے نقاب اٹھایا جائے اور دید کا لطف اٹھایا جائے۔ سبحان اللہ! اے اللہ! تمام جہانوں کے پروردگار! سورۂ رحمان میں یہ عظیم الشان نعمتیں تو نے جن لوگوں کو دینے کا وعدہ فرمایا ہے ہمیں بھی ان لوگوں میں کردے اور میرے بیٹا! سن یہی وہ چیز ہے جس کی میں تیرے لیے اور میدان جہاد میں موجود تمام بیٹوں کے لیے خواہش کرتی ہوں۔ یہی وہ حاصل مقصود ہے جس میں سکون، اطمینان، عزت و رفعت اور ہمیشہ کی زندگی ہے اور یہی ہمیشہ کا کل میں تیرے لیے چاہتی ہوں۔ اس کے علاوہ اس سے بڑھ کر اور کون سی چیز ہے جس کو چاہا جائے؟ جس کے لیے خون پسینا بہایا جائے۔ لہٰذا ہمیں اسی مقام کی طرف دوڑ لگانا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ہمیں چاہئے کہ منکرات سے بچیں، اللہ کے راستے میں جہاد کریں اور راستے میں آنے والے مصائب پر صبر کریں۔

ہماری امیدیں صرف ایک اللہ سے وابستہ ہیں کہ وہ ہمیں عزت عطا فرمائے، ہم پر رحم فرمائے اور ہم سب سے ہمارا پروردگار راضی ہو جائے۔

پیارے بیٹا ......! تو ایسے راستے پر گامزن ہے جو معزز و مکرم اور ابدی حیات کی طرف لے جانے والا ہے۔ لہٰذا یہ سب کچھ سمجھتے ہوئے میں سوچتی ہوں کہ تمہیں کیسے آواز دوں کہ تو جہاد کے اعلیٰ راستے کو چھوڑ کر ادنیٰ راستے یعنی جہاد سے خالی میدان دنیا کی طرف لوٹ آئے۔ سوچتی ہوں میں خود بھی معرکۂ جہاد میں جلد پہنچوں، تمہارے پاس چلی آؤں پھر تم میری ہمت بندھاؤ اور میں اللہ کے راستے میں تیرا اس حد تک ساتھ دوں جتنی اللہ نے مجھے ہمت دے رکھی ہے۔

ابو العالیہ! میں اللہ کے راستے میں جہاد کو بہت پسند کرتی ہوں، اسی لیے میں نے جونہی صدائے جہاد سنی تجھے وہاں روانہ کردیا۔ میری اپنی سوچ یہاں تک تبدیل ہو چکی ہے کہ میرا

پورا جسم جہاد کے لیے کپکپا رہا ہے ۔ میری نگاہیں تم مجاہدین کے علاوہ کسی کا تصور نہیں رکھتیں۔ میں تم سب مجاہد بیٹوں سے بے حد پیار کرتی ہوں۔ میں تجھ سے یہ بھی امید رکھتی ہوں کہ تو جن جن مجاہدین کے ساتھ ہے ان تک میرا اسلام پہنچائے گا۔ میرا دل ہمیشہ تمہاری نصرت کے لیے دعا مانگتا ہے، اللہ کے دین کے لیے اور لا الہ الا اللہ کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔لہذا تم دشمنوں سے مت ڈرو اور فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب ؓ کا یہ فرمان یاد رکھو:

”میں لوگوں کے رب سے ڈر گیا اور اللہ نے تمام لوگوں کو مجھ سے ڈرا دیا۔“

صحابہ اور تابعین کے زمانے میں ایرانی آتش پرست مسلمانوں سے لڑائی کرتے ہوئے گھبراتے اور کانپتے اور اپنے سرداروں کو کہتے تھے: ”ایسے لوگوں سے ہمیں بچاؤ اور ان سے لڑائی کرنے سے گریز کرو کہ اگر وہ چاہیں کہ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردیں تو وہ کردیتے ہیں۔“

آخر کیوں؟ کثرت کی وجہ سے؟ اسلحہ کی زیادتی کی وجہ سے؟نہیں بلکہ وہ ڈرتے تھے مسلمانوں کی قوت ایمانی سے اور مسلمان بھاری اور وزنی تھے اس عقیدے کے ساتھ کہ جو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے سوا کس کی عبادت کی جائے۔ چنانچہ عقیدہ صاف ستھرا اور توحید والا ہوگا تو اللہ تمہارے لیے ایسے لشکر (فرشتے) بھیجے گا جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ تم سب کا اس نصرت پر ایمان ہونا چاہیے۔

میری یہ نصیحت ہے کہ تم موت کی خواہش اس حد تک نہ رکھو کہ آرزوئے شہادت میں اپنے آپ کو کفار کے ہاتھوں بھنوا ڈالو، یوں موت کو جلدی حاصل کرنے کی کوشش مت کرو۔ عمر لکھی ہوئی ہے اور وقت محدود ہے۔لہذا کوئی ضرورت نہیں کہ تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کرو، اس نیت سے کہ جلد شہادت ملے۔ہم تو جہاد کو جاری رکھنے کی وجہ سے اپنے مجاہدوں کی حفاظت چاہتے ہیں۔دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کی عزت کی بقاء کی خاطر مجاہدین کو محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ مجاہد کہ جو اس مقصد کے لیے

کافر کو قتل کرتا ہے اس مجاہد کے قریب بھی آگ نہیں بھٹکتی اور جب اس کے قتل کیے ہوئے کافروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو اس کے مطابق جنت میں مجاہد کے درجے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ہم ایسا ہی طرز عمل اپنے مجاہدوں سے چاہتے ہیں تا کہ جہاد کی تصویر دھندلی نہ پڑ جائے۔ جب کہ اللہ کے دشمن ہمارا برا وقت تلاش کر رہے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ لہٰذا اے مجاہدو! اے میرے بیٹو! اپنا احتساب کرو اور ثابت قدم ہو جاؤ۔

ابو العالیہ! میرے پیارے بیٹا اس سے پہلے میرے ایک خط کے جواب میں تو نے یہ شعر لکھے تھے۔

نہ رو نہ غم کر اے شہید کی ماں!
تیرے بیٹے وہ مجاہد ہیں
کامرانی جن کا مقدر ٹھہرا ہے

تو نے سچ لکھا، ہم سب اس پر خوش ہیں، تیرا باپ عنقریب تمہارے پاس پہنچے گا تا کہ تم مجاہدین کے احوال کو دیکھ کر مطمئن ہو جائے۔ تم میں ہر مجاہد کو ہم اپنا بیٹا اور اپنے جگر کا ٹکڑا خیال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تیرے چھوٹے بھائیوں کے دل بھی تمہاری محبت سے بھرے ہوئے ہیں اور وہ ہمیشہ اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ تمہیں اخلاص اور فتح سے ہمکنار فرمائے۔

ابو العالیہ! میں امید رکھتی ہوں کہ تو اور تیرے دوسرے مجاہد بھائی سب اس بات سے آگاہ ہوں کہ بیٹا ماں سے کچھ مانگتے ہوئے شرماتا نہیں اور ماں باپ سے بھی کہیں زیادہ اپنے بچوں کے قریب ہوتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تیرے سب مجاہد بھائی مجھے اپنی ماں سمجھیں اور وہ مجھ سے جو چاہیں طلب کریں اور اللہ تمہاری جہاد کے راستے میں مدد فرمائے۔

پیارے بیٹا! تو نے مجھ سے کہا کہ ''نہ رو اور نہ غمگین ہو'' کون ہے جو روتا ہے اور غم

کرتا ہے؟ ایسا وہ کرتا ہے جس سے خیر اور بھلائی روٹھ جائے۔

اگر لوگ حقیقت جان لیں تو پھر بھلا کون روتا ہے؟ جب پیارے گناہ اور معصیت کی زندگی میں رخصت ہو جائیں تو پھر تو رونا چاہیے اور جو کفر پر اور جہالت پر مرے وہ تو واقعی مستحق ہے کہ اس کو رویا جائے، غم کیا جائے، کیوں؟ اس لیے کہ وہ منزل کو نہیں پہنچا۔ وہ مقصد نہیں پا سکتا اور وہ ایسا مفلس ہے کہ اس کے پاس سفرِ آخرت کا کوئی خرچ نہیں۔ اس نے اپنی قبر کر پر رونق نہیں بنایا، وہ قبر کہ جو اس کا انتظار کر رہی ہے، اس نے نیک اعمال کے ساتھ قبر کو وسیع نہیں کیا۔ اس نے اپنے لیے محلات تعمیر نہیں کیے جن میں اسے کل کو رہنا ہے۔لہٰذا ایسے شخص پر، ایسے بیٹے پر، ماں کو رونا چاہیے اور خوب غم کرنا چاہیے کہ یہ ڈھیرا سارا اور ہمیشہ کا نقصان ہے کہ جس کی تلافی ناممکن ہے۔ یہ وہ خسارہ ہے کہ جو موت کے بعد اسے مل کر رہے گا۔ چنانچہ ایسے بیٹے پر ماں روئے۔ کیونکہ اب ماں بیٹے سے نہیں مل سکتی کے گاڑی سٹیشن سے جا چکی اور وہ ماں کے سامنے سرپٹ بھاگے چلے جا رہی ہے۔ اب تو وہاں ہی ملاقات ہوگی، ملامت کی ملاقات جو کہ اس فانی دنیا میں ضائع کر بیٹھا۔ وہ ایسے کاموں اور برے اعمال میں مشغول رہ کر اس دنیا کا قیدی بن گیا جنہوں نے اسے جہنم کا قیدی بنا ڈالا۔ چنانچہ افسوس ہے اس پر جو برے اعمال آگے بھیجے۔ دنیا کی زندگی کے قیمتی وقت کو ضائع کر بیٹھے۔اس پر ماں کو غم کرنا ہی چاہیے کہ جس کے لیے اسلام کی تربیت نہیں تھی، مجاہدانہ نہ تھی اور وہ غبار بن کر ہوا میں اڑ گئی اور دونوں کے لیے وبال جان بن گئی۔

اب جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو بھلا تیرے بارے اے ابو العالیہ! میں کیوں روؤں گی اور غمناک ہوؤں گی۔موت تو سفر کی طرح ہے اور اس کے بعد ملاقات ہے اور اگر میں روئی اور غم ناک ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قضاء وقدر پر ایمان کامل نہیں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ صبر کے بغیر چارہ نہیں۔کوئی بیمار ہو کر دنیا چھوڑ جائے یا تندرست ہو کر، جلد چھوڑے یا بدیر، بہر حال اس دنیا سے جا کر رہنا ہے تو پھر کیوں نہ اس طرح جانے کی کوشش

کی جائے جو ہمارے مالک کو محبوب ہو۔ میرے بیٹے! میں تیرے جسم سے بے شک عارضی طور پر محروم ہو جاؤں مگر چاہتی یہ ہوں کہ تیری روح سے محروم نہ ہو جاؤں۔ میں اس بات کی بحمد اللہ ہمت رکھتی ہوں کہ تو مجھ سے دنیا میں غائب ہو جائے مگر اس امید پر کہ تو رحمان کے عرش کے نیچے موجود ہو، فردوس بریں کے اعلیٰ مقام میں تیرا مکان ہو۔ اللہ کے کرم سے جب ایسا ہو تو میرے لیے روا نہیں ہے کہ میں روؤں اور رونے کے ڈر سے تجھے جہاد سے واپس بلا لوں۔

میرے بیٹا! چاہتی ہوں کہ جب تو میدان جہاد سے میرے پاس آئے تو اپنے جسم سے پہلے اپنے دل کے ساتھ آئے، اس حال میں کہ تیرے پہلو میں شہادت موجود ہو۔

بیٹا! کیا ہے دنیا کی عزت؟ جب کہ ہمارا دین زخمی ہو اور کیا ہے ہمارا باقی رہنا؟ جب کہ اللہ کا دین دکھائی نہ دے۔ ہاں تو میں روؤں گی خوشی کے آنسو لے کر جب تم اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤ گے اور دل غمگین نہیں ہوگا (ان شاء اللہ) اس کی آباد کاری کا کام ایمان کرے گا، وہ ایمان کہ جو غم سے آشنا نہیں۔

بیٹا عبد العزیز! میں نے بہت لمبی بات کر دی مگر اپنے پیاروں سے بات چیت تھکاوٹ سے ناواقف ہوتی ہے۔ اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

ام عبد العزیز

شہادت سے قبل مراکش کے ایک مجاہد کا خط ...... ماں کے نام

ماں کے نام شہید بیٹے کا یہ ایمان افروز خط مراکش کے ایک نوجوان کا ہے جس کا نام ابو الطیب المغربی ہے۔ اس نے ابتدائی تعلیم مراکش میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے امریکہ چلا گیا۔ وہاں اعلیٰ تعلیم کی کئی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس دوران افغانستان میں کفر و اسلام کے معرکہ کی خبریں اس نے سنیں تو اچانک اس کے دل میں ایمان کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ ایمان اسے کھینچ کر افغانستان کے کوہساروں میں لے گیا۔ رب ذوالجلال کے دربار

سے آخری اور دائمی سند لینے کے لیے وہ کئی سال تک جہاد کرتا رہا اور آخر کار اپنے رب کے راستے میں شہید ہو گیا۔اس کے جذبۂ ایمان اور جذبۂ جہاد کا لطف ہمارے نوجوان اس عظیم مجاہد کے خط سے اٹھائیں۔

میری پیاری امی اور اہل خانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محفل آخرت کی فکر میں اور اس دن کے خوف سے جس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے، میں اپنے ایمان اور دین کو لے کر کفر اور کفار کی سرزمین سے اسلام اور مجاہدین کے وطن کی طرف بھاگ نکلا۔ وہاں امریکہ کی پرنعمت زندگی سے افغانستان کی پرصعوبت زندگی کی طرف دوڑ کھڑا ہوا۔ میں نے اجنبیت کے جام کو ہونٹوں کے ساتھ اس لیے لگایا کہ شاید اس طریقے سے میرا پروردگار مجھ سے خوش ہو جائے اور وہ اس کے بدلے مجھے ہمیشگی کے باغات میں اپنی محبت اور قرب کے جام پلا دے۔

پیاری ماں! مجھے معلوم ہے کہ تو میری جدائی پر کس قدر غمناک ہے اور مزید غمناک اس وقت ہوگی جب تیری دنیاوی امیدیں پارہ پارہ ہو جائیں گی اور میرے مستقبل کے بارے میں تیری تمناؤں کے محل زمین بوس ہو جائیں گے۔ وہ تمنائیں جنہیں تو نے امریکہ میں میری پڑھائی کے دوران قائم کر لیا تھا، جب تجھے میری شہادت کی خبر پہنچے گی......میری جان سے پیاری ماں! ذرا ٹھہر، نہ مجھ پر زیادتی کر اور نہ اپنی جان پر اور نہ مجھے حسرت و یاس کی آگ بنا کہ جو ہر لمحہ تیرے دل کو جھلساتی رہے۔ بلکہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ میرے اوپر اللہ کا فضل ہوا اور تجھ پر اللہ کا کرم اور مہربانی ہوئی کہ اس خالق نے تجھے میری ماں بنایا اور مجھ کو تیرا بیٹا بنایا اور پھر ہمارے درمیان محبت و الفت ڈال دی۔ ان ساری نعمتوں کے ساتھ ساتھ جن کا شمار نا ممکن ہے، اس کی سب سے بڑی نعمت اور فضل یہ ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کا راستہ دکھلایا اور یہ نعمت سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ ایک اور بات یاد دلاتا

جاؤں کہ اے میری ماں! اللہ تعالٰی نے مجھے اولاد کی صورت میں تیری گود میں دیا اور اب وہی مجھ کو تجھ سے واپس لے رہا ہے اور اس میں نہ کچھ میرے اختیار میں ہے، نہ آپ کے۔

امی جان! میں امریکہ اس لیے گیا تھا کہ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے سند فراغت کے ساتھ واپس لوٹوں، تجھے اور اپنے تمام خاندان کو سہانے مستقبل کی خوشخبری دوں، مگر جب میں نے جہاد کی خبریں سنیں تو شوق شہادت نے دنیا کے تمام تر حصار توڑ کر ہر طرف سے مجھے گھیر لیا۔ پھر جب میں ہر طرف سے گھر گیا تو میں نے سوچا، فیصلہ کیا اور آخر کار میں نے تیرے لیے آخرت اور اس کی دائمی راحتوں کو منتخب کر لیا۔

اے میری پیاری ماں......!

اگر میں دنیا اور اس کی زینت سے جتنا مال و دولت بھی تیرے لیے حاصل کر لیتا وہ آخرت کے مقابلے میں بہر حال کچھ نہ ہوتا، کیونکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسے ہے جیسے ایک مسافر سایہ دار درخت کے نیچے چند لمحے آرام کرے اور پھر اسے چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف چل دے۔ تبھی تو میں نے اے میری ماں! تیرے لیے مہربان پروردگار کے جوار رحمت میں ہمیشہ کی زندگی اور دائمی نعمتوں کو منتخب کر لیا ہے۔ لہٰذا میری عدم موجودگی میں گھبرانا نہیں، اگر چہ وہ جتنی بھی طویل ہو جائے۔ آخر یہ چند سالوں سے طویل نہیں ہو گی اور جب ماں بیٹے کی ملاقات ہو گی تو یہ دوریاں اور غم سب بھول جائیں گے۔ تو مجھے اللہ کے ہاں عنقریب خوش و خرم پائے گی (ان شاء اللہ) اور میں تیری شفاعت کرنے کا انتظار کر رہا ہوں گا جس کا اللہ نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ تو میں تیرا اور افراد خانہ کا ہاتھ پکڑ لوں گا اور ہم سب ان باغات میں داخل ہو جائیں گے جن باغات کا پرہیز گار اور نیک لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے، ایسے باغات کہ ان میں ہر وہ چیز میسر ہو گی جس کو دل چاہے گا اور جس سے نگاہیں لذت حاصل کریں گی اور ہم ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان شاء اللہ!

میری پیاری ماں......!

جب میں امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، وہاں رہائش پذیر تھا تو اس وقت بھی میں تجھ سے جدا تھا مگر اسے تو نے خندہ پیشانی سے اس لیے برداشت کیا کہ میں اعلیٰ اسناد حاصل کروں گا مگر جو حق کے راستے کی سند ہے وہ نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام سندوں سے اعلیٰ ہے بلکہ وہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے افضل ہے۔ لہٰذا اس افضل سند کے ملنے پر مجھے کہیں زیادہ خوش ہونا چاہیے اور یہ دنیا کی عارضی جدائی جب ختم ہوگی اور تو مجھ سے ملے گی تو میں زیادہ خوبصورت اور اچھے تحفے لے کر ملوں گا اور وہ ہے ''تحفۂ شفاعت'' جس کا اللہ نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ یہ ربانی تحفہ ہے جو دنیا و آخرت میں عزت و شرف کا ضامن ہے۔ لہٰذا تو اس کے ساتھ خوش ہو جا اور جان لے کہ اللہ کو تجھ سے محبت ہے، تبھی تو اس نے تیرے بیٹے کو قبول کیا۔ لہٰذا تو اس مالک کا شکر ادا کر اور میرے بارے میں غم نہ کر۔ میں مردہ نہیں ہوں بلکہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے جو کچھ عطا کیا ہے اس سے خوش ہوں اور پیاری ماں! تو تعزیت کرنے والوں کو کہہ دے کہ میرے بیٹے پر مجھے مت رلاؤ بلکہ مبارک باد دو۔ کیونکہ یہ وہ شرف ہے جسے صحابیات رسول حاصل کرنے کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہمارے سامنے موجود ہے، جس نے ایک دن میں اپنے چار جگر کے ٹکڑے اللہ کے راستے میں قربان کر دیے۔ اے میری ماں! یہ عظیم اور جلیل القدر صحابیہ اور اس کا دلیرانہ اور ایمان افروز طرز عمل تیرے لیے نمونہ ہے۔

میری پیاری ماں! ایک لمحے کے لیے ہم سب تصور کر لیتے ہیں کہ میں نے اپنی تعلیم امریکہ میں پوری کر لی۔ سند حاصل کرنے کے بعد ملازمت بھی مل گئی، کار مل گئی، خوبصورت محلات مل گئے، پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بعد موت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے جس میں سب لوگ آخر داخل ہو کر رہیں گے، تو اس کے لیے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟

چنانچہ میں نے تو اے پیاری امی! آخرت کو پسند کر لیا ہے۔ اپنے رب کے پاس شہید ہو کر جا رہا ہوں (ان شاء اللہ) تمہارا اور تمام گھروں والوں کا جنت کے دروازے پر منتظر

ہوں اور میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میری اس امید کو پورا کرے اور ہم سب کو جنت میں اکٹھا کرے۔

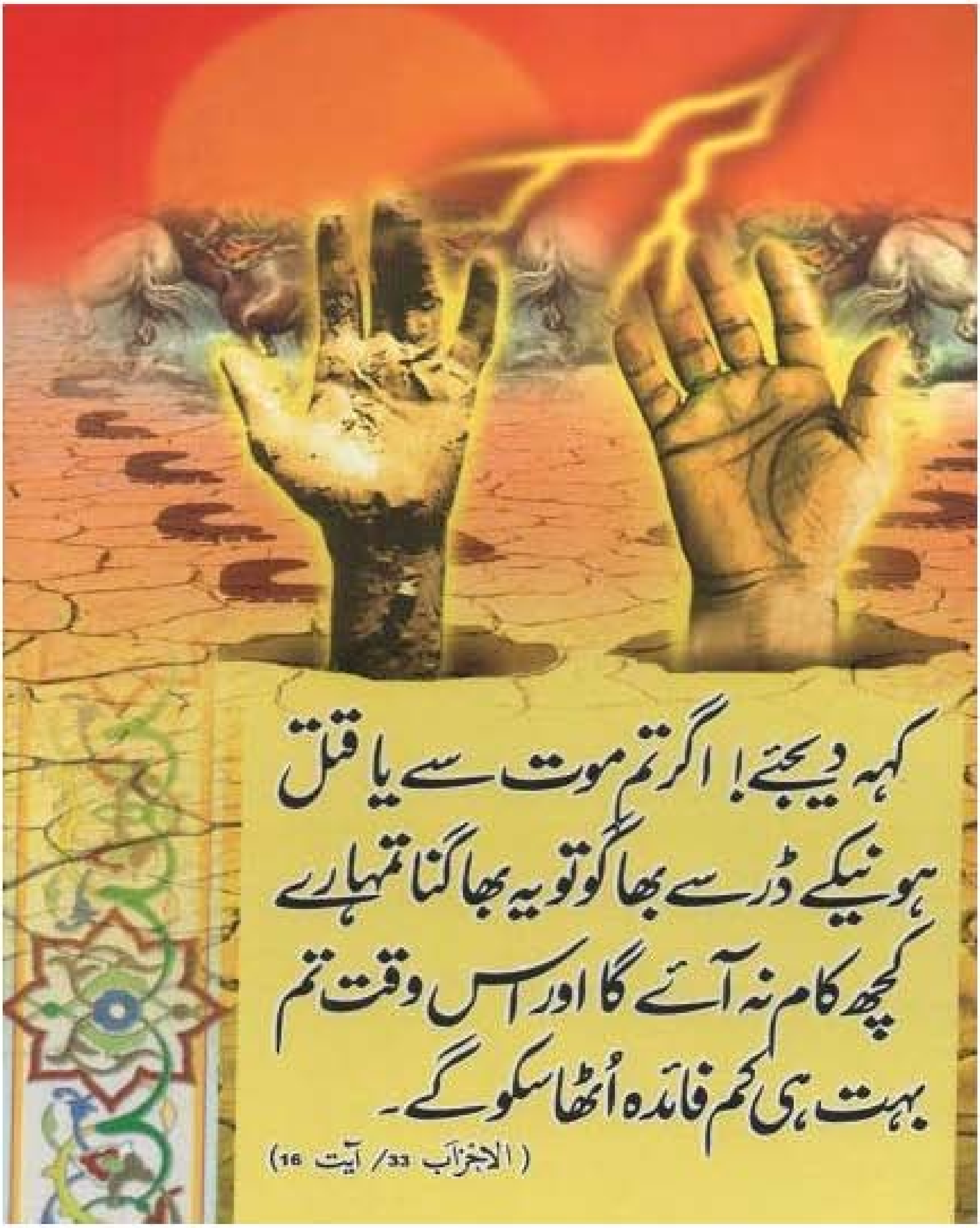
محترم ابا جان......!

جو باتیں میں نے اپنی امی کی خدمت میں عرض کی ہیں وہی باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ میری جدائی پر صبر کے دامن کو تھامے رکھنا۔

میری پیاری بہن راضیہ! میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے اور مجھے اپنی جنت میں داخل فرمائے۔ مجھ پر گریہ وزاری نہ کرنا بلکہ خوشی و مسرت کا اظہار کر۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا بیٹا۔ ابو الطیب المغربی


کہہ دیجئے! اگر تم موت سے یا قتل
ہونیکے ڈر سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے
کچھ کام نہ آئے گا اور اس وقت تم
بہت ہی کم فائدہ اُٹھا سکو گے۔
(الاحزاب 33/ آیت 16)

چھٹا باب

جان کے بدلے جنت کے خریدار

جان کے بدلے جنت کے خریدار

مرکز الدعوۃ والارشاد نے جہاد کا وہ عملی سفر جو ''جاجی'' کی پہاڑیوں سے شروع کیا، اس سفر میں ان مجاہدوں کی داستانیں ملاحظہ کیجیے کہ جو اپنے رب سے.....اپنی جانوں کے بدلے جنت کی تجارت کرنے ان چوٹیوں پر آئے اور پھر راہ شہادت کے راہی بن گئے۔ (ان شاء اللہ)

عبدالرؤف کا سفر شہادت

محمود جو کہ عبدالرؤف کا ساتھی تھا اس نے بتلایا کہ ہم ۱۴ اگست ۹۱ء کو جاجی سے یغدلغ کے لیے روانہ ہوئے۔ جیپ کے ذریعے یہ نو گھنٹوں کا سفر ہے۔ سڑک کے اردگرد شاداب پہاڑ، باغات کی بہتات اور ٹھنڈے اور میٹھے چشموں کی بھرمار نے تھکاوٹ کو قریب بھی نہیں آنے دیا۔ باغات میں سیب، اخروٹ بادام، انار، انگور اور خوبانیوں سے درخت لدے اور جھکے ہوئے ہمارے منہ سے پانی ٹپکا رہے تھے اور ہمارا بھی جب جی چاہتا ہم جیپ کھڑی کر کے انواع واقسام کے پھل کھاتے، چشموں کا پانی پیتے اور آگے کو روانہ ہو جاتے۔ راستہ میں ایک جگہ پکتیا کے مشہور کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی کے مرکز پر بھی کچھ دیر ٹھہرے، عصر کی نماز ادا کی اور پھر شام کے قریب عربی مجاہدین کے مرکز یغدلغ گئے۔

یغدلغ تحصیل سروبی کا قصبہ ہے اور سروبی صوبہ کابل کی تحصیل ہے۔ یہ انتہائی خوبصورت قصبہ باغات اور چشموں میں گھرا ہوا ہے۔ یہاں سے کابل شہر دو گھنٹے کی پیدل مسافت پر

ہے جب کہ شہر کی پہاڑیوں پر دشمن کے مورچے یہاں سے سامنے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ محمود کہتا ہے ہم نے اس قصبے میں دس روز قیام کیا۔ یہاں پر توپوں کے گولوں، میزائلوں اور ہوائی جہازوں کی بمباری معمول کی بات ہے۔ ایک روز شدید بمباری ہوئی، میں بمباری میں کبھی نہیں بھاگا۔ اس روز میں اچانک بھاگ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ اب جونہی میں اوٹ میں ہوا تو عین اس جگہ پر بم گرا جہاں سے میں بھاگا تھا اور وہاں کئی فٹ لمبا، چوڑا اور بہت بڑا گڑھا پڑ گیا۔ اسی طرح ایک روز یہاں ہمارے مرکز سے کچھ فاصلے پر افغانیوں کے خیمہ نما مرکز پر سکڈ میزائل گرا۔ وہ جونہی پھٹا تو تین افغانی شہید ہو گئے، آٹھ زخمی ہو گئے اور نو گھوڑوں کے پرخچے اڑ گئے اور مزید تباہی یہ ہوئی کہ پاس ہی افغانستان کی عبوری حکومت کے وزیر اعظم پروفیسر عبد ارب الرسول سیاف کی جماعت اتحاد اسلامی کے دو ٹرک اسلحے سے لدے ہوئے کھڑے تھے، ان میں آگ لگ گئی۔ اسلحہ پھٹنا اور چلنا شروع ہو گیا اور یہ ایک وقت میں کئی کئی دھماکوں سے پھٹ رہا تھا۔ ان کی آواز کانوں کو پھاڑے چلی جا رہی تھی اور مجاہدین کے کان تو ان آوازوں کے عادی ہو گئے تھے۔ بہر حال یہ سلسلہ رات گئے تک یونہی جاری رہا۔

میدان جنگ کی جانب

یہاں یغدلغ میں دس روز ٹھہرنے کے بعد عبد الرؤف کا نام حملہ آور دستے میں شامل کر لیا گیا اور وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تریالی اور تریالی سے محاذ جنگ سینگی پر روانہ ہو گیا۔

ایک ماہ بعد عبد الرؤف کو واپس تریالی روانہ کر دیا گیا اور دوسرے تازہ دم دستے کو سینگی روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس تازہ دم دستے میں مجھے بھی شامل کر لیا۔ یہ چار گھنٹوں کا پیدل سفر طے کر کے یغدلغ سے تریالی پہنچا، ادھر عبد الرؤف بھی تریالی پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ہم دو تین روز اکٹھے رہے۔

عبدالرؤف کا ایمان افروز واقعہ

ایک دن یہاں عبدالرؤف خیمے میں بیٹھے احادیث رسول ﷺ کے مطالعہ میں مگن تھا۔ میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور کہا کہ میں نے علامہ یوسف القرضاوی مصری کی کتاب پڑھی ہے، اس میں اس نے بعض احادیث سے ثابت کیا ہے کہ بغیر موسیقی کے گانا جائز ہے، تو میں تمہیں گانا سناؤں؟

میری یہ بات سنتے ہی عبدالرؤف کہنے لگا کہ بھائی مجھے گمراہ مت کرو میں تو اہل حدیث ہوں اور جانتے ہو اہل حدیث کسے کہتے ہیں؟ اہل حدیث اسے کہتے ہیں جو صحیح حدیث پر عمل کرے اور ایسی تاویل کی ہوئی باتوں کے قریب بھی نہ بھٹکے......عبدالرؤف یہ جواب دینے کے بعد پھر حدیث کی کتاب ''ریاض الصالحین'' کے مطالعہ میں مصروف ہوگیا۔ جہاد کی فضیلت اور شہادت کی حدت کے بارے گفتگو کرنے لگا...... مجھے کیا معلوم تھا کہ میرا ساتھی جو دنیا کی لغو موسیقی سے اتنی نفرت کر رہا ہے وہ جلد ہی جنت کی موسیقی سے لطف اندوز ہونے والا ہے، جس کی خوشخبری اللہ کے رسول ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے:

''جنت میں موٹی آنکھوں اور گورے رنگ والی خوبصورت دوشیزاؤں کی محفل منعقد ہو گی جس میں وہ ایسی سریلی آوازوں کے ساتھ نغمہ سرا ہوں گی، جنہیں تمام مخلوق نے کبھی نہ سنا ہو۔ وہ کہیں گی۔

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيْدُ
وَ نَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ
وَ نَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ
طُوْبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَ كُنَّا لَهُ

☆ ہم ہمیشہ رہنے والیاں کبھی ہلاک نہ ہوں گی۔

☆ ہم نازک اندام رانیاں کبھی مشقت میں نہ ہوں گی۔

☆ ہم خوش خوش رہنے والیاں کبھی ناراض نہ ہوں گی۔

☆ فرحت ہے اس کے لیے جو ہے ہمارے لیے اور ہم ہیں اس کے لیے۔“

[ترمذی، کتاب صفة الجنة: ٢٠٦٤]

شوق شہادت

یہاں ترپالی میں عبدالرؤف مجھے کہنے لگا کہ پورا ایک ماہ محاذ پر رہا ہوں مگر آمنے سامنے ہوکر بھرپور طریقے سے حملے کی نوبت نہیں آئی اور اب جو ایک دو دن کے بعد بھرپور حملہ ہونے والا ہے تو امیر صاحب نے مجھے واپس بھیج دیا ہے جب کہ میرا دل واپس جانے کو نہیں چاہ رہا، لہٰذا آؤ اور امیر صاحب سے حملے میں میری شمولیت کی سفارش کرو۔

چنانچہ دونوں امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے مدعا بیان کیا اور عبدالرؤف کے جذبے کو دیکھ کر امیر صاحب نے اجازت دے دی..... امیر صاحب کا نام عبدالخالق ہے۔ ان کے آباؤ اجداد چینی ہیں اور اب یہ سعودیہ میں آباد ہیں۔ چنانچہ امیر صاحب عبدالرؤف اور دیگر مجاہدین کے ہمراہ ینگی کو روانہ ہو گئے اور مجھے بی۔ایم مرکز کی طرف جانے کا حکم ہوا۔ بی۔ایم مرکز یہاں سے تقریباً چار گھنٹے کی پیدل مسافت پر واقع ہے۔

دوسرے دن حملے کا باقاعدہ آغاز ہوگیا، ہم نے (بی۔ایم) توپ سے گولے برسانا شروع کردیے۔ ایک دن میں ہم نے دو سے زائد گولے پھینکے۔ ادھر ہمارے ساتھیوں نے پروگرام کے مطابق پیش قدمی شروع کردی۔ عبدالرؤف حاجی سے راکٹ لانچر لے کر آیا تھا مگر یہاں کلاشنکوف حاصل کر لی تھی۔ ہمارے ساتھی مجاہدین اتنی بے جگری سے لڑے کہ اللہ کی توفیق سے دوسرے روز ہی انہوں نے دشمن کی اگلی چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ چوتھے روز میں بی۔ایم کے پاس بیٹھا کھانا کھا رہا تھا کہ ایک افغانی مجاہد عبدالمتین نے مجھے اطلاع دی کہ تمہارا پاکستانی دوست عبدالرؤف شہید ہوگیا ہے۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

عبد الرؤف کیسے شہید ہوا؟

ایک افغانی مجاہد باچا خان کہہ رہا تھا ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہے کہ وہ اس قدر بہادر تھا۔ اسماعیل کہنے لگا: ”جب ہم نے اگلی چوکیوں کو فتح کر لیا تو ہم سے ایک ساتھی فتح کی ہوئی چوکیوں پر جا کر دشمن پر کلاشنکوف کی چند میگزینیں خالی کر کے آیا۔ اس نے جب آ کر یہ بات بتلائی تو عبدالرؤف کہنے لگا کہ دشمن پر ساری میگزینیں تو خالی کر کے آتا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں اور پھر اکیلا اٹھا اور اس مجاہد سے بھی آگے جا کر اپنی چاروں میگزینیں خالی کر کے واپس لوٹا۔“ یاد رہے ایک میگزین میں تیس گولیاں ہوتی ہیں۔ عبدالرؤف اور اس کے ساتھی شہادت کی تلاش میں اللہ کے دشمنوں پر فتح حاصل کرتے ہوئے سروبی شہر تک پہنچ گئے۔ یہاں کچھ دیر سستانے کے بعد چند ساتھیوں نے فتح کی ہوئی چوکیوں سے آگے جا کر حملہ کرنے کی متوقع جگہ اور دشمن کے علاقے کا جائزہ لینے کا ارادہ کیا۔ کابل روڈ کو دیکھنا بھی ان کے پروگرام میں شامل تھا۔

چند مجاہد ساتھی آگے آگے جا رہے تھے، ان سے کچھ فاصلے پر ایک عرب مجاہد ابو ریحان جا رہا تھا۔ ابو ریحان کہتے ہیں کہ کابل کی جانب سے ہاون (توپ) کا ایک گولہ آیا اور سیدھا عبد الرؤف کے سینے پر لگا۔ عبد الرؤف کے مقدس خون کے چھینٹے اور گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا میرے کپڑوں پر آ کر لگا۔ اس وقت ہم دریائے کابل کے کنارے ایک پہاڑی پگڈنڈی پر سفر کر رہے تھے۔ عبد الرؤف جو کلاشنکوف گلے میں حمائل کیے ہوئے میرے آگے آگے جا رہا تھا، میری نگاہوں نے اسے اب دریائے کابل کی لہروں پر تیرتے اور جھولتے دیکھا۔ یوں ڈھلتی ہیں خطائیں شہیدوں کی ...... دریائے کابل کی صاف شفاف موجیں ہمیں یہ بات بتلا گئی ہیں ...... اب عبد الرؤف دکھائی تو نہیں دے رہا تھا مگر دیکھنے سے بھی زیادہ ہمیں یقین ہے، مخبر صادق محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک زبان پر کہ جنہوں نے ہم کو بتلایا:

”ابھی شہید کے خون سے زمین خشک نہیں ہوتی کہ اس کی دو بیویاں والہانہ

دوڑتی چلی آتی ہیں، ان دو اونٹنیوں کی طرح جو ویران اور چٹیل میدان میں اپنے شیر خوار بچوں کی طرف دوڑتی ہیں، جو ان سے گم ہو گئے ہوں ۔ ان دونوں حوروں میں سے ایک کے ہاتھ میں ایسا لباس ہوتا ہے جو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے۔''

[كتاب الجهاد، از عبد الله مبارك]

نذیر ابو بکر

ابو ہجرت کہتے ہیں کہ ہم تین ساتھی خیوہ گئے تھے۔ وہاں دو دن قیام کے بعد ہم جلال آباد کے محاذ پر گمری کے مورچوں پر گئے ۔وہاں مورچے میں سب ساتھیوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ بہاول پور سے میرا تعلق ہے ، میں سب سے پہلے جاجی گیا، جلال آباد۔ اس سے قبل بھی آ چکا ہوں۔ اب دوسری بار آیا ہوں......بس دل یہ چاہتا ہے کہ یہاں رہ کر جہاد ہی کرتا رہوں۔ ہمارا امیر نورستانی تھا، جس کا نام علی ہے۔ایک دن نذیر ان سے کہنے لگا کہ مجھے اجازت دو، میں اکیلا ہی دشمن کے مورچے میں راکٹ پھینک کر آتا ہوں۔ امیر نے اجازت نہ دی۔ دوسرے دن پھر اصرار کرنے لگا تو ہمارا امیر بھی نذیر کے ساتھ گیا اور دونوں ہاون کے گولوں اور میزائلوں کی بارش میں بے دھڑک ہوکر دشمن کے مورچوں کی طرف گئے اور راکٹ لانچرز کے پانچ گول پھینک کر ایک گھنٹے کے بعد بخیر و عافیت واپس آ گئے۔

اس واقعے کے بعد ایک روز نذیر ہاون کے گولے دشمن پر پھینکنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک گولہ اس مورچے میں پھٹا اور نذیر شدید زخمی ہوگیا۔ہم نے فوراً ایمبولینس میں ڈالا اور پشاور ہسپتال لے آئے۔ حالت یہ تھی کہ نذیر روزے سے تھا۔روزہ رکھنے کا اسے بہت شوق تھا۔ رات کو پہرا دینے کا بھی اسے اس قدر شوق تھا کہ اپنے ساتھیوں کی جگہ پر بھی پہرا دیتا رہتا تھا۔عرب مجاہدین کے ساتھ رہ کر اس کی بھی عادت بن گئی تھی کہ دن میں روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت قرآن پاک کی تلاوت میں بھی مصروف رہتا تھا۔مگر اس کا یہ

مطلب نہیں کہ وہ جہاد کے معمولات میں کچھ فرق آنے دیتا تھا بلکہ جہاد کے کاموں میں اپنے ساتھیوں سے بڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ یہاں پشاور ہسپتال میں میں اس کے پاس ہی رہا۔ دوسرے روز باتیں کرتے کرتے اچانک نذیر اپنے اللہ سے ملاقات کرنے کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔

انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں شہید کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ پھر یہیں سے مرکز الدعوۃ والارشاد کی گاڑی میں ڈال کر شہید کو بہاولپور پہنچایا گیا۔ شہید کے باپ نے جو کہ صبر و رضا کا پیکر بن گیا تھا، اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے: ''مجھے اللہ نے سات بیٹے دیے ہیں ایک اللہ کے راستے میں قربان ہو گیا، باقی کی قربانی بھی اللہ پسند فرما لے تو زیادہ خوش قسمت ہو جاؤں۔''

شہید خالد سیف

افغانستان روانگی:

شہید خالد سیف نے آخری ایام روزوں سے گزارے۔ بخار کی کیفیت بھی ان پر طاری رہی۔ اسی حالت میں اپنے استاد محترم شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ مدنی صاحب سے ملاقات کی۔ انہیں دعوت دی کہ آپ تیاری کریں، ہم دونوں کل افغانستان جائیں گے۔ استاد محترم نے کہا کہ خالد صاحب! رمضان یہیں گزاریں، عید کے دو تین دن بعد ہم دونوں افغانستان جائیں گے۔ لیکن تقدیر اپنا فیصلہ کر چکی تھی کہ خالد سیف نے عید کے دو تین دن بعد افغانستان نہیں بلکہ دو تین دن بعد انہیں لباس شہادت زیب تن کر کے اللہ کے ہاں جانا ہے۔ اس لیے استاد کے اصرار کے باوجود ان کا عزم انہیں عید سے پہلے ہی افغانستان کھینچ کر لے گیا۔

محاذ کی طرف:

ہفتہ کی صبح معسکر طیبہ سے روانگی کے وقت شہید خالد سیف یہ وعدہ کر گئے کہ ہم اتوار کو ان شاء اللہ دوبارہ آئیں گے۔لیکن خالد سیف کے وعدہ پر اللہ کی تقدیر غالب آ گئی۔ وہ اتوار انہیں میسر نہیں آئی بلکہ اگلی صبح وہ رزم گاہ حق وباطل کی طرف روانہ ہو گئے۔

صبح نمودار ہوئی تو عربوں کے معسکر کی طرف سے یہ اطلاع پہنچی کہ جو ساتھی خط اول جانا چاہتا ہے وہ اپنا سامان فوراً تیار کر لے۔ چنانچہ شہید خالد سیف، ذاکر اللہ اور دیگر ساتھی تیار ہو گئے۔ اللہ کے غازیوں اور شہیدوں کا یہ قافلہ اسد آباد سے روانہ ہوا۔کوئی پندرہ بیس میل کا سفر کیا ہوگا،شہید خالد سیف ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے کہ گاڑی کو کھڑا کر کے پیچھے آئے اور ذاکر اللہ سے کہا: ''آپ آگے چلے جائیں میں پیچھے بیٹھتا ہوں۔''لیکن ذاکر اللہ نے اصرار کیا کہ وہ وہیں آگے بیٹھے رہیں۔خالد صاحب کہنے لگے:

''بھائیو......! جو گرد وغبار آپ پر پڑ رہی ہے، یہ گرد وغبار میں بھی چاہتا ہوں۔ کیونکہ نے رسول اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ سنی ہوئی ہے کہ اللہ کے راستے میں پڑنے والی غبار اور جہنم کی آگ اکٹھی نہیں ہو سکتی۔''

چنانچہ یہ بات سن کر پیچھے سے ایک ساتھی آگے چلا گیا اور خالد سیف نے باقی سفر پیچھے بیٹھ کر طے کیا۔

سوا دو بجے اللہ کی نگہبانی میں خط اول (اگلے مورچے) میں پہنچ گئے۔ظہر اور عصر ادا کرنے کے بعد امیر کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہمیں قادسیہ کے محاذ کے لیے چار تربیت یافتہ مجاہد چاہئیں۔سب سے پہلے خالد سیف اور اس کے بعد ذاکر اللہ بھائی نے اپنا نام پیش کیا۔ چنانچہ انہوں نے قادسیہ کی طرف چڑھائی شروع کر دی۔ ایک گھنٹہ کی چڑھائی کے بعد مجاہد حطین کے مورچہ پر پہنچ چکے تھے۔

بارہ بجے کے بعد پہرے پر عرب بھائیوں کی ڈیوٹیاں لگا دی گئیں۔تمام مجاہدوں کو الگ

الگ پوزیشنیں سنبھالنے کا حکم دے دیا گیا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ شیطان پوسٹ کی طرف سے جو آدمی بھی آتا دکھائی دے اس کو فوراً گولیاں مار کر اڑا دیا جائے۔ مجاہدین نے ساری رات بغیر آرام کیے گزاری۔ نماز فجر کے بعد عربی مجاہدوں نے خالد سیف صاحب سے درخواست کی کہ وہ نصیحت کریں۔ انہوں نے کہا کہ عربی پر پوری قدرت نہیں رکھتا۔ لیکن ان بھائیوں کے اصرار پر انہوں نے عربی میں تقریر کی۔ تقریر قرآنی آیات، احادیث اور حیات صحابہ کے درخشاں واقعات سے مزین تھی۔ اسی دوران خالد نے خالد بن ولید کا تذکرہ چھیڑ دیا اور کہنے لگے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''ٹھٹھرتی ہوئی رات ہو، سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی ہو اور مجھے کہا جائے کہ میں دشمن کا مقابلہ کروں ۔ اس کے مقابلے میں دوسری طرف شب زفاف ہو۔ آج ہی نئی بیوی گھر آئی ہو اور مجھے ان دونوں میں سے ایک چیز اختیار کرنے کو کہا جائے تو میں میدان کارزار کو ترجیح دوں گا۔'' اب صبح کے ساڑھے چھ بج چکے تھے، یکدم مجاہدوں نے دشمن پر شدید فائرنگ شروع کردی۔ دشمن نے جب جوابی فائرنگ شروع کی تو پھر آپس میں مقابلہ شروع ہو گیا۔

شہید خالد سیف کے دائیں طرف ذاکر اللہ اور بائیں طرف یاسر تھے۔ دونوں کیا دیکھتے ہیں کہ خالد سیف نیچے بیٹھ چکے تھے۔ قریب قریب درختوں کی اوٹ میں کھڑے دیگر مجاہدوں نے جب شہید خالد سیف کو بیٹھتے ہوئے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ شاید خالد صاحب زخمی ہو چکے ہیں۔ لیکن امیر کا حکم تھا کہ کوئی مجاہد اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ امیر محترم خود آگے بڑھے۔ خالد سیف صاحب کو اپنے سینے پر لٹایا اور الٹا رینگتے ہوئے دس پندرہ قدم مجاہدوں کی صفوں سے پیچھے لے گئے۔ ذاکر اللہ کو بلایا کہ وہ خالد سیف سے بات کریں۔ جب ذاکر اللہ نے خالد صاحب سے حال پوچھا تو شہید نے یہ الفاظ کہے: ''میری کلاشنکوف کہاں ہے؟'' ان کا پورا جسم جواب دے چکا تھا۔ جسم تو جواب دے چکا تھا لیکن زبان سے اب بھی اللہ کا ذکر جاری تھا۔ امیر کے حکم سے ایمبولینس کی طرف بڑھے۔ چند قدم ہی چلے

تھے کہ سب سے آخر میں محاذ پر پہنچنے والا سیف اللہ سب سے بازی لے چکا تھا۔ذاکر اللہ بھائی کے سارے کپڑے خون سے تر ہو چکے تھے۔کندھے سے اتارنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ اللہ کا یہ شیر جو سالہا سال سے شہادت کو ڈھونڈ رہا تھا، آج اپنے مقصد کو حاصل کر کے اپنے مالک حقیقی کے جوار میں پہنچ چکا تھا۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

ایمبولینس اسد آباد سے ہوتی ہوئی باجوڑ ایجنسی پہنچی۔ وہاں شیخ جمیل الرحمٰن نے شہید پر بہترین خوشبو ڈالی، ان کے خون آلود چہرے کو بوسہ دیا اور پھر ان کو لاہور کے لیے روانہ کر دیا۔

خوست کے محاذ پر محمد قاسم کی شہادت

شہید محمد قاسم ساجد نے تقریباً ڈیڑھ ماہ تک معسکر طیبہ سے جہاد کی تربیت حاصل کی۔ اس عرصہ میں اس کے ذہن کی کایا پلٹ چکی تھی، وہ گھر سے صرف تربیت کے لیے گیا تھا لیکن جب اس نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح کفر...... اسلام کو مٹانے کی سازش کر رہا ہے؟ کس طرح مسلمانوں کی بیٹیوں کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں۔مسلمانوں کو ان کے اپنے وطن سے نکالنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں تو یہ سارے حالات قاسم کی برداشت سے باہر تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام پروگرام تبدیل کر کے کفر کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

تربیت لینے کے بعد چند دن کے لیے قاسم اپنے گھر آیا لیکن اپنے گھر رہتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا تھا، سارا سارا دن بے چین رہتا۔

ایک رات ان کے جذبات کچھ زیادہ ہی بھڑک اٹھے تھے اور وہ کھانا کھائے بغیر ہی رات کی تاریکی میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اس دفعہ اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ اس وقت تک جہاد کرے گا جب تک کمیونزم سرزمین اسلام سے بھاگ نہیں جاتا، جب تک ہماری بہنوں کی عزتیں محفوظ نہیں

ہو جاتیں۔ چنانچہ اس دفعہ قاسم سیدھا پشاور پہنچا اور جلال آباد جانے کی بجائے اس نے خوست کے محاذ پر جانا پسند کیا۔

خوست کے محاذ پر پہنچ کر اس نے جو وصیت نامہ تحریر کیا، اس میں بھی صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لیے ایک پکار ہے۔وصیت کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

"اگر میں اللہ کے فضل وکرم سے شہادت کے بلند مرتبہ پر فائز ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے میری قربانی کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور کرلیا تو میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ میری نعش کو میرے شہر "تاندلیاں والا" پہنچادیا جائے تاکہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب ملے۔

میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میری شہادت کے بعد مجھ پر میرا کوئی عزیز رشتہ دار واویلا نہ کرے۔ بلکہ عرصہ دراز سے میری یہ خواہش تھی کہ میں اپنے مالک و خالق کی راہ میں جہاد کرو اور جام شہادت نوش کروں ۔ اس لیے اگر شہادت کا اعزاز مجھے مل گیا تو کوئی شخص میری نعش پر بین نہ کرے۔

میری تمام رقم مجاہدین کو دے دی جائے اور ان میں تقسیم کردی جائے۔میری طرف سے تمام گھر والوں اور دوست واحباب کو سلام،

محمد قاسم ساجد

خوست۔افغانستان

شہادت سے ایک رات پہلے محاذ کے امیر نے نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور کمیونسٹوں پر حملہ کرنے کے بارے میں غور وخوض کیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پچھلی رات پیش قدمی کی جائے اور علی الصبح دشمن پر ہلہ بول دیا جائے۔ قاسم کا نام بھی اللہ کے ان غازیوں اور شہیدوں کی فہرست میں شامل تھا جو رات کے پچھلے پہر اللہ کے دشمنوں کا صفایا کرنے کے لیے پیش قدمی کررہے تھے۔

مجاہد دشمن کے کافی قریب پہنچ چکے تھے، صبح کے سات بج چکے تھے۔ وہ گھڑی قریب آن پہنچی تھی جب عرش والے نے اپنی راہ کے ان مسافروں کی دعائیں قبول کرنا تھیں۔ قاسم اور اس کے ساتھی تھک چکے تھے۔ ابھی مورچہ تیار کر کے باہر بیٹھے ہی تھے کہ یکایک ہاون کا گولہ آیا، ان کے درمیان گرا، زمین پھٹ گئی اور قاسم اور اس کا ایک اور ساتھی موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

جلال آباد کے محاذ پر ضیاء الحفیظ کی شہادت

ضیاء الحفیظ جماعت اہل حدیث کے معروف خطیب مولانا قاری عبد الحفیظ کے فرزند ہیں۔ جب ان کی شہادت کی اطلاع مرکز الدعوۃ والارشاد کے دفتر پہنچی تو میں نے یہ اطلاع حضرت قاری صاحب کو ٹیلیفون کے ذریعہ دی اور اگلے دن فیصل آباد قاری صاحب کے گھر پہنچا۔ وہاں جب میں نے حضرت قاری صاحب کا صبر وثبات دیکھا تو ان سے ضیاء الحفیظ کے بارے گفتگو کرنے کی درخواست کی۔ تب قاری صاحب یوں گویا ہوئے:

۱۹۷۳ء اور اگست ستمبر کے یہی دن تھے، برسات کا یہی موسم تھا، جب اللہ نے مجھے ضیاء عطا فرمایا، ضیاء کی عمر اس اعتبار سے ۱۷ برس بنتی ہے۔ اسے شروع سے ہی دین کے ساتھ محبت تھی۔ وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا جب حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید ہوئے، تو ان کی شہادت کے بعد وہ کہنے لگا کہ میں تو علامہ صاحب کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ میں نے کہا بیٹا! ہم کمزور ہیں، حالات نا مساعد ہیں، جماعت کی پالیسی نہ معلوم کیا ہے۔لہٰذا آپ کیسے بدلہ لیں گے؟ مگر وہ اپنی دھن کا پکا تھا اور علامہ صاحب کا بدلہ لینے کا اسے اس حد تک جنون تھا کہ ایک بار وہ گھر سے دو ہزار روپے لے گیا، ان پیسوں سے اس نے پشاور سے ایک گن خریدی، واپسی پر وہ اٹک کے پل پر پکڑ لیا گیا اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔ جیل سے مجھے ضیاء نے خط لکھا:

ابا جی......!!

میں نے تمہارا دل بڑا دکھی کیا ہے مگر میری نیت نیک ہے، میرا جذبہ یہ ہے کہ میں نے علامہ صاحب کا بدلہ لینا ہے۔ اسی لیے یہ میری جدوجہد تھی۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا، اب مقدمہ چلے گا، سزا ہوگی، میں خود ہی ان شاء اللہ گھر آ جاؤں گا۔ آپ ناراض نہ ہونا، میری امی کو بھی تسلی دینا، اگر آپ مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں تو یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ بہر حال میں اٹک جیل میں ہوں۔

والسلام

آپ کا بیٹا

ضیاء الحفیظ

میں تقریر کر کے رات گھر آیا تو اس کی ماں نے مجھے یہ خط دیا۔ میں نے پڑھا اور کہا کہ میرے بیٹے کو کیا پتا کہ ماں باپ کی ایسے موقع پر کیا حالت ہوتی ہے۔ چنانچہ میں فوراً اٹک روانہ ہو گیا۔ صبح کی نماز میں نے کیمبل پور میں ادا کی۔ اسی روز ضمانت کروا کے میں ضیاء کو گھر لے آیا اور اگلی تاریخ پر اللہ نے یہ مقدمہ بھی ختم کرا دیا۔ تو اسی طرح کی مجاہدانہ تگ و تاز وہ زندگی بھر کرتا رہا۔ وہ یہاں گھر آتا تو بچوں کو اکٹھا کر کے جہاد کی ٹریننگ دیتا، چالیں سمجھاتا۔ اس کا تو حال یہ تھا کہ اس نے چھٹی جماعت میں کھیل شروع کیا تو یہ بھی گتکے سے شروع کیا۔ وہ پانچ چھ دفعہ افغانستان گیا اور ہمیشہ یہ کہتا: ''اللہ! مجھے شہادت کی موت عطا فرما۔'' وہ مجھے کہتا: ''ابا جی! اللہ تعالیٰ اس بندے سے بڑا خوش ہوتے ہیں جو خاک و خون میں لتھڑا ہوا ہو، جس کا چہرہ خون میں نہایا ہوا ہو، اللہ اس چہرے کی طرف دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔''

ضیاء کی طبیعت عجیب اور منفرد تھی۔ اس کے قیمتی اور میلے کچیلے کئی جوڑے ابھی پڑے ہوئے ہیں مگر وہ ہمیشہ پھٹے پرانے اور سادہ کپڑے ہی پہنتا، عام بچوں کی طرح وہ مجھ سے مطالبات بھی نہ کرتا تھا۔ اس نے صرف ایک مطالبہ کیا کہ ابا جی! مجھے ایک دوربین لا کر دو کہ

جس کے ذریعے سوفٹ تک دشمن پر فائر کیا جا سکے۔ میں اپنے بیٹے کی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا کیونکہ ایسی چیزوں کی ممانعت ہے۔ جہاد اور اسلحہ سے تو اسے اس حد تک شوق تھا کہ اس کی چھوٹی بہن جس کی عمر اس وقت ڈیڑھ سال ہے، کہا کرتا تھا میں اس کو جہیز میں کلاشنکوف ضرور دوں گا۔

جب وہ مجھ سے روانہ ہوا تو اس کا مسکراتا ہوا چہرہ اسی طرح میری نگاہوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ وہ اپنے کپڑوں کا تھیلا اپنے چھوٹے بھائی کو پکڑا کر میرے سامنے مسکراتا ہوا آن کھڑا ہوا۔ میں نے کہا: ''بیٹا! مجھے پتا تو چل گیا ہے کہ پروگرام افغانستان کا ہے۔'' میں نے ماتھا چوما اور رخصت کردیا۔ میرے دل میں یہ ارمان تھا کہ اے اللہ! میرے بیٹے کی شہادت کی خبر بے شک آئے مگر اتنا کرنا کہ دشمن کی گولیاں اس کے سینے پر ہوں، پشت پر نہ ہوں۔ الحمد اللہ! امیر حمزہ کو اللہ سلامت رکھے جب انہوں نے مجھے خبر سنائی تو دل خوش ہوا کہ اللہ نے میری دعا کو قبول کر لیا...... آخری خط جو مجھے میرے بیٹے نے لکھا اس میں کہا: ''ابو جان! میں ان شاء اللہ جلد آجاؤں گا مگر افغانستان کی مٹی سے بھینی بھینی شہادت کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ اللہ سے دعا کریں اللہ مجھے شہادت نصیب فرمائے۔'' اور پھر واقعی اللہ نے میرے بیٹے کی دعا سن لی۔ اسی طرح ایک دوسرے خط میں ضیاء شہید اپنے والد سے یوں ہم کلام ہوتے ہیں۔

ابا جان کے نام ایمان افروز خط

ابا جان......! کشمیر میں ہماری جن بہنوں کی عزتوں کو پامال کیا جارہا ہے وہ ہماری بہنیں ہیں۔ افغانستان اور فلسطین میں ہماری جن ماؤں کی آبروؤں کو پامال کیا جارہا ہے وہ بھی ہماری دینی مائیں اور بہنیں ہیں اور یہ دین کا رشتہ تو سب رشتوں سے مقدم ہے تو پھر ہم کیوں نہ جہاد کریں؟

ابا جان! اللہ نے آپ کو ایک مجاہد بیٹا عطا کیا ہے جب کہ لوگوں کے بیٹے ہیں کوئی

بزنس مین ہے، کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی انجینئر ہے اور پھر جب یہ ملازم ہو جاتے ہیں تو بڑے خوش ہوتے ہیں کہ حکومت کے یا فلاں ادارے یا کمپنی کے ملازم ہو گئے مگر ذرا اس کے بارے بھی تو سوچیے کہ جو اللہ کا ملازم ہوگیا۔ تو ابا جان بات مختصر یہ ہے کہ میں تو اللہ کا ملازم ہوگیا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

آپ کا بیٹا ضیاء الحفیظ

اللہ کا ملازم اپنے مالک کے ہاں کیسے گیا؟

ضیاء الحفیظ مرکز الدعوۃ والارشاد کے دفتر لاہور میں آئے اور پروفیسر حافظ محمد سعید کے ہمراہ کشمیر کے محاذ پر چلے گئے۔ وہاں چند روز ٹھہرنے کے بعد وہ افغانستان جا پہنچے۔ دو تین روز معسکر طیبہ میں قیام کرنے کے بعد وہ افغانستان جا پہنچے، جہاں جاتے ہی انہیں محاذ پر ایک دستے کا کمانڈر بنا دیا گیا۔ عبدالشکور ساجد بہاولنگری کہتے ہیں کہ وہ ہمارے امیر تھے۔ بڑے دلیرے اور بہادر تھے، ان کی معیت میں ہمارے حوصلے بلند تھے۔ انہوں نے دشمن سے دو دو ہاتھ خوب بہادری سے کیے اور انہیں ایک دفعہ تو خاموش کردیا۔ ہوا یوں کہ محاذ جنگ سے پیچھے ہماری قرارگاہ کے امیر رات کے وقت درختوں کے ایک جھنڈ میں اسلحہ رکھ گئے اور انہوں نے کہا کہ اسے صبح جلدی اٹھالینا۔ ضیاء الحفیظ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ پھر دس بجے انہوں نے وائرلیس کی اور سامان کی تفصیل وغیرہ بتلائی۔ چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ہم ضیاء الحفیظ کی قیادت میں چار پانچ ساتھی اسلحہ اٹھانے کے لیے گئے۔ ہم جب پہاڑ کے ساتھ ساتھ سرکنڈوں میں گئے جو کہ دشمن کے بالکل سامنے ہے کہ اس دوران ہمارے عرب ساتھیوں کی طرف سے دشمن پر توپوں کے گولے پھینکے جانے لگے۔ چنانچہ جواب میں دشمن نے بھی ہر طرح کے اسلحہ کی فائرنگ شروع کردی۔ اب ہم ان کے بالکل سامنے تھے اور وہ فائرنگ کر رہے تھے۔ یہ معرکۂ حق و باطل جاری تھا۔ ضیاء الحفیظ صاحب ہماری قیادت کر

رہے تھے۔ چنانچہ اس دوران ایک گولی آئی اور ضیاء الحفیظ کے سینے سے اوپر گردن پر لگی۔ گولی لگتے ہی وہ نیچے گرے، ہم جلدی سے اس کے گرد ہوئے، میں نے ان کا چہرہ اپنی گود میں کرلیا۔ یہ اتوار کا دن تھا، ۲۵ اگست کی تاریخ تھی اور صبح کے ساڑھے سات بجے کا وقت تھا......ضیاء الحفیظ جب آخری لحات میں تھے، بس ان کی مدت دو تین منٹ تھی کہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ان کے خون سے بڑی عجیب سی شاندار خوشبو آرہی تھی اور مسکراہٹ تو ایسی تھی جیسے کوئی بڑا عالیشان منظر نگاہوں کے سامنے ہو اور آدمی مسکرا رہا ہو۔ اب ہم نے اس شدید فائرنگ میں ضیاء الحفیظ کو اٹھایا، پیچھے کی جانب آئے، عرب ساتھیوں کی گاڑی پر ضیاء الحفیظ کو لٹایا، قرارگاہ تک آئے اور پھر شہیدوں کے قبرستان میں ضیاء الحفیظ کو سپرد خاک کردیا گیا۔ جب سے جلال آباد کا معرکہ شروع ہوا عالم عرب افریقہ، پاکستان اور دنیا بھر سے جو بھی مجاہد یہاں شہید ہوا وہ یہیں دفن ہے تو ضیاء شہید بھی اب یہیں مدفون ہیں۔

عطاء اللہ کی شہادت

عطاء اللہ کیسے شہید ہوا؟ اس کے مجاہد ساتھیوں نے بتایا کہ وہ جلال آباد کے محاذ پر برسرپیکار تھا۔ ایک روز چند ساتھی نہانے کے لیے دریائے کنڑ پر آئے۔ عطاء اللہ اپنے ان ساتھیوں کا امیر تھا، وہ ساتھی نہانے لگے۔ عطاء اللہ ابھی کنارے پر کھڑا تھا کہ دو تین ساتھی پاؤں پھسلنے کی وجہ سے گہرے پانی میں ڈوبنے لگے۔ عطاء اللہ اپنے ساتھیوں کی محبت میں اور پھر وہ ان کا امیر بھی تھا، اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے انہیں بچانے کے لیے دریا میں کود پڑا۔ اب اللہ کی قدرت کہ وہ ساتھی تو بچ گئے مگر جو بچانے کے لیے دریا میں کودا تھا، اس کا وقت آچکا تھا۔ دریائے کنڑ کی تیز لہروں نے عطاء اللہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اللہ نے اسے اپنے پاس بلالیا، نہ جانے اللہ کو اس کی یہ ادا کس قدر پسند آئی ہوگی جو اسے فوراً اپنے پاس بلالیا کہ اس نے آج وہ یاد تازہ کردی جب ایک جنگ میں زخمی پانی مانگ رہے

تھے، پانی والا جس کے پاس بھی جاتا وہ اپنے دوسرے زخمی مجاہد ساتھی کی طرف اشارہ کرتا۔ پانی پلانے والا اسی طرح آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ جب وہ واپس پہلے کے پاس پہنچا تو سب زخمی شہید ہو چکے تھے۔ اس ایثار اور لازوال قربانی کی یاد عطاء اللہ نے تازہ کر دی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر اپنی جان اللہ کے حوالے کر دی۔

اللہ سورۂ مائدہ میں فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ﴾ [المائدۃ:۲ ۳]

''اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کی زندگی بخش دی۔''

اور عطاء اللہ نے تو ایک جان نہیں متعدد جانیں اور وہ بھی مجاہدوں کی جانیں بچائیں اور پھر یہ اعزاز بھی کہ ان کی جانیں بچاتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا دی اور پھر یہ اعزاز کہ وہ خود بھی مجاہد تھا، ارض جہاد میں تھا اور اپنے ساتھیوں کا امیر تھا اور اس نے ساتھیوں سے محبت اور احساس ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے۔ یہ خبر جب ان کے والد کو ملی اور وہ اتفاق سے اسی روز مرکز الدعوۃ والارشاد کے دفتر لاہور میں آئے تھے تو انہوں نے بے اختیار کہا: ''الحمدللہ! شکر ہے اس مولا کا جس نے مجھے ایک شہید کے باپ ہونے کا شرف عطا فرمایا۔''

قاری محمد بشیر

کراچی شہر کی جامع مسجد اہل حدیث جو کہ کورٹ روڈ پر واقع ہے، قاری صاحب اس مسجد میں امام تھے۔ مولانا عبد اللہ ناصر رحمانی فاضل مدینہ یونیورسٹی اس مسجد کے خطیب ہیں۔ ان کے خطبات سن کر کراچی کے کوئی نوجوان معسکر طیبہ میں بھی گئے۔ ان نوجوانوں میں شیخ کی اپنی مسجد کے امام بھی شامل ہو گئے۔ قاری صاحب ایک روز دریائے کنڑ میں نہا رہے تھے کہ گہرائی میں اس کی تیز لہروں کی زد میں آ گئے۔ وہ ارض جہاد کی تربیت کے دوران اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کی عمر تقریباً ۲۵ سال تھی۔ اللہ ان کی شہادت قبول

فرمائے۔(آمین)

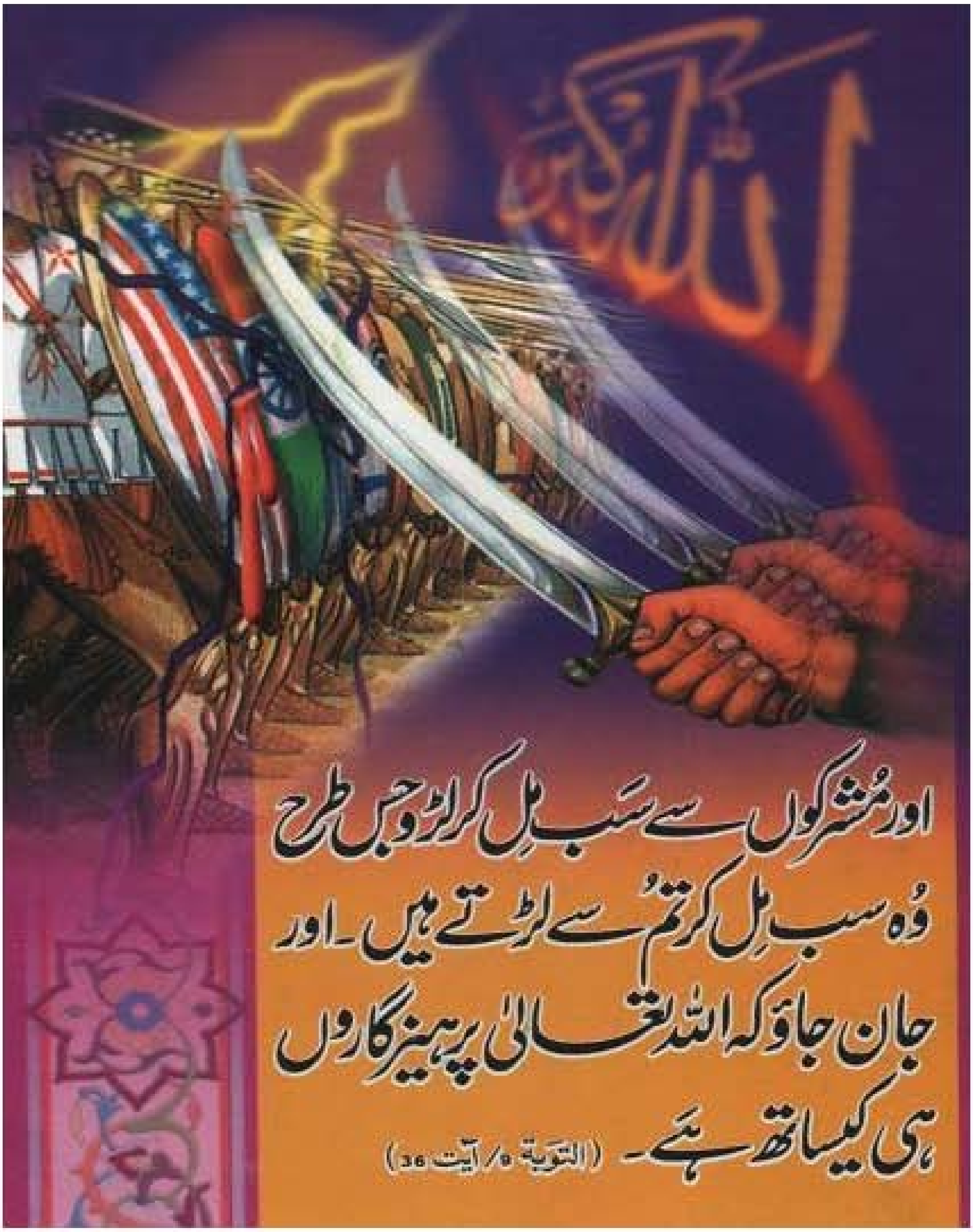
محمد افضل ندیم

افغانستان کے صوبہ کنڑ میں معسکر طیبہ کے بعد مرکز کی جانب سے خصوصی عسکری تربیت کے لیے ایک نیا مرکز معسکر اقصیٰ کھولا گیا۔محمد افضل ندیم اس معسکر میں تربیت حاصل کر رہے تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۹۲ء کے آخری ایام تھے۔جمعرات کا دن تھا،محمد افضل نے روزہ رکھا ہوا تھا،اسی رات پہاڑ کی چوٹی پر ایک خیمے میں انہوں نے پہرا دیا تھا ، وہ تہجد کی نماز اور پھر خصوصی مشقوں کے لیے اٹھے اور ان کا پاؤں پہاڑ کی چوٹی سے پھسلا ، وہ لڑھکتے ہوئے نیچے آ گئے اور اپنے اللہ سے جا ملے۔

ساہیوال شہر میں وہ مرکز الدعوۃ کے بڑے سرگرم داعی ساتھی تھے۔ساہیوال میں ان کی نماز جنازہ مولانا عبد الرشید ہزاروی نے پڑھائی اور یہیں مدفون ہوئے..... اللہ ان کی شہادت کو قبول فرمائے۔(آمین)

محمد اسلم

ان کا تعلق کراچی سے ہے، وہ جلال آباد کے محاذ پر کمیونسٹوں کے خلاف برسر پیکار تھے۔ایک روز نماز کا وقت ہوا تو وضو کرنے کے لیے اٹھے اور جب وہ وضو سے اپنے گناہوں کے دھلنے کا بندوست کرنے لگے تو ٹینک کا ایک گولہ آیا اور محمد اسلم وہیں اپنے اللہ سے جا ملے ، ان کی عمر پچیس سال تھی ، انہیں وہیں شہداء کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ ان کی شہادت کو قبول فرمائے۔(آمین)


اللہ اکبر
اور مشرکوں سے سب مِل کر لڑو جس طرح
وہ سب مِل کر تم سے لڑتے ہیں۔ اور
جان جاؤ کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں
ہی کیساتھ ہے۔
(التوبة ٥/ آیت 36)

ساتواں باب

ابن سعود کے انقلابات کی جھلک (شیخ جمیل الرحمٰن)

ابن سعود کے انقلابات کی جھلک (شیخ جمیل الرحمٰن)

تاریخ کا ایک ورق

محمد بن قاسمؒ کے بعد صدیاں بیت گئیں اور ہنوز برصغیر شرک وبدعت کی ظلمت میں گھرا ہوا تھا تا آنکہ برصغیر میں تحریک جہاد کے قائد شاہ اسماعیل شہید ۱۲۳۷ھ میں اس وقت حجاز روانہ ہوئے جب کہ وہاں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ کی دعوت توحید پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھی۔ شاہ شہید نے وہاں چودہ ماہ قیام کیا، شیخ کی دعوت کا مطالعہ کیا اور امام انقلاب محمد بن سعود رحمہ اللہ کے جہاد کو قریب سے ملاحظہ کیا اور پھر واپس آ کر انہی خطوط پر کام شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ شہید کی تحریک جہاد کو وہابیت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ شیخ کو بھی ایسے ہی ناموں سے موسوم کیا گیا اور موسوم کیوں نہ کیا جاتا کہ شیخ نے بھی ارض افغانستان کو اسی آب صافی سے سیراب کرنے کا پروگرام بنایا کہ جس سے امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے جزیرۃ العرب کو سیراب کیا، شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے سر زمین ہند کو......

۱۲ مارچ ۱۹۸۹ء کی شام پشاور میں جب میں نے ''مجلۃ الدعوۃ'' کے پہلے شمارے مارچ ۱۹۸۹ء کے لیے شیخ جمیل الرحمٰن کا انٹرویو لیا تو انہوں نے اس حقیقت کا یوں برملا اعتراف کیا:

> ''الحمد للہ دوران جہاد سلفی دعوت بڑی تیزی سے پھیلی جس کی حالت امن میں ہم توقع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے جب تنظیم قائم کی تو ہزاروں کے حساب سے

مہاجرین اور مجاہدین ہمارے پاس آتے رہے۔ ہم ان سے تعاون کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد کی اصلاح کرتے رہے۔ امام محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب ''کتاب التوحید''، شاہ شہید کی ''تقویۃ الایمان'' امام ابن تیمیہ اور موجودہ دور کے سلفی علماء کی کتابیں پھیلاتے رہے، حتیٰ کہ لوگ ہمیں وہابی کہنے لگے۔ پھر ہم نے مسجدوں میں اور مختلف جگہوں پر مدارس کھولنے شروع کر دیے اور اب تک اللہ کے فضل سے ہم ۲۵۰ مدارس کھول چکے ہیں۔ ان میں یتیموں کے مدارس بھی ہیں جن میں ۳۷۰ طلباء زیر کفالت ہیں۔ اسی طرح ہم نے محاذوں اور مختلف جگہوں پر مبلغین بھیجنے کے لیے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو ''المعہد الشرعی لاعداد الدعاۃ'' کے نام سے اپنے فرائض سر انجام دے رہا ہے۔ ایسے ہی ہم نے کوئٹہ اور ایران کی حدود پر بھی مدارس قائم کر رکھے ہیں۔ ان تمام مدارس میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی ہے۔ حتیٰ کہ اب ہم نے ایران کے اندر بھی اپنے ساتھی بنا لیے ہیں جو ہم سے رابطہ کیے ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ وہاں اہل سنت پر خصوصاً اہل حدیث پر بہت سختی ہے اس لیے یہ کام بڑی احتیاط سے ہو رہا ہے۔''

قارئین کرام! ایران میں سلفیوں کے ساتھ جو رابطے کی بات ہے تو اس کی عملی تصویر میں نے اس وقت ملاحظہ کی جب میں نے مارچ ۱۹۹۲ء کا پہلا ہفتہ ایران میں گزارا۔ وہاں کے موحدین کہہ رہے تھے کہ شیخ نے ہم سے باقاعدہ رابطہ کیا۔ ہم بھی شیخ سے ملاقات کے لیے گئے، کام کرنے کا صرف پروگرام ہی نہیں بنا بلکہ اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا اور پھر شیخ اس راستے کے راہی بن گئے کہ جو ایسے کام کرنے والوں کا مقدر ہوتا ہے یعنی وہ اللہ کے راستے میں شہید کر دیے گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

ابتدائی تعلیمی حالات

شیخ جمیل الرحمٰن افغانستان کے صوبہ کنڑ کے ایک گاؤں ننگلام میں پیدا ہوئے۔ کنڑ کے

دار الحکومت اسد آباد کی جامع مسجد میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں طلب علم کے لیے پاکستان کی طرف سفر کیا۔ دار العلوم الاسلامیہ سوات میں عقلی و نقلی علوم حاصل کیے۔ پاکستان کے صوبہ سرحد کے ایک شہر چارسدہ میں دورۂ حدیث کیا۔ یہاں مولانا عبد المنان اور مولانا عبد الرحمٰن مائنوی سے استفادہ کا موقع ملا۔ دونوں بزرگ اگرچہ حنفی المسلک تھے لیکن ان کی طبیعت کا میلان سلفیت کی طرف تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن مائنوی تو برملا لوگوں کو مسلک اہل حدیث کی دعوت دیا کرتے تھے اور حدیث کے مقابلے میں کسی کے قول کو ترجیح نہیں دیا کرتے تھے۔ یہاں سے استفادہ کرنے کے بعد شیخ راولپنڈی میں احناف ہی کے ایک بڑے عالم مولانا غلام اللہ کے پاس پہنچے۔ دعوت توحید اور شرک و بدعت کے رد میں یہ عالم تمام احناف میں متشدد معروف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مولانا غلام اللہ کے کئی شاگرد اہل حدیث ہو چکے ہیں۔ مولانا غلام اللہ نے شیخ جمیل الرحمٰن کو بھی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف لگا دیا۔ چنانچہ یہاں سے ان کے ذہن میں سلفیت راسخ ہونا شروع ہوگئی۔

صوبہ سرحد کے ایک معروف حنفی عالم مولانا طاہر بھی شیخ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ یہ حنفی بزرگ بھی شرک و بدعت کے رد میں بڑے معروف تھے۔ چنانچہ ان اساتذہ ہی کا یہ اثر تھا کہ شیخ جب مطالعہ کے میدان میں آگے بڑھے تو وہ بغیر کسی اعلان کے ایک سلفی عالم بن چکے تھے۔

میدان جہاد میں

پاکستان کا ایک کثیر الاشاعت میگزین ہفت روزہ ''حرمت'' جو کہ اسلام آباد اور کوپن ہیگن سے شائع ہوتا ہے۔ ۲۶ جولائی ۱۹۹۱ء کے شمارے میں رقمطراز ہے:

" صوبہ کنڑ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے روسی فوجوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، سب سے پہلے روسی فوجوں پر حملہ کیا، سب سے پہلے اس کے تین مجاہد شہید ہوئے۔"

کنڑ میں اس جہاد کا بانی اور داعی سلفی نوجوان شیخ جمیل الرحمٰن تھا...... آیئے اس ابتدائی جہاد کی یادیں شیخ کے بھتیجے جناب ولی اللہ سے سنتے ہیں جو افغانستان ریلیف کمیٹی برائے مہاجرین کے چیئرمین ہیں۔

۱۹۷۴ء کی بات ہے یعنی آج سے اٹھارہ سال قبل ہمیں اطلاع ملی کہ ہمارے گھر پر حملہ ہونے والا ہے۔ کابل سے سردار داؤد جو کہ ۱۷ جولائی ۱۹۷۳ء کو افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کا تختہ روسیوں کی مدد سے الٹ کر افغانستان کا صدر بنا تھا اور ظاہر شاہ کا بہنوئی بھی تھا، وہ شیخ پر حملے کے لیے کابل سے کمانڈوز بھیج رہا تھا۔ یہ اطلاع ہمیں حملے سے ایک روز قبل ہو چکی تھی۔ ادھر شیخ بھی ایک روز قبل اپنے ننگلام سے نکل چکے تھے۔ تین مجاہد ساتھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ تینوں قاضی محمد، امیر محمد اور رحمت شاہ باہر ایک جگہ گھات لگا کر کمانڈوز کا انتظار کرتے رہے مگر وہ نہ آئے۔ دوسری رات جب کہ شیخ گھر پر تھے کمانڈوز کی گاڑی آ گئی۔ ہم نے جلدی سے شیخ صاحب کو بیدار کیا، انہوں نے رائفل پکڑی اور جلدی سے گھر سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ شیخ صاحب اپنے گھر سے نکل کر ایک شخص وزیر خان کے گھر میں جا چھپے۔ میں شیخ صاحب کے پاس گیا، انہیں خطرے سے آگاہ کیا تو اس وقت وہ جس اعتماد کے ساتھ مسکرائے وہ مسکراہٹ ابھی تک میری نگاہوں کے سامنے شیخ کی یاد آتے وقت تازہ ہو جاتی ہے، مجھے کہنے لگے:

" بیٹا! جاؤ گھر بیٹھو، گھر کی حفاظت کرو، میری فکر مت کرو، میرا اور تمہارا نگہبان اللہ ہے۔"

میں شیخ سے مل کر عصر کے وقت گھر آ گیا تو پانچ منٹ بعد ہی کمانڈوز نے ہمارے گھر کو

گھیرے میں لے لیا۔ انہوں نے اس قدر اودھم مچایا کہ ہمارے گھر میں قیامت صغریٰ بپا ہوگئی۔ بہر حال انہوں نے ہمارے گھر کے کچھ افراد محمد وکیل، محمد کفیل اور قاضی محمد کو گرفتار کر لیا اور کہا جب تک شیخ حاضر نہ ہوں، ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ پھر تمام گاؤں والوں کو جمع کر لیا اور حکم دیا کہ سب لوگ شیخ کو ڈھونڈ کر لائیں وگرنہ سارا گاؤں ملیامیٹ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح گاؤں کے تین چودھری بھی گرفتار کر لیے تاکہ کسی نہ کسی طرح شیخ کو گرفتار کیا جائے۔ مگر لوگ شیخ کو حاضر کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور نہ ہی کسی نے مخبری کی۔ چنانچہ یہ سب لوگ اسی جرم کی پاداش میں ایک ایک دو دو سال کے لیے جیل میں رہے۔ ادھر شیخ صاحب پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ وہ رات کے وقت اپنے گاؤں اور علاقے کے دوسرے دیہات میں بھیس بدل کر آتے اور دعوت و تبلیغ کا کام کرتے، لوگوں کو جہاد پر ابھارتے جب کہ حکومت بھی لوگوں کو ترغیب دلاتی رہتی کہ شیخ کو پکڑو اور لاکھوں کا انعام حاصل کرو۔

شعب ابی طالب کی یاد تازہ ہوگئی

حکومت نے جب دیکھا کہ لوگوں پر ہماری ترغیب و ترہیب کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو حکومت نے شیخ کو لوگوں میں وہابی اور باغی مشہور کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف اس حد تک سختی کی کہ لوگوں کو ہم سے بائیکاٹ کرنے پر مجبور کر دیا۔ خوانین کو اب سردار داؤد نے خرید لیا اور شیخ سے سلام دعا، لین دین سب کچھ ختم کر دیا گیا۔ ولی اللہ صاحب کہنے لگے کہ ہمارے والد صاحب یعنی شیخ کے بھائی بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور ہماری پرورش شیخ نے بیٹوں ہی کی طرح کی تھی۔ اب شیخ کے اپنے بیٹے ابھی چھوٹے تھے، چنانچہ خاندان کی ذمہ داری مجھ پر آ گئی تھی۔ چنانچہ ہم جب بھی بازار میں سودا سلف خریدنے گئے تو ڈر کی وجہ سے لوگوں نے ہمیں کچھ دینے سے انکار کر دیا۔ تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہمارے خاندان کی جن لوگوں کے پاس امانتیں تھیں انہوں نے کہا کہ انہیں لے جاؤ وگرنہ دریا میں ڈال دیں گے۔

غرض ہم پر وہی کیفیت مسلط کردی گئی جو کبھی قریش مکہ نے اللہ کے رسول ﷺ پر کی تھی کہ سلام دعا، لین دین اور نکاح وغیرہ تک ہر قسم کا سماجی بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ایک گھاٹی میں محصور کر کے تین سال تک مصائب میں مبتلا کیے رکھا اور اس دعوت توحید کے نتیجے میں وہ وقت بھی آیا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کو سوکھا گوشت ابال ابال کر اور وہ بھی فاقوں سے کھانا پڑا۔

موت کا محاصرہ

شیخ کے دعوتی اور جہادی کام کی رپورٹ جب دوبارہ سردار داؤد کو پہنچی تو اس نے اس بار شیخ کو گرفتار کرنے کے لیے نورستانی بریگیڈیر کو متعین کیا۔ اسے صرف اکیلے شیخ کو پکڑنے کے لیے تین سو کمانڈوز دیے گئے۔ یہ تمام کمانڈوز عام لباس میں تھے۔ ادھر شیخ نے بھی ایک شخص محمد قیوم نامی اسد آباد میں بٹھا رکھا تھا۔ یہ شخص حکومت میں شامل تھا۔ چنانچہ وہ ہر قسم کی اطلاع شیخ کو دیتا رہتا تھا۔ یہ اطلاع بھی اس نے شیخ کو دی کہ آپ کو گرفتار کرنے کے لیے کمانڈوز آرہے ہیں، ہوشیار رہیں! کمانڈوز کا بندوبست کرنے کے علاوہ حکومت نے علاقے کے معروف ڈاکو اکبر خان کو بھی شیخ کے پکڑنے پر مامور کردیا ہے۔ چنانچہ حکومت، کمانڈوز اور علاقائی ڈاکوؤں نے ہر طرف سے شیخ کا محاصرہ کرلیا۔ اس دوران ایک چھوٹا سا برفانی نالہ تھا جو جھاڑیوں سے اٹا پڑا تھا۔ اس جانب کسی کا خیال ہی نہ تھا، چنانچہ شیخ صاحب اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ اس نالے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہیلی کاپٹر کے ذریعہ اوپر سے بمباری کا بھی پروگرام تھا۔ مگر یہ سارے کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور اللہ کی مدد سے شیخ اس محاصرے سے بحفاظت نکل گئے...... اللہ کی شان دیکھیے کہ جس طرح مکہ سے ہجرت کرتے وقت اللہ کے رسول ﷺ کا پیچھا سراقہ نے کیا تھا اور پھر وہ مسلمان بن کر مجاہد بن گیا تھا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں مال غنیمت سے کسریٰ کے کنگن ہاتھوں میں پہن رہا تھا اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوگئی تھی کہ سراقہ کے ہاتھوں

میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے، اسی طرح ڈاکو اکبر خان بھی جو شیخ کا محاصرہ کر رہا تھا، بعد میں شیخ کا ساتھی ہی نہیں بنا بلکہ مجاہد ساتھی بنا۔

اس گفتگو اور ملاقات کے دوران شیخ کا بڑا بیٹا عنایت الرحمٰن کہنے لگا کہ اس صورت حال کے کچھ عرصہ بعد سردار داؤد ایک دفعہ صوبہ کنڑ میں آیا، اسد آباد میں جلسہ تھا، وہاں اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ”لوگو! میں جو انقلاب لایا ہوں اور شاہی ختم کر کے اس ملک کا صدر بنا ہوں تو کیا آپ اس پر خوش ہیں؟“ لوگوں نے کہا: ”ہاں! ہم خوش ہیں۔“ تو سردار داؤد نے جھٹ کہا: ”اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو پھر جمیل الرحمٰن کو حکومت کے حوالے کیوں نہیں کرتے؟ جو کہ عوامی انقلاب کا سب سے بڑا مخالف ہے اور کنڑ میں اپنی باغیانہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔“

شیخ کی زندگی کے کچھ دیگر خفیہ گوشے

افغانستان فتح ہونے کے بعد میں جلال آباد گیا تو میرا ہم سفر ساتھی مجھے جلال آباد کے حوالے سے امارت اسلامی کنڑ کے بانی شیخ جمیل الرحمٰن شہید کے ساتھ ہونے والی ایک نشست کی روداد سنانے لگا کہ جب جلال آباد کے محاصرے کو دو سال کا عرصہ ہونے کو آیا، محاصرہ طویل ہو گیا تو ایک روز چند عرب ساتھیوں نے مجھے بھی ساتھ لیا اور باجوڑ ایجنسی پاکستان میں شیخ جمیل الرحمٰن شہید سے ملاقات کے لیے چلے گئے۔ ہر مجاہد اس طویل محاصرے پر بڑا برہم تھا اور وہ چاہتا تھا کہ شیخ سے بھرپور حملے کی اجازت ملنی چاہیے۔ بہر حال شیخ نے ہر مجاہد کی بات سنی۔ جب سب مجاہد اپنی اپنی بات تفصیل سے سنا چکے تو شیخ نے کہا: ”اصل بات یہ ہے کہ ہمارا مقصد محض علاقے فتح کرنا نہیں بلکہ جس علاقے کو فتح کیا جاتا ہے ہماری شرعی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ہم مفتوحہ علاقے میں اللہ کے قانون کا نفاذ کریں، وہاں کے لوگوں کے مسائل اور مصائب کا مداوا کریں۔ اگر ہم یہ کام کر سکیں تو ٹھیک وگرنہ جو علاقے ہمارے پاس پہلے سے موجود ہیں، وہاں ہمیں اپنی شرعی ذمہ داریاں بخوبی نباہنے کے

بعد آگے بڑھنا ہوگا۔'' اور انہوں نے یاد دلایا کہ دشمن کے محاصرے میں بیٹھے رہنا بھی تو جہاد ہی ہے۔ غرض شیخ کی یہ بصیرت افروز گفتگو سن کر سب مجاہد مطمئن ہو گئے اور آج جلال آباد کی فتح کے بعد شیخ کی یہ بصیرت عملی طور پر سامنے دکھائی دے رہی تھی کہ تمام بڑے شہروں کے طویل محاصروں نے ہی بالآخر کمیونسٹوں کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔

جمیل الرحمٰن دریا دل انسان

شیخ نے اپنے علاقے لغمان میں ایک مدرسہ بنانا چاہا، لوگ بہت مخالف تھے۔ شیخ کو بھی معلوم ہوا کہ فلاں خان (چودھری) اگر مان جائے تو مدرسہ بن جائے گا۔ اب شیخ چند قیمتی کمبل اور دیگر تحائف لے کر خان صاحب کے پاس گئے، ہدیے دیے، اس کے ساتھ کھانا کھایا، گفتگو کی اور آخر پر مدرسہ بنانے میں خان کا تعاون طلب کیا۔ خان مان گیا اور یوں مدرسہ بن گیا۔ تو اس طرح شیخ تالیف قلب کے لیے بے پناہ خرچ کرتے۔ بعض لوگ اعتراض بھی کرتے کہ دیکھیں فلاں امیر آدمی کو شیخ نے یہ کچھ دے دیا، فلاں امیر آدمی کو شیخ نے یہ کچھ دے دیا، فلاں دشمن کو شیخ نے وہ کچھ دے دیا...... مگر شیخ جو کچھ خرچ کرتے تھے تو مقصد دین کی دعوت ہوتا تھا۔ شیخ نے ہر جگہ اسی طرح دعوت کو پھیلایا، صوبہ سرحد اور باجوڑ و مہمند ایجنسی کے علاوہ بلوچستان جا کر کوئٹہ تک دعوت پھیلائی۔ لوگ مخالفت کرتے مگر شیخ کہتے ہیں کہ اسی میں خیر ہے۔ ولی اللہ صاحب کہنے لگے کہ بسا اوقات ہم بھی کہتے کہ اس قدر خرچ نہ کرو، جماعت کا مستقبل بھی سامنے رکھو۔ تو وہ کہتے کہ یہ پیسہ ہمیں لوگ دیتے ہیں اور ان ہی کاموں کے لیے دیتے ہیں تو ہم کیوں نہ خرچ کریں؟

عرب شیوخ آتے، شیخ کو کچھ پیسے دیتے وقت کہتے کہ یہ تمہارے لیے ہیں مگر وہ ان پیسوں سے بھی اپنی ذات پر ایک پیسا خرچ نہ کرتے، سب کچھ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتے۔

زہد و تقویٰ

بھائی ولی اللہ صاحب سے میں نے گھریلو گزر اوقات پر سوال کیا تو انہوں نے جرمنی میں اپنی فرم کا کارڈ دیتے ہوئے کہا کہ ہمارا ایک بڑا خاندان ہے۔ جب میں گھر کی حالت دیکھتا تو کاروبار کو دل چاہتا تاکہ گھر کی حالت تو سنورے۔ اس سے قبل مدینے کی جامعہ اسلامیہ میں تین سال تک پڑھتا رہا، وہاں سے بھی پڑھائی اس لیے چھوڑی تاکہ گھر کو سنبھال سکوں، کیوں کہ شیخ تو اس طرف توجہ نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ اب میں نے خوراک کی درآمد و برآمد کی ایک فرم بنائی، جرمنی اور دیگر ملکوں میں کام شروع کیا۔ اسی طرح قیمتی پتھروں کی ایک کمپنی بنائی (Kunar-Gems)۔ اس سے مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کافی آمدنی ہوئی۔ اس سے میں نے اپنے اور شیخ کے گھر بار کو سنبھالا......مگر میری اس تجارت سے شیخ صاحب خوش نہیں تھے۔ وہ مجھے یہی کہتے کہ دین کا کام کرو، میں کاروبار پر اصرار کرتا تو وہ خاموش تو ہو جاتے مگر ان کی اس خاموشی کا مطلب ناپسندیدگی ہوتا تھا۔

میں جب بھی گھر کوئی قیمتی شے لاتا تو شیخ خوب سوال و جواب کرتے کہ یہ کہاں سے لایا...... ایک دفعہ میں ایئر کنڈیشنر لایا۔ شیخ نے حسب عادت مجھ سے سوال کیا، یہ کہاں سے لائے؟ میں اپنے کاروبار کی فائلیں لایا، اپنی آمدنی کو ظاہر کیا، ایک گھنٹہ تک مطمئن کرتا رہا، تب وہ مطمئن ہوئے ......مگر ساتھ ہی یہ کہا: ''یہ میرے کمرے میں نہ لگانا، اپنے کمرے میں لگانا۔'' حالانکہ میں نے اسے خریدا ہی شیخ کے کمرے کے لیے تھا۔

شیخ کا توکل

کنڑ کے حادثہ کے بعد ہمیں یہ اطلاعات ملیں کہ فلاں جگہ یہ منصوبہ بن رہا ہے، فلاں جگہ یہ کچھ ہونے والا ہے۔ تو ان منصوبوں کے بارے میں شیخ کو بتلاتا، خاص طور پر واقعہ کنڑ کے بعد تو شیخ کے راستے میں قاتل ہی قاتل کھڑے ہونے کی اطلاعات ملتیں۔ اسی طرح شہادت سے دو دن پہلے ایک شخص نے مجھے فون کیا اور کہا میں اپنا آپ تو نہیں بتاتا مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان دنوں کچھ ہونے والا ہے، آپ شیخ کی حفاظت کریں۔ چنانچہ میں پشاور

سے باجوڑ گیا۔ شیخ سے ملاقات کرنے کی کچھ فرصت رات کو ملی۔ میں نے کہا: ''لاہور سے دعوت نامے آئے ہیں (ان دنوں مرکز الدعوۃ والارشاد کے سالانہ اجتماع منعقدہ مرید کے کے دعوت نامے شیخ کو بھیجے جا چکے تھے، انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لانے کا وعدہ فرمایا تھا) اور کہا کہ آپ لاہور چلے جائیں۔'' مطلب یہ تھا کہ کچھ دن شیخ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ مگر انہوں نے میری طرف غضب سے دیکھا اور کہا جو گولی جمیل الرحمٰن کے لیے بنی ہے وہ جمیل الرحمٰن کو ہی لگے گی۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔ صبح حفاظتی انتظامات کا جائزہ لیا، اسے کچھ درست کیا اور پشاور آ گیا۔ یہاں پریس کانفرنس کا اہتمام کیا تا کہ کنڑ کی صورتحال سے پریس کو باخبر کیا جائے۔ یہ جمعہ کا دن تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی، رسیور اٹھایا، آواز آئی کہ شیخ صاحب شہید ہو گئے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

عنایت الرحمٰن کی باتیں اپنے بابا کے بارے میں

۱۷ اکتوبر کی صبح میں اس عظیم انسان کے گھر بیٹھا تھا جس کے بارے میں ایک دفعہ برطانوی نشریاتی ادارے (بی بی سی) نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ شیخ جمیل الرحمٰن دنیا کے امیر ترین لوگوں کی صف میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔ یہ زہریلے الفاظ اس لیے استعمال کیے تا کہ افغانی سلفیوں کے مجاہد قائد کو بدنام کیا جا سکے۔ حالانکہ ان لوگوں کو اچھی طرح پتا ہے کہ جو دولت بھی شیخ کے پاس تھی وہ جماعت الدعوۃ کی تھی، امارت اسلامیہ کی تھی ...... جب کہ شیخ کا حال کیا تھا...... وہ مجھے ان کے مکان سے دکھائی دے رہا تھا۔ شیخ کے اس مکان پر میں پہلی دفعہ پہنچا ہوں۔ کرائے کا مکان ہے جس کا فرش ٹوٹا پھوٹا، چھتیں سرکیوں اور کانے کی جنہیں ٹیڑھے میڑھے لکڑی کے بالوں اور شہتیروں نے اٹھا رکھا تھا۔ دیواروں پر پلستر نہیں ہے بلکہ کہیں تو سیمنٹ کی ٹیپ بھی نہیں۔ ضیافت خانہ بھی یوں ہی سادہ سا۔ کرسیاں بھی برآمدے میں پڑی لوہے اور لکڑی کی پرانی سی، تو اس گھر میں شیخ کے بھتیجے بھی رہتے ہیں، خود شیخ بھی اپنی دو بیویوں کے ہمراہ اسی مکان میں رہائش پذیر تھے۔ شیخ کے آٹھ بیٹے اب بھی

یہیں رہائش رکھتے ہیں، بڑے بیٹے کا نام عنایت الرحمٰن ہے۔

سترہ سالہ عنایت الرحمٰن جو کہ معہد الشرعی کی صف الثانوی میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، قرآن بھی حفظ کر رہے ہیں، انہوں نے مجھے اپنے والد گرامی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ ان کا اصل نام محمد حسین تھا۔جمیل الرحمٰن ان کا تخلص تھا مگر انہیں یہ تخلص اس قدر پسند تھا کہ جمیل الرحمٰن ہی ان کا اصل نام بن گیا..... اب وہ اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے شیخ کی زندگی کے مختلف گوشے یوں بے نقاب کرتے چلے گئے۔

شہداء کے وارثوں کا خیال

وہ اس قدر وسیع النظر انسان تھا کہ افغانستان کے کسی علاقے اور کسی بھی جماعت کا کوئی مجاہد شہید ہوتا اور شیخ کو پتا چلتا تو وہ خود اس کے گھر جاتے، اہل خانہ کو دلاسا دیتے، شہید کے وارثوں کے لیے دس ہزار تعاون کرتے۔ جب کہ زخمی کے لیے پانچ ہزار تعاون کرتے۔ پھر خصوصی کارڈ جاری کرتے کہ انہیں جب بھی کوئی ضرورت ہو تو شہداء کے وارثوں کو شیخ سے ملنے میں دقت نہ ہو۔

شہداء کے بچوں سے محبت

جماعۃ الدعوۃ نے یتیموں کے لیے جو دارالایتام بنایا شیخ نے اس کی تعمیر میں خصوصی دلچسپی لی۔ بے پناہ مصروفیات کے باوجود وہاں ایک بجے جاتے اور چار بجے تک وہاں نگرانی کرتے، تعمیر میں خود اپنے ہاتھوں سے حصہ لیتے کہ یہ شہیدوں کے بچوں کا گھر بن رہا ہے۔ بعد میں ان بچوں میں جا کر گھل مل جاتے، ان سے محبت اور پیار کرتے کہ جس طرح ایک باپ اپنے بچوں سے محبت کرتا ہے۔

میدان جہاد میں

جب جہاد شروع ہوا تو ابا جان کے ساتھ چالیس مجاہد تھے۔ پہاڑوں پر انہوں نے

مورچے کھود رکھے تھے۔ ہمارے گاؤں ننگلام سے وہاں مورچوں میں کھانا جاتا تھا۔ چنانچہ جب روسیوں کو پتا چلا کہ کھانا ننگلام سے جاتا ہے تو اس علاقے کے مدرسے جلا دیے گئے، ہماری مسجد کو تالا لگا دیا گیا اور پھر گاؤں پر اس قدر بمباری کی کہ گاؤں کو تباہ کر دیا گیا۔ شیخ اور ان کے ساتھی تیرہ دن تک بھوکے جہاد کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک آدمی کچھ سوکھا ہوا ساگ اوپر لے گیا تو ابا جان اور ان کے ساتھیوں نے پانی میں بھگو کر وہ سوکھا ساگ ابال کر کھایا۔

اسی طرح جب "پھد" فتح ہوا تو کمان ابا جی کے ہاتھ میں تھی۔ اس لشکر میں اس وقت میں بھی موجود تھا۔ میری عمر اس وقت دس بارہ سال کے قریب تھی۔ اس وقت ابا جی اپنے مجاہدوں کے لیے خود کھانا تیار کرتے، سوکھے ہوئے ٹکڑے پتھروں کے ساتھ کوٹتے پھر ان کو پانی میں بھگو کر آگے بھیجتے۔

اسی طرح ہمارے گاؤں میں ایک دفعہ شدید بمباری ہوئی، اس دوران ابا جی اپنے مکان کی ڈاٹ میں کھڑے ہو گئے۔ سارا مکان گر گیا، آخر کار وہ ڈاٹ بھی گر پڑی، ابا جی بھی گر گئے۔ کندھا شدید زخمی ہو گیا، لوگوں نے کہا پشاور لے چلتے ہیں۔ تو پشاور جانے سے انکار کر دیا کہ یہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ آخر دوسرے مجاہد بھی تو زخمی ہوتے ہیں، کیا ہر کوئی پشاور جاتا ہے؟

جہاد کے ابتدائی دو سالوں میں تو عام طور پر وہیں بمباری ہوتی جہاں ابا جان ہوتے۔

لوہے کا چلتا پھرتا پل

جب کنڑ فتح ہوا تو لوہے کا ایک خاص پل غنیمت میں ملا جس میں اور بھی کئی دھاتیں ملی ہوئی تھیں۔ یہ چلتا پھرتا پل تھا، جہاں چاہو استعمال کر لو۔ یہ پل اس وقت تین لاکھ کا بکتا

تھا۔ مگر شیخ نے یہ کہہ کر نہ بیچا کہ آنے والی نسلیں جب اسے دیکھیں گی تو وہ یاد کریں گی کہ ہمارے مسلمان مجاہدوں نے جہاد کر کے دنیا کی سپر پاوروں سے یہ پل غنیمت میں حاصل کیا تھا۔

شیخ سے ایک سوال

ایک دفعہ کسی نے سوال کیا: ''آپ حزب اسلامی میں تھے تو حکمت یار کے بعد آپ کا بڑا مقام تھا، آپ کمانڈر تھے، پھر آپ نے اس مقام کو کیوں چھوڑا؟'' تو انہوں نے کہا: ''اس کا ذہن جمہوری تھا، میں اسے سمجھاتا تھا وہ نہ سمجھا تو محض اسے عقیدۂ توحید کی بنا پر میں نے چھوڑ دیا۔''

گھریلو زندگی

شیخ صاحب کے مکان میں دو گھر ہیں مگر ان کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ دونوں گھر دراصل ایک ہی گھر ہیں...... سارے بیٹوں کو وہ یہی نصیحت کرتے کہ تعلیم حاصل کرو اور پھر سلفیت پھیلاؤ جس طرح ہمارے اسلاف نے پھیلائی اور اپنی زندگی کو اس کام کے لیے وقف کر دو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم چار بھائی معہد الشرعی میں شرعی کتب پڑھتے ہیں اور حفظ بھی کرتے ہیں۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ ابا جان حافظ قرآن بھی تھے۔ اپنے افغانی انداز میں وہ بڑی خوبصورت آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ ان کے کمرے میں کتابیں ہی کتابیں ہیں۔ کم وبیش ان کی تعداد بارہ ہزار ہے۔ وہ رات کو کچھ نہ کچھ مطالعہ کر کے سوتے۔ پھر صبح تین، ساڑھے تین بجے اٹھ جاتے تھے۔ تہجد باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ ابا جان کو ساگ اور مکئی کی روٹی بڑی پسند تھی۔ گوشت میں اوجھڑی ان کی من پسند ڈش تھی۔ بیمار ہوتے تو بجائے علاج معالجے کی طرف بھاگنے کے شہد پر ہی گزارہ کرنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ اسی میں شفا ہے۔ ایک بار ابا جی سعودی عرب گئے تھے، وہاں شاہی مہمان تھے۔ جب

واپس آئے تو ہمارے لیے سوائے آب زم زم اور کھجوروں کے کچھ نہ لائے۔ ہم نے پوچھا: ''ابا جان! ہمارے لیے کیا تحفہ لائے؟'' تو کہنے لگے: ''میں سلفیوں کا باپ ہوں، تحفہ لاتا تو سب کے لیے لاتا ......'' یہ تھا امارت اسلامی کنڑ کا حکمران۔

''جب شیخ شہید ہوئے تو آپ کی والدہ کے کیا تاثرات تھے؟''

عنایت الرحمٰن سے میں نے یہ سوال کیا تو انہوں نے کہا:

''والدہ نے صبر و ثبات کے ساتھ ہمیں خبر سنائی اور پھر تسلی دی اور کہا اللہ ہمارا کارساز ہے۔ جب کہ آپ کے بابا کی شہادت ہمارے لیے اعزاز ہے۔''

آخری سوال میرا یہ تھا کہ شیخ نے آپ کے لیے جاتے ہوئے کیا اثاثہ چھوڑا؟ تو بیٹے نے جواب دیا: ''ہمارے ابا جی جماعۃ الدعوۃ سے تین ہزار لیتے تھے اور اس مکان کا کرایہ بھی تین ہزار ہے۔ جب کہ تین ہزار جو کہ افغان لیڈروں کو ملتا ہے، وہ ہمارے ابا جی کو بھی ملتا تھا۔ تو اسی تین ہزار سے گزارہ چلتا تھا..... تو اب اثاثہ کیا ہوتا......؟'' چنانچہ بقول ''بی بی سی'' کے دنیا کا یہ ایک امیر ترین شخص واقعی امیر تھا..... مگر بہت بڑا غنی تھا کہ وہ سب کچھ اپنی جماعت کے لیے چھوڑ گیا اور اپنے لیے ساری کائنات سے بڑی دولت ایمان اور شہادت اپنے ساتھ لے گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور شیخ کو شہادت کا بلند رتبہ عطا فرمائے۔ (آمین)

شیخ کی دعوت کے اثرات

ایک طالب علم سے ملاقات:

''۱۹۷۸ء کی بات ہے، میں اس وقت چھ سال کا تھا۔ جب مجھے پرائمری سکول میں تعلیم کے لیے بھیجا گیا۔ اس وقت سکول کے اساتذہ اور چوتھی پانچویں کے طالب علم یہ باتیں کرتے کہ کنڑ میں جہاد شروع ہوگیا ہے اور اس کے بعد سات ماہ گزرے کہ ہمارے صوبے لوگر میں بھی لوگ جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔''

افغانستان کے صوبہ لوگر کا رہنے والا نوجوان عبدالحی سلفی مجھے یہ بات بتلا رہا تھا۔ آج وہ بائیس سال کا نوجوان ہے، وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے صوبے میں ضلع ازرہ کے گاؤں اکبر کیل میں جب شیخ جمیل الرحمٰن نے ''جامعۃ الدعوۃ الی القران والسنۃ'' قائم کیا تو اس وقت میں دس سال کا تھا۔ چنانچہ مجھے اس مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے پشاور ہی میں جماعۃ الدعوۃ کے دوسرے مدرسے ''جامعہ محمد بن اسماعیل البخاری'' سے تعلیم مکمل کی۔ انہوں نے کہا کہ جماعۃ الدعوۃ کے تمام مدرسوں میں چھٹیوں کے دنوں میں طلباء کو جہاد پر بھیج دیا جاتا، اس کے بعد انہی طلبہ نے شیخ کی نگرانی میں ''تنظیم طلبہ سلفیہ'' قائم کی جو آج پورے افغانستان میں سرگرم ہے۔

عبدالحی سلفی کہہ رہا تھا ہم نہیں جانتے تھے کہ سلفیت کیا ہوتی ہے؟ ہمیں تو اس کا پتا کنڑ سے چلا کہ جہاں سب سے پہلے جہاد شروع ہوا اور میرے جیسے بے شمار نوجوان اٹھ کھڑے ہوئے...... یہ نوجوان عالم دین صوبہ لوگر میں آج کل تنظیم طلبہ سلفیہ کا امیر ہے۔

جیل سے رہا ہونے والے ایک سلفی طالب علم کی باتیں:

شیخ جمیل الرحمٰن کے قائم کردہ مدرسوں کے طالب علم میدان جہاد میں تو کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہی تھے، جب وہ معرکے کے دوران جیل میں جاتے تھے تو اس وقت بھی وہ سنت یوسفی زندہ کرتے ہوئے داعی الی التوحید بن جایا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک مجاہد کی داستان اس کی اپنی زبان سے ملاحظہ کیجیے:

صوبہ کنڑ میں اسمار سے اوپر شڑیلے نامی قصبہ میں رہتا تھا۔ جب شیخ جمیل الرحمٰن نے

جہاد شروع کیا تو میں نے بھی پشاور میں شیخ کے مدرسے میں پڑھنا شروع کر دیا۔ جب مدرسہ میں چھٹیاں ہوتیں تو جہاد کے لیے چلا جاتا۔ چھ سال قبل بری کوٹ میں کمیونسٹوں کے ساتھ ایک لڑائی میں مجھے قیدی بنا لیا گیا۔ قیدی بنا کر بری کوٹ سے میرے اپنے ہی صوبے کنڑ کے دارالحکومت اسد آباد منتقل کر دیا گیا۔ یہاں مجھے تین ماہ رکھا گیا اور مجھ سے مجاہدین کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے تفتیش کی جاتی رہی۔ اذیت اور تکالیف میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ فوجی بوٹوں کے ٹھڈے مار مار کر دریا کے ٹھنڈے پانی میں ڈبو دیتے۔ جب سمجھتے کہ مرنے کے قریب ہو گیا ہے تو نکال لیتے۔ ایک دفعہ ایک انتہائی چھوٹے سے تنگ و تاریک کمرے میں جب مجھے حد سے زیادہ زدوکوب کیا گیا تو میں نے انہیں اللہ کا واسطہ دے کر رحم کی درخواست کی تو انہوں نے بڑی رعونت سے کہا:

ایں جا خدا نیست............. یہاں خدا نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)

اس کے بعد مجھے ہیلی کاپٹر کے ذریعے جلال آباد منتقل کر دیا گیا۔ یہ جیل اسد آباد سے زیادہ اذیت ناک تھی۔ یہاں میرے ہاتھ میں جو ہتھکڑی ڈالی جاتی اس کی یہ خصوصیت تھی کہ جوں جوں ہاتھ ہلائے جاتے وہ زیادہ سخت ہوتی جاتی۔ ایک روز میں نے یہ کہہ کر اسے ڈالنے سے انکار کر دیا کہ میں تمہارا قیدی ہوں، بھاگ کر کہاں جاؤں گا؟ پھر مجھے یہ کیوں ڈالتے ہو؟ تو محض اتنی سی گفتگو سے مجھے تین دن تک روٹی نہ دی گئی اور اسی پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس جرم کی پاداش میں مجھے ایسے بند کمرے کے فرش پر ڈال دیا گیا جس میں پانی، کیچڑ اور سیمنٹ ملایا گیا۔ اس میں مجھے لت پت کر دیا گیا۔ جسم اکڑ گیا۔ غرض جلال آباد میں مجھے دو ماہ تک رکھا گیا۔ دو ماہ بعد جلال آباد سے بذریعہ ہیلی کاپٹر کابل منتقل کر دیا گیا۔ تیرہ ماہ تک مجھے کابل کی صدارت جیل میں رکھا گیا۔ ہر ماہ دس دن لیٹرین میں رکھتے پھر مجھ سے زبردستی اقرار کرواتے کہ میں نے اتنے روسیوں کو قتل کیا تاکہ وہ مجھے اس جرم میں پھانسی دے سکیں۔ بہرحال میں مصیبتیں برداشت کرتا رہا مگر اقرار نہ کیا۔ چنانچہ اللہ نے

مجھے یہ ثابت قدمی عطا فرما کر پھانسی سے بچا لی۔

ایک بات جو ہمارے لیے تعجب کا باعث تھی، وہ یہ کہ اس جیل میں ہمیں قرآن پڑھنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ میں دینی طالب علم تھا اس سے فائدہ اٹھا کر میں نے اپنے جیل کے ساتھیوں کو قرآن کا ترجمہ پڑھانا شروع کر دیا۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں ترجمہ پڑھتا ہوں تو اس جرم میں اس نے مجھے اور ایک ساتھی کو جسے میں پڑھا رہا تھا ہم دونوں کو ایک انتہائی گندی لیٹرین میں الگ الگ بند کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اسے کہا کہ جناب میں تو اسے فارسی زبان پڑھاتا ہوں، تو اس ظالم نے ہم سے قرآن چھینا، اسے پھاڑ کر پھینک دیا اور لینن کی کتاب زبردستی ہمارے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا کہ یہ فارسی میں ہے اسے پڑھو۔ دل تو چاہتا تھا کہ اسے اور لینن کی کتاب کو پرزے پرزے کر دوں مگر ہم کیا کر سکتے تھے۔

تیرہ ماہ اسی طرح گزر گئے پھر انہوں نے مجھے ایک جج کے سامنے پیش کیا۔ مجھے عدالت میں بولنے کی اجازت نہ تھی بس لکھے ہوئے جرائم کی فہرست مجھے سنا دی گئی کہ یہ انقلاب کے خلاف ہے، اس نے ہجرت کی ہے، یہ جمیل الرحمٰن کا ساتھی ہے، چنانچہ اسے سات سال قید کی سزا دی جاتی ہے۔

اس سزا کے بعد مجھے پل چرخی جیل میں بھیج دیا گیا۔ کابل کی یہ جیل ظلم و جبر کی انتہاء کا دوسرا نام ہے۔ قرآن پڑھنے کی یہاں بھی اجازت تھی مگر ترجمے کے بغیر ......یعنی کفر ڈرتا ہے تو ترجمے سے ڈرتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کو پتا چلے گا کہ میں کیا ہوں اور مجھے کیا کرنا ہے؟ ترجمہ پڑھے گا تو اس کو پتا چلے گا کہ قرآن کے قانون کا غالب کرنا میری ذمہ داری ہے اور اس غلبے کا راستہ یہ کتاب خود بتلاتی ہے اور وہ جہاد ہے اور اسی سے کفر کانپتا ہے۔ بغیر مطلب سمجھے قرآن پڑھنے سے کفر کو کوئی اعتراض نہیں۔ اس نکتے کو ہمیں سمجھنا چاہیے۔ شیخ جمیل الرحمٰن کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ اس نے قرآن فہمی کے لیے افغانستان کے اندر اور باہر

مدارس کے جال بچھا دیے تھے..... بہر حال ظلم سے بھری اس جیل میں جو روٹی دی جاتی اس میں مٹی ملی ہوتی، میں چار سال چھ ماہ اس جیل میں رہا، تشدد کی وہ کون سی قسم اور ہتھیار ہے جو ان ظالموں نے ہم پر استعمال نہیں کیا۔

اڑھائی سال اب میری قید کے باقی تھے کہ نجیب صدر بن گیا، چنانچہ مجھے اس شرط پر رہا کردیا گیا کہ آپ مجاہدوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ میں نے بھی کہہ دیا جنگ کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے قندھار روانہ کردیا۔ قندھار میں تین روز تک ان کے فوجیوں کے ساتھ رہا اور ایک روز موقع پا کر یہاں سے بھاگ اٹھا اور کوئٹہ پہنچ گیا۔ پھر پشاور آ گیا۔ جیل میں اللہ کی توفیق کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کو توحید کی دعوت دی، انہیں سلف کے مسلک سے آگاہ کیا۔ پندرہ آدمی جو رہا ہو چکے ہیں اور اب ادھر پاکستان میں موجود ہیں، وہ اہل حدیث ہو چکے ہیں اور جو ابھی جیل میں ہیں ان کے بھی خطوط آتے رہتے ہیں اور ان کے خطوط میرے پاس موجود ہیں، جن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ہم رہا ہو کر ان شاء اللہ اب شیخ جمیل الرحمٰن کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ میں اب الحمدللہ جماعۃ الدعوۃ کا ایک رضا کار ہوں، امارت اسلامی کے ایک مدرسے میں جو کہ کنڑ خاص میں تھا، وہاں پڑھاتا تھا۔ درۂ نور میں تھانیدار تھا۔ شیخ جمیل الرحمٰن کو اللہ ہم میں سے لے گیا مگر ہم دعوت کا کام جاری رکھیں گے۔ ہم نے نوجوانوں کے لیے ایک تنظیم ''نہضت اسلامی جوانان مجاہد افغانستان'' کے نام سے بنائی ہے۔ یہ تنظیم عقیدے کی بنیاد پر بنی ہے۔ یہ تنظیم سارے افغانستان کے جوانوں کی ہے۔ امیر استاد عبدالظاہر نیازی ہیں۔ یہ سلفی العقیدہ نوجوان صوبہ لوگر کے رہنے والے ہیں اور پورے افغانستان میں احیائے سلفیت کا کام کر رہے ہیں۔ نجیب اور اس کے حواری اس قدر کسی تنظیم سے نہیں ڈرتے جس قدر سلفیوں سے ڈرتے ہیں۔ میں جب گرفتار ہوا تو میری عمر سترہ سال تھی، اب میری عمر چوبیس سال ہے۔ اللہ کے حضور دعا یہ ہے کہ باقی عمر بھی اسی طرح دین اسلام کی سرفرازی میں بسر ہو۔

شیخ کے ایک عرب مجاہد ساتھی کے ساتھ جیل میں کیا بیتی

تمام افغان لیڈروں میں بھی جمیل الرحمٰن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے افغانستان کے جہاد میں عقیدے اور علم کو ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کیا۔ باقی تمام لیڈر جنگی محاذوں پر لڑائیاں لڑتے رہے مگر شیخ نے روسیوں کے خلاف مسلح جہاد کے ساتھ ساتھ جہالت اور شرک و بدعت کے خلاف بھی محاذ کھولا۔ اس مقصد کے لیے شیخ نے افغانستان کی سرحد سے ملحق پاکستان کے علاقے میں مدارس کے جال بچھا دیے۔ یہاں افغان نوجوان تعلیم حاصل کرتے اور جہاد بھی کرتے۔ وہ ایک مجاہد کے ساتھ ساتھ داعی بھی ہوتے۔ افغانستان کے اندر بھی دیہاتی علاقوں میں جہاں حالات نے اجازت دی شیخ نے وہاں مدرسہ قائم کر دیا۔

یہی وہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر شیخ کو پورے افغانستان میں وہابی مشہور کر دیا گیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ شیخ کے پاس صحیح العقیدہ عرب سلفی نوجوان آتے اور وہ جماعۃ الدعوۃ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے، یہ لوگ اپنا مال بھی خرچ کرتے اور جانیں بھی اللہ کی راہ میں نچھاور کرتے۔ ان عرب بھائیوں میں ایک ساتھی ابو جہاد جلال آباد کے محاذوں پر لڑتے ہوئے کمیونسٹوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس کی داستان اسی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

پل چرخی کے ایک قیدی کی داستان

ہم جلال آباد میں مصروف جہاد تھے، ہمیں خبر ملی کہ دشمن نے ایک بڑی تیاری کے ساتھ عرب بھائیوں کے مورچوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی ہوائی جہازوں نے ہمارے مورچوں پر شدید بمباری شروع کر دی۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ ٹینکوں کی بہت بڑی تعداد ہماری طرف بڑھ رہی ہے۔ ہم نے اپنا دفاع اور دشمن کو روکنے کا پروگرام بنایا مگر ٹینکوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی اور اس حملے کو روکنے کے لیے خط اول پر

ہمارے پاس بھاری اسلحہ کم تھا۔ چنانچہ امیر جہاد نے ہمیں جبل قبا کے پیچھے چلے جانے کو کہا۔ چنانچہ ایک گروپ دشمن سے مزاحم ہوتا رہا جب کہ باقی گروپ بحفاظت محفوظ جگہ پر چلے گئے۔ اب آخر میں ہمارا گروپ تھا جسے محفوظ جگہ پہنچنا تھا۔ اوپر سے ہم پر جہازوں کی بے پناہ بمباری تھی اور سامنے دشمن سر پر چڑھا ہوا تھا اور اسلحہ ہمارے پاس کم تھا۔ میں اب بہت زیادہ تھک بھی چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا کچھ اسلحہ اپنے ایک ساتھی کو دے دیا، ہمارے پاس صرف ہلکا اسلحہ باقی تھا۔ ٹینک شکن اسلحہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں بوجھ سے ذرا ہلکا ہو کر واپس پلٹنے لگا تو سو میٹر کے فاصلے پر میرے سامنے ٹینک تھا جو تیزی کے ساتھ میری طرف بڑھ رہا تھا، میں دوسری سمت گھوما تو اس جانب بھی ٹینک تھا، اب دونوں ٹینک میری طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے اور میرے پاس ٹینکوں کے مقابلے میں اپنے دفاع کے لیے مطلوبہ اسلحہ راکٹ لانچر وغیرہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ ٹینک میرے قریب آ کر مجھے کچل کر پریس کردے گا اور میں نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا مگر ایک ٹینک میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا، اس سے ایک فوجی باہر نکلا اور اس نے مجھ سے پوچھا: ''کیا تو مجاہد ہے؟'' میں نے کہا: ''میں عربی ہوں۔'' چنانچہ اس نے دوسرے آدمی کو بھی بلا لیا اور انہوں نے مجھے ٹینک کے اندر داخل کرلیا۔

پھر یہ لوگ مجھے پہاڑ کی ایک سرنگ میں لے گئے جہاں جلال آباد میں موجود فوج کے بڑے بڑے افسر تھے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ میں عربی ہوں جسے گرفتار کیا گیا ہے تو وہ سب باری باری مکوں، گھونسوں اور ٹانگوں کے ساتھ مجھ پر پل پڑے اور ان میں سے ایک کانا تھا، وہ تو چیختا ہوا میری آنکھوں کی طرف اس طرح آگے بڑھا کہ وہ میری دونوں آنکھیں نکال لے گا۔ چنانچہ وہ مجھ پر پل پڑا اور میری دونوں آنکھیں نکالنے کی کوشش کرنے لگا مگر قبل اس کے وہ یہ کام کر گزرتا ایک افسر نے آگے بڑھ کر مجھے اس سے چھڑوایا اور پھر انہوں نے مجھے ایک بکتر بند گاڑی میں جلال آباد شہر روانہ کردیا۔

جب ہم جلال آباد میں پہنچے تو ایک افسر نے مجھے گاڑی سے نکالا اور سڑک کے درمیان ایک کرسی پر بٹھا دیا اور پھر بلند آواز سے موجود لوگوں کو آواز دی: ''لوگو! دیکھو! یہ عربی وہابی ہے۔'' لوگ جو وہاں موجود تھے بڑی تیزی سے دوڑ کر میرے گرد جمع ہونے لگے کہ دیکھیں تو سہی یہ عجیب مخلوق کون ہے اور پھر ان میں سے ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق مجھے پیٹنے لگا۔ حتیٰ کہ مجھے اپنی موت نظر آنے لگی مگر قبل اس کے کہ میری روح میرے جسم سے جدا ہوتی انہوں نے مجھے ایک کار میں بٹھایا اور جلال آباد ایئر پورٹ پر لے گئے، وہاں سے مجھے ہوائی جہاز کے ذریعے کابل پہنچا دیا گیا۔

خاد کے دفتر میں

کابل میں مجھے خاد کے دفتر میں لے جایا گیا، وہاں عربی کا ایک مترجم منگوایا گیا اور دس روز تک میری تفتیش کرتے رہے اور پوچھتے رہے کہ کن کے ساتھ تو کام کرتا ہے؟ یہاں کیوں آیا؟ افغانستان میں داخل کیسے ہوا؟ کس ملک کے لیے جاسوسی کرتا ہے؟ افغانستان میں عربوں کی تعداد کتنی ہے؟ تمہارا امیر کون ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے انہیں ان کے سوالات کے جوابات دیے مگر کوئی ایسی بات نہ بتلائی جس سے جہاد کو نقصان پہنچے۔ پھر وہ افسر جو کہ میری تحقیق و تفتیش کر رہا تھا مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، اچھا تو پھر تو مجاہد ہے مگر کہا ہے جہاد؟ اور پھر جلادوں کو حکم دیا کہ وہ مجھے ماریں۔ پھر کچھ دن یونہی گزرنے کے بعد دوبارہ مجھے حاضر کیا گیا اور کہا کہ تو نے جو کچھ کہا وہ سب جھوٹ تھا اور پھر طرح طرح کی سزائیں اور ایذائیں پہنچانے کے بعد انہوں نے مجھے صحافیوں کے سامنے پیش کرنے کا پروگرام بنایا۔

ایک افسر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''صحافیوں کے سامنے پیش ہو جاؤ اور انہیں کہو کہ میں جاسوس ہوں اور میں جمہوری افغانستان کی جاسوسی کرنے کے لیے آیا ہوں اور یہ کہ مجاہدین اس وطن اور اس کی سرزمین کا سودا کرنے والے ہیں اور یہ کہ جہاد کو گالی دو اور مجاہدین پر لعنت کرو۔'' چنانچہ میں صحافیوں کے سامنے گیا اور جو اللہ کو منظور تھا وہ میں نے کہا۔

اس کے بعد تیسری مرتبہ انہوں نے مجھے طلب کیا اور بعض ایسے جلادوں کے سپرد کیا جو بجلی کے جھٹکے اور دیگر طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے۔اب میں ان کے ہاتھوں میں لاچار اور بے بس ہو چکا تھا۔چنانچہ میں نے ان کی ایذاؤں سے بچنے کے لیے کہا کہ مجھے فلاں ملک نے جاسوسی کے لیے بھیجا ہے وغیرہ وغیرہ......تو اب وہ مجھے ایک بلڈنگ کے چھوٹے سے کمرے میں لے گئے۔وہاں انہوں نے مجھے بٹھا دیا اور جج مجھ سے سوالات کرنے لگا تو میں نے ان سب باتوں کا انکار کردیا جس کا میں نے فوجی افسروں کے سامنے اقرار کیا تھا اور کہا کہ یہ دباؤ اور ظلم کی وجہ سے اعتراف تھا۔اب وہ بس مذاق کرتے ہوئے میری اس بات پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے یہ تو تیری ریہرسل تھی کہ بھلا تو اصل عدالت کے سامنے جا کر کیا کہے گا؟

پھر ایک روز انہوں نے مجھے عدالت کے سامنے پیش کردیا۔میں جب کمرے میں داخل ہونے لگا تو وہاں بہت سے لوگوں کا جم غفیر تھا جو ایک وہابی اور عربی کو عدالت میں دیکھنے کے لیے آیا تھا۔

عدالت میں پیش ہوا تو مجھ پر یہ الزامات پڑھ کر سنائے گئے: ''یہ ویزے اور پاسپورٹ کے بغیر افغانستان میں داخل ہوا، یہ تخریب کار گروہ کا ساتھی ہے۔بغیر لائسنس کے یہ اسلحہ رکھتا تھا۔افغانستان کے امن کو غارت کرنے کے لیے یہ بیرونی دشمن ملکوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔''

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے علمائے سو دکھائی دیے جو سرکاری اور درباری تھے۔بڑے بڑے پگڑ انہوں نے باندھ رکھے تھے اور ان کے ساتھ جاسوس ادارے ''خاد'' کی نوجوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔

ان الزامات کا میں نے جواب دیا اور پھر قاضی نے مجھ سے پوچھا: ''تم فلسطین میں جہاد کیوں نہیں کرتے؟'' میں نے جواب دیا: '' اس لیے کہ افغانستان میں تو جہاد کے مواقع

موجود ہیں جب کہ فلسطین میں کہاں؟ اور جب وہاں دروازے کھل جائیں گے تو وہاں بھی کریں گے مگر ہم افغانستان میں کیوں انتظار کریں کہ اسے بھی گنوا بیٹھیں جس طرح کہ تاشقند، بخارا اور سمرقند گنوا بیٹھے۔''

پھانسی اور پھر ۲۰ سال قید

اب قاضی نے فیصلہ سنایا کہ جمہوری افغانستان کے قانون کے مطابق ان جرائم کی سزا پھانسی ہے۔ مگر حکومت نے انسانی ہمدردی کی بنا پر اس سزا میں تخفیف کر کے بیس سال کی سزا سنائی ہے۔

پل چرخی جیل میں

اب ہمیں پل چرخی جیل میں منتقل کر دیا۔ یہاں عرب تھے، پاکستانی بھی تھے، افغان مجاہدین اور خلق پرچم کے کمیونسٹ بھی تھے۔ جیل کے داروغوں نے باقی قیدیوں کو ہمارے ساتھ ملنے جلنے سے سختی سے منع کیا اور ڈرایا کہ وہابی ہیں جن سے مل کر آدمی کا مذہب خراب ہو جاتا ہے۔

سختیوں کے ساتھ ساتھ اللہ کا یہ احسان بھی تھا کہ ہمیں بعض لوگ ملنے آتے اور کھانے پینے کی مختلف چیزیں لاتے اور کہتے کہ یہ تمہارے فلاں عرب بھائیوں کی طرف سے ہیں۔ ہم تعجب کرتے کہ یہ لوگ اور یہ چیزیں ہم تک کیسے پہنچ جاتی ہیں اور وہاں سے پہنچ جاتی ہیں جہاں سے ہمارا وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔

جیل میں عیسائیت

جیل میں بین الاقوامی سرخ صلیب کے نمائندے بھی آتے جو مختلف چیزیں دے کر عیسائیت کی طرف راغب کرتے۔ ایسا ہی ایک وفد آیا، اس نے ہم سے ملاقات کرنا چاہی تو ہم نے اسے مسترد کر دیا۔ پھر زبردستی ہماری ملاقات کروائی گئی۔ انہوں نے ہم سے کہا:

''آپ کو رسائل اور دیگر جو بھی ضرورت ہے وہ بتلائیں؟'' ہم نے کہا: ''ہمیں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔'' پھر اسی تنظیم کی ایک عیسائی عورت جو ایران سے تعلق رکھتی تھی وہ آئی، وہ اپنے حسن کی شوخیاں دکھلاتی، فارسی میں گانے گاتی اور پھر قیدیوں کے ساتھ نازیبا حرکات کرتی۔

پھر انسانی ہمدردی کے نام پر کچھ دوسرے عیسائی صلیبی آئے۔ وہ بڑے دلکش اور خوبصورت بیگ تقسیم کرتے تھے۔ جن میں مختلف چیزیں ہوتیں، ان پر صلیب کے نشان بنے ہوتے تھے۔

جیل میں حکومت کی طرف سے نشہ آور چیزیں بھی دی جاتیں اور اس قسم کے ٹیکے بھی لگائے جاتے کہ جن سے قیدیوں کو فحاشی پر ابھارا جائے اور ان کے اخلاق کو تباہ کیا جائے۔

مجھے سزا دینے والا افسر بھی قیدی بن گیا

جنرل شاہنواز تنائی نے جب کابل میں نجیب کے خلاف انقلاب برپا کیا اور وہ ناکام ہو گیا تو اس جیل میں میرے ساتھ وہ جنرل بھی قیدی بن گیا کہ جس نے جلال آباد میں مجھے سڑک پر بٹھا کر عذاب سے دوچار کیا تھا اور اب وہ جیل میں ہمارا ساتھی تھا۔ اس کے ساتھ دو ہزار فوجی مزید تھے جو اس جیل میں لائے گئے۔

ابو جہاد کہ جو اب اس جیل خانے سے آزاد ہو چکے ہیں، انہوں نے اپنی داستان سنانے کے بعد مجاہد ساتھیوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ دنیا بھر میں حق کے لیے جو ہمارے ساتھی جیلوں میں موجود ہیں انہیں دعاؤں میں نہ بھولیں۔

آٹھواں باب

جب کنڑ سے روسی بھاگے

آٹھواں باب

جب کنڑ سے روسی بھاگے

کنڑ کی اسلامی فوج کے سالار جان داد خان کی باتیں

سوال: خان صاحب! میرا خیال ہے بات وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے شیخ جمیل الرحمٰن ؒ نے شروع کی اور آپ نے ابتداء ہی میں شیخ کا ساتھ دیا تو اس ساتھ دینے کی تفصیل ہم سننا چاہیں گے؟

جواب: پہلے ہم ''دیواگل'' گاؤں میں رہتے تھے، اب شیخ کے علاقے درہ پیچ میں ''سیدور'' گاؤں میں رہتے ہیں۔ شیخ نے جب جہاد شروع کیا تو میں اس وقت سے ہی شیخ کا ساتھی بن گیا حتیٰ کہ شیخ نے جب ظاہر شاہ کے دور میں اپنی جد وجہد کا آغاز کیا تو میں نے شیخ سے عہد کیا کہ تا زندگی آپ کے ساتھ رہوں گا۔ داؤد خان کے دور میں بھی شیخ کے ساتھ رہا اور پھر جب ''ترہ کی'' روس کے تعاون سے صدر داؤد کو قتل کر کے افغانستان کا صدر بنا تو اب کشمکش اور زیادہ تیز ہوگئی۔ حتیٰ کہ اس کے دور میں حکومت نے شیخ کے دو قریبی ساتھیوں گلاب سید اور مولانا محمد سردار کو گرفتار کر لیا۔ ادھر جب ہمیں اس کی اطلاع ہوئی تو ہم نے گرفتار کرنے والے فوجی دستے پر حملہ اور اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ میں نے چھ مجاہدوں کو ہمراہ لیا۔ درے کی بنی ہوئی رائفلیں ہمارے پاس تھیں اور ہم ننگلام سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ جہاں سے حکومت کے فوجی دستے نے ہمارے ساتھیوں کو لے کر گزرنا تھا۔ چنانچہ ایک جیپ اور دو بڑی گاڑیاں جونہی ہمارے قریب سے گزریں ہم نے حملہ کر دیا۔ جیپ تو بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئی، اللہ کی مدد کا نظارہ کہ اسی جیپ میں

افسر ان کے ہمراہ ہمارے ساتھی تھے جب کہ گاڑیاں ہماری زد میں آ گئیں اور ہم نے اللہ کے فضل سے پانچ کمیونسٹ فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، جب کہ اس معرکے میں ہمارا ایک ساتھی عبد المتین شہید ہوا۔ یہ جماعۃ الدعوۃ کا پہلا شہید تھا۔ یہ زبردست خان کہ جن کا ہاتھ زخمی ہے اور زیر علاج ہے، یہ عبد المتین کے مجاہد فرزند ہیں۔تو یہ تھا پہلا باقاعدہ معرکہ کہ اس کے بعد پھر مسلح جہاد کا آغاز ہو گیا۔

سوال: حکومت کا اس پر کیا رد عمل تھا؟

جواب: دوسرے ہی دن حکومت کے فوجی طیارے آ گئے، انہوں نے شیخ کے گاؤں منگلام پر بے پناہ بمباری کی۔ پانچ ہزار آبادی والا یہ گاؤں تھا، اس میں آگ بھڑک اٹھی، ۲۵ مساجد تھیں ان کو بھی آگ لگادی گئی، شیخ کا گھر اور کتب خانہ بھی نذر آتش کر دیا گیا۔

سوال: شیخ کے ان دونوں ساتھیوں کے بارے میں اب کچھ پتا چلا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟

جواب: آج تک ان کے بارے کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ اگر ہوتے تو لامحالہ اب تو وہ رہا ہو جاتے۔لہذا خیال یہی ہے کہ حکومت نے انہیں بھی شہید کر دیا ہے۔

سوال: منگلام پر کمیونسٹوں کے ظلم کے بعد پھر آپ نے ان کے خلاف کیا کیا؟

جواب: شیخ نے مجھے جوابی طور پر تحصیل ''مانوگی'' پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے پچاس مجاہدین ہمراہ لیے اور ''مانوگی'' پر حملہ کر دیا۔ اے سی وہاں سے بھاگ گیا جب کہ بارہ افراد کو ہم نے قتل کر دیا، چودہ کو گرفتار کر لیا، تیس بندوقیں اور کلاشنکوفیں ہم نے مال غنیمت میں حاصل کیں۔ ان چودہ قیدیوں کو بعد میں ہم نے ایک جرگے کے فیصلے کے نتیجے میں رہا کر دیا۔ اب تحصیل مانوگی پر ہمارا مکمل قبضہ تھا۔ چنانچہ ہم سے قبضہ چھڑانے کے لیے کمیونسٹوں نے ایک ''کانوائے'' بھیجا۔ ہمیں بھی اس کانوائے کا پتا چل گیا۔ چنانچہ یہ کانوائے جب ''ڈمٹیل'' کے میدان میں آیا جو کہ درہ پیچ کے وسط میں ہے تو ہم نے آگے پیچھے سے محاصرہ کر کے اس کانوائے پر زوردار حملہ کر دیا۔ اس حملے میں یہ

پورا کانوائے تباہ ہوگیا۔ اس کانوائے میں تیس ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور افسران کی جیپیں بھی شامل تھیں۔ اس معرکے میں دشمن کے پچاس افراد قتل ہوئے۔ باغیوں نے خوف اور دہشت سے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور وہ وہیں ڈوب کر مر گئے۔ جب کہ ہمارے چار مجاہد شہید ہوئے اور اس معرکے میں قومندان قاضی صاحب شیخ کے خاندان کے افراد اور دیگر مجاہدین نے حصہ لیا جن کی کل تعداد ایک صد تھی۔

مجاہدین کی ان کامیابیوں اور اپنی ناکامیوں کو دیکھ کر حکومت گھبرا اٹھی۔ چنانچہ اس نے اب ایک اور دستہ بھیجا۔ یہ دستہ جب ''وانا پور'' آیا تو مجاہدین نے اس پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ اوپر سے نیچے آتے آتے ''پیر ونی ڈاک'' کے مقام تک زور کا رن پڑا اور یہاں پر کمیونسٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے ۱۴۰ آدمی مارے گئے جبکہ ہمارے ۱۲ مجاہد شہید ہوئے۔ ان کی تیس گاڑیاں ہمارے ہاتھ آئیں جب کہ پانچ ٹینک ہم نے تباہ کر دیے۔

اس کے بعد حکومت نے ایک بہت بڑا ''کانوائے'' یعنی فوجی دستہ شیخ کے علاقے پر کنٹرول کے لیے بھیجا۔ یہ دستہ چھ سو فوجیوں پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ معرکہ آرائی میں (الحمدللہ) چار سو کمیونسٹ فوجیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں بڑے بڑے افسران بھی موجود تھے۔ جب کہ ۲ سو کو قتل کر دیا۔ اس معرکے سے ہم نے آٹھ دھشکے حاصل کیے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہم نے دھشکہ جیسا عظیم بھاری ہتھیار حاصل کیا تھا۔ چنانچہ ہماری مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ہم نے ان دھشکوں میں سے دو احمد شاہ مسعود کو دیے۔ ایک صوبہ لغمان میں بھیجا، جب کہ باقی سات کنڑ کے دارالحکومت اسد آباد کے گرد مختلف دروں پر نصب کر دیے۔

اسمار کی فتح اور اسد آباد کا محاصرہ

اللہ نے ہمیں پے در پے فتوحات سے نوازا، مال غنیمت بھی دیا، چنانچہ اب ہم نے اسد

آباد کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ہم نے دو ماہ تک جاری رکھا، اس دوران ''کیرالا'' گاؤں جو کہ اسد آباد کے قریب ہے، وہاں کے باسیوں نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اس تعاون کے جرم میں یہاں کا کمانڈر شاہنواز تنائی ایک روز فوجیوں کی بھاری جمعیت لے کر اس گاؤں میں پہنچا اور سارے گاؤں کے لوگوں کو یہ کہہ کر اکٹھا کیا کہ گورنر اس گاؤں کے سب لوگوں سے خطاب کرنا چاہتا ہے اور مدد کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ لوگ جمع ہو گئے۔ تو شاہنواز نے فوجیوں کو طے شدہ منصوبے کے مطابق حکم دیا اور گولیوں کے برسٹ نکلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے سات سو مظلوموں کے لاشے تڑپنے لگے۔ بعد میں اس ظالمانہ کارنامے کی وجہ سے اس کمانڈر کو جنرل بنایا گیا اور پھر یہ وزیر دفاع ہوا اور آخر کار حکمت یار کے ساتھ مل کر اس نے نجیب کا تختہ الٹنے کی کوشش کی جو ناکام ہوگئی۔

دو ماہ بعد ہم نے اسد آباد کا محاصرہ ختم کیا اور ''اسمار چھاؤنی'' کا محاصرہ کر لیا۔ کیونکہ ہم نے سوچا کہ اسد آباد اس وقت تک فتح نہیں ہوگا جب تک اس چھاؤنی کو فتح نہیں کیا جاتا جو کہ اسلحہ کی سپلائی کا مرکز ہے۔ چنانچہ جب ہم نے اس کا محاصرہ کیا تو روزانہ بیسیوں جہاز اوپر سے اپنے فوجیوں کو اسلحہ اور غذا پہنچاتے۔ مگر آخر کار انہیں ہتھیار پھینکنے ہی پڑے اور ہم نے اس چھاؤنی سے سات سو فوجی گرفتار کیے۔ یہ ''ترہ کی'' کا آخری دور تھا۔ پھر اس کے قتل کے بعد حفیظ اللہ امین صدر بنا۔ حفیظ اللہ امین چند ماہ ہی صدر رہ سکا، پھر روس نے اس کو قتل کیا اور ببرک کارمل کو صدر بنایا۔ ببرک کارمل نے اب ایک بہت بڑا کانوائے اسمار چھاؤنی میں بھیجا۔ ہمارے بہت سے مجاہد شہید ہوئے حتیٰ کہ ہمیں اسمار کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھنا پڑا۔ پہاڑوں پر چڑھنے کے چار دن بعد ہم نے دوبارہ اسمار پر چھاپا مار کارروائی کی اور اس کارروائی میں اس قدر اسلحہ ہمارے ہاتھ آیا کہ پھر کبھی اتنا اسلحہ ہمارے ہاتھ نہیں آیا۔

اسد آباد کی فتح

اب اپنے مجاہدین اور بے شمار اسلحہ سمیت ہم نے دوبارہ اسد آباد پر ہلہ بول دیا۔ چنانچہ

پہلے ہی حملے میں ہم نے ۲۲۰ فوجی گرفتار کر لیے۔ شیخ جمیل الرحمٰن حفظہ اللہ جو کہ اسمار سے اسد آباد تک سب معرکوں میں ہمارے چیف کمانڈر تھے، ان کی قیادت میں جب میں اپنے مجاہدین سمیت اسد آباد میں داخل ہوا تو ہم نے شیخ کے حکم پر کمیونسٹوں کے تمام الحادی لٹریچر اور ان کے دفتروں کے ریکارڈ کو جلایا اور درانتی و ہتھوڑے کو توڑا...... اس عظیم فتح کے بعد روسیوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ لہٰذا اب انہوں نے افغان فوجیوں کی بجائے چار سو روسی فوجی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اسد آباد کے قریب اتارے۔ ہم بھی اللہ کے فضل سے بے خبر نہیں تھے۔ چنانچہ ہم نے ان چار سو کا محاصرہ کر کے سب کو گرفتار کر لیا اور پھر یہ چار سو کے چار سو ہی جہنم واصل کر دیے۔ روسیوں کی اتنی بڑی تعداد کے قتل ہونے نے ماسکو میں کریملن کو ہلا کر رکھ دیا۔ چنانچہ اب انہوں نے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے لیس ایک مضبوط کانوائے کو ہیلی کاپٹروں اور جہازوں کی فضائی چھتری فراہم کر کے اسد آباد روانہ کیا۔ جب کہ اب ہم پھر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ روسیوں نے اب کانوائے پر کانوائے بھیجنا شروع کر دیے حتیٰ کہ پھر اسد آباد کے بعد روسیوں کے ساتھ ہمارا معرکہ ''برکنڈے'' کے گاؤں میں ہوا۔ یہ گاؤں ننگلام سے نیچے ہے، یہاں ہم نے اللہ کی توفیق سے اس قدر زوردار مقابلہ کیا کہ روسی چار سو پچاس لاشیں چھوڑ کر بھاگے اور جو بھاگے تو وہ اس طرح کہ خوف سے انہوں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور ڈوب مرے۔ یہ کس قدر ڈوب مرے ان کی تعداد کا پتا نہیں، ہم نے تو جو خود قتل کیے وہ ساڑھے چار سو گنتی کیے۔ معرکے کے بعد جب ہم برکنڈے کے گاؤں میں داخل ہوئے تو ایک کمرے میں پانچ روسی چھپے ہوئے تھے۔ میں نے پانچوں کو کلاشنکوف کے برسٹ سے ڈھیر کر دیا۔ دوسرے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں بھی پانچ تھے، میں نے انہیں بھی وہیں جہنم واصل کر دیا۔ اس کے بعد یہاں بھی ببرک نے بڑے مضبوط کانوائے بھیجے۔ چنانچہ ان کے ساتھ معرکوں میں ہمیں پہاڑوں پر چڑھنا پڑا۔ اب میں بھی زخمی ہو چکا تھا۔ لہٰذا چار ماہ تک میں زخمی ہو کر جنگل میں پڑا رہا، جو میسر ہو سکا، تھوڑا بہت

علاج ہوتا رہا۔ اب روسیوں نے کنڑ میں اودھم مچا دیا تھا۔لوگ دھڑا دھڑ ہجرت کرنے لگے۔
سوال: اس کے بعد دوبارہ آپ نے معرکے کب شروع کیے؟ اور کب آپ تندرست ہوئے؟
جواب: جیسا کہ میں نے بتلایا کہ زخمی ہوکر چار ماہ تک جنگل میں پڑا رہا، زخم کافی زیادہ تھے۔
چنانچہ کچھ افاقہ ہونے پر میں پاکستان آ گیا۔ یہاں پشاور میں میرا علاج ہوتا رہا۔ ایک سال بعد تندرست ہونے پر پھر اندر داخل ہوا اور مکمل منصوبہ بندی کر کے ننگلام پر حملہ آور ہوا۔ یہ بہار کا موسم تھا، اس موسم میں ہم نے روسیوں کے سات کانوائے تباہ کیے۔
سوال: ان تباہیوں کی تفصیل؟
جواب: میرے بھائی! میں کہاں تک تفصیل بتاتا چلوں؟ میں نے اللہ کی توفیق سے ۱۰۵ معرکے لڑے ہیں، ہر معرکے کی ایک لمبی داستان ہے۔
سوال: تو آپ کے جسم پر زخموں کے نشانات تو بہت ہوں گے کیا آپ مجھے دکھلائیں گے؟
جواب: (اب اسلام کے جرنیل نے اپنی ٹانگیں، سینہ اور بازو میرے سامنے پھیلا دیے۔ یہ میرے سوال کا عملی جواب تھا کہ جان داد خان کا جسم زخموں سے چور تھا۔اللہ قبول فرمائے۔)
سوال: اس کے بعد کوئی اور معرکہ؟
جواب: چناری کے مقام پر ایک معرکہ لڑا۔ اس معرکے میں ۴۲ فوجیوں کو میں نے خود گرفتار کیا۔ ان میں سات بڑے افسران تھے، جنہیں میں نے قتل کر دیا۔ جب کہ باقیوں کو خادم کی حیثیت سے خدمت پر لگا دیا اور جب وہ ہمارے شب و روز دیکھ کر دین کی طرف مائل ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو میں نے انہیں رہا کر دیا۔
اسی طرح علاقہ کریٹر جو کہ ناٹگو کے قریب ہے اور اب وہاں معسکر طیبہ ہے، وہاں بھی ہمارے اور کمیونسٹوں کے درمیان مشہور معرکہ ہوا اور اس میں بہت سارا اسلحہ ہمارے ہاتھ

آیا۔ اس کے بعد شیخ نے مجھے دریا کے دوسری جانب بھیج دیا۔ وہاں بھی چار سال تک لڑتا رہا۔ یہ مجاہد جو آپ کے پاس بیٹھا ہے، اس کا نام سید زمین ہے۔ یہ بھی میرے ساتھ کریٹر کی لڑائی میں زخمی ہوا تھا۔ اس کے بعد کنڑ فتح ہوگیا اور ہمیں بے شمار مال غنیمت ملا۔

سوال: میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے روسی کمیونسٹوں کو ذبح بھی کیا ہے تو یہ بات اگر صحیح ہے تو آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں؟

جواب: جب خیوہ فتح ہوا تو دو سو آدمیوں کو ہم نے گرفتار کیا تھا۔ ان میں سے چالیس کو ذبح کیا تھا اور شیخ کے ایک ساتھی موسیٰ خان کے بدلے میں ہم نے کمیونسٹ جنرل کو رہا کر دیا۔

سوال: ذبح کرتے وقت چیخ و پکار یا منت سماجت تو نہیں کرتے تھے؟

جواب: اس وقت وہ ایسے ہوتے تھے جیسے پہلے ہی مر گئے ہوں۔ چیخ و پکار کی ان میں سکت ہی نہ ہوتی تھی۔ اس قدر ان پر دہشت طاری ہوتی تھی۔ حالانکہ یہی وہ ظالم ہوتے تھے جو افغانیوں پر ایسے ظلم ڈھاتے تھے کہ شیطان کو بھی رحم آجائے مگر ان ظالموں کو نہیں آتا تھا۔

سوال: کنڑ میں کمانڈر انچیف تو آپ ہی تھے؟

جواب: کمانڈر تو شیخ رحمہ اللہ ہی تھے، میں تو شیخ کے نائب کی حیثیت سے جو وہ حکم کرتے عمل کرتا تھا۔

سوال: آپ کے ساتھ جماعۃ الدعوۃ کے دوسرے بڑے کمانڈروں کے نام؟

جواب: مولانا عبدالرؤف، کمانڈر نقیب اللہ، کمانڈر عبدالرحمٰن، کمانڈر محمد رحیم خان، کمانڈر میاں گل۔

سوال: آپ سب سے بڑے کمانڈر رہوئے تو آپ کی سپاہ کی تعداد کیا تھی؟

جواب: تیس ہزار مجاہدین کی سپاہ تھی جو باقاعدہ اور بے قاعدہ تھی۔ شیخ کی زندگی میں پھر باقاعدہ سپاہ سولہ ہزار تھی جب کہ اس وقت چھ ہزار ہے کہ جسے باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔

سوال: آپ کے کتنے بچے ہیں اور کیا وہ آپ ہی کی طرح مجاہد ہیں؟

جواب: میرے تین بیٹے ہیں، تینوں مجاہد ہیں، ایک ۱۵ سالہ بیٹا توپچی ہے۔ پچھلے دنوں نشانہ بازی کے مقابلے میں اول آیا ہے۔ ایک بیٹے کو ہمارے مجاہد...... محبت سے شہید اللہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بھاری اسلحہ چلاتا ہے۔

سوال: جمیل الرحمٰن شہید کو آپ نے کیسا پایا؟

جواب: شیخ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اخلاق ان کا بہت بلند درجے کا تھا۔ وہ جہاد میں مجاہد ہوتا تھا، علماء میں عالم اور بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتا تھا۔ اپنے اس راہنما کے شہید ہونے کی جب مجھے خبر ملی تو یقین نہ آیا۔ پھر میں نے خود وائرلیس پکڑی، رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ شیخ تو واقعی شہید ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہ سنتے ہی میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اب میں نے کلمہ بھی پڑھ لیا کہ شاید آخری وقت ہے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو میری زبان سے نکلا کہ جب تک حزبیوں کو کنڑ سے نکال نہ لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا اور پھر میں اپنے شیخ کے جنازے پر بھی نہ آیا اور اپنے مشن پر مشغول ہو گیا۔ حتیٰ کہ اللہ کی مدد سے ہم نے کنڑ پر دوبارہ قبضہ کیا اور شیخ کی یادگار امارت اسلامی کو بحال کر دیا۔

کنڑ کی فتح

افغانستان میں کنڑ وہ صوبہ ہے کہ جہاں سب سے پہلے شیخ جمیل الرحمٰن شہید نے جہاد شروع کیا اور پھر یہی وہ صوبہ ہے کہ جہاں سے سب سے پہلے روسی فوجیوں نے راہ فرار اختیار کی۔ روسی یہاں سے اس وقت بھاگے جب شیخ جمیل الرحمٰن شہید کی جماعت کے مجاہدین نے کنڑ میں پشد شہر کے مضبوط روسی مرکز پر شدید ترین حملہ کیا اور اسے الحمدللہ فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد شیخ جمیل الرحمٰن شہید نے عربی زبان میں "المجاہد" کے نام سے رسالہ نکالا۔ پہلا شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ کو جاری ہوا۔

سرورق پر سب سے بڑی سرخی یہ تھی " کنڑ اوّل الفتوح " اس معرکے کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ کنڑ میں پشد کا قلعہ سب سے مضبوط فوجی قلعہ تھا جس کی حفاظت کے لیے ٹینک اور بھاری مقدار میں ثقیل اسلحہ اس پر فٹ تھا۔ اس کے گرد بارودی سرنگیں بھی کثیر مقدار میں تھیں۔

کمیونسٹوں کے اس انتہائی مضبوط مرکز پر جماعۃ الدعوۃ نے پوری تیاری کے ساتھ شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ کی قیادت میں حملہ کیا۔ رات کے وقت گھوڑوں اور خچروں پر اسلحہ لاد کر مجاہدین نے نصب کیا اور پھر جب مجاہدین نے اللہ اکبر کے فلک شگاف اور جبل شکن نعروں کے ساتھ توپوں کے گولے پشد کے قلعے کی طرف داغے، تو سپیدہ سحر اندھیری رات کا سینہ چاک کر چکا تھا۔ دشمن کی عسکری قوت اور مجاہدین کی فوجی قوت کا کوئی موازنہ نہ تھا۔ دشمن بھاری اور جدید اسلحے سے لیس تھا۔ چنانچہ تین گھنٹے تک توپوں ٹینکوں اور میزائلوں کے گولے پھٹنے سے دھواں اٹھتا رہا، گرد اڑتی رہی۔ اس معرکے میں مجاہدین کا ایک دستہ خندق کو عبور کر کے شہر میں داخل ہو گیا۔ دشمن نے اس دستے پر زبردست حملہ کیا۔ حتیٰ کہ اس بستی کے رہنے والے جو کہ سب کے سب کمیونسٹ تھے اور فوجی تربیت یافتہ تھے، وہ مجاہدین پر پل پڑے اور تو اور عورتوں تک نے گھروں کی چھتوں پر سے اینٹیں اور پتھر برسائے، کلاشنکوف کے برسٹ مارے۔ اب دوسرے مجاہدین کی کمک بھی پہنچ گئی اور پھر بازاروں، گلیوں اور گھروں میں شدید ترین لڑائی شروع ہوگئی۔ عرب مجاہدین جو کہ پچھلی صف میں تھے انہوں نے اس صف میں لڑنے کی بجائے اگلی صف میں لڑنے کی شدید خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ امیر معسکر نے اجازت دے دی۔ اب عرب مجاہدین کی جماعت بھی اگلی صفوں میں خوب لڑی۔ یہ شدید معرکہ دو گھنٹے تک جاری رہا۔ سڑکیں، گلیاں اور گھر اللہ کے دشمنوں کی لاشوں سے اٹ گئے۔ باقی کمیونسٹ بھاگ اٹھے۔ مجاہدین کا پشد پر قبضہ ہو چکا تھا۔ ۱۸ مجاہد شہید ہوئے جب کہ پچاس زخمی ہو گئے۔ بی بی سی اور وائس آف امریکہ نے اپنی خبروں میں بتلایا کہ

یہ شدید ترین معرکہ شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کی جماعۃ الدعوۃ نے لڑا۔

رات کے وقت مجاہدین جب اس فتح کے بعد پہاڑ سے نیچے اترے، تو شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ نے اس فتح کی مبارک دیتے ہوئے مجاہدین سے یوں خطاب کیا:

''اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو اور جان لو کہ اللہ ایمان داروں کے ساتھ ہے۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور اسی کی حمایت سے ہم فتح یاب ہوئے ہیں۔''

اس کے بعد انہوں نے دعا کی۔

اس فتح کا اثر کمیونسٹ روسیوں پر ایسا پڑا کہ وہ اس معرکے کے بعد پورا صوبہ کنڑ ہی خالی کر گئے اور یہاں سے بھاگ اٹھے اور پھر یہاں سے بھاگنے کے بعد وہ واپس شاہراہ سالانگ پر بھاگنے کی تیاری کرنے لگے۔

خیوہ کی فتح

کنڑ سے بھاگنے کے بعد اب کمیونسٹوں کا مرکز صوبہ ننگر ہار کا شہر خیوہ تھا۔ پشد سے بھاگے ہوئے فوجی بھی اب یہاں موجود تھے۔ جب کہ مجاہدین نے اس شہر کو فتح کرنے کے لیے اس سے قریبی شہر اسلام پورہ کی پہاڑیوں پر مورچے بنا لیے۔ خیوہ میں ڈیڑھ ہزار کمیونسٹ فوج موجود تھی۔ پشد فتح ہونے کے چھ ماہ بعد مجاہدین نے اب خیوہ پر بھی حملہ کردیا۔ یہ حملہ جمادی الاوّل کے نصف اور دسمبر ۱۹۸۸ء کے اواخر میں کیا گیا۔ اس حملے میں دیگر تنظیموں کے مجاہدین بھی شامل تھے۔ جب کہ حملے کی تیاری اور قیادت جماعۃ الدعوۃ نے کی۔ اکثر مجاہدین بھی اسی جماعت کے تھے۔ ۲۵ عرب مجاہد تھے اور مرکز الدعوۃ والارشاد کے نوجوان بھی تھے۔ جن میں بابا عبدالرشید قابل ذکر ہیں۔ جماعۃ الدعوۃ کے مجاہدین کنڑ کے سالار عبدالرؤف نے حملے کی قیادت کی اور ہر جماعت سے ایک قائد لے کر ایک مجلس بنا دی۔ خود وہ اس مجلس کے چیف تھے۔ کل مجاہدین تین ہزار چھ سو تھے جن میں نصف سے اوپر جماعۃ الدعوۃ کے تھے۔ نورستانی احباب، مرکز الدعوۃ کے مجاہدین اور عرب ساتھیوں کو ملایا

جائے تو پھر تین حصے سلفی مجاہدین تھے جب کہ چوتھائی حصہ باقی جماعتوں کا تھا۔ مجاہدین نے بھاری اسلحہ استعمال کیا تو کمیونسٹ بھاگ اٹھے۔ یہاں ان کے مزید پانچ مراکز تھے۔ اب مجاہدین نے ان بھاگے ہوؤں کا پیچھا کیا تو کمیونسٹوں کے افغان کرنل اسلم کو گرفتار کر لیا۔ اڑھائی صد کے قریب کمیونسٹ مارے گئے، ۵۰ قیدی بنائے گئے، جب کہ ۲۰ مجاہد شہید ہوئے، ۳۵ زخمی ہوئے اور مال غنیمت میں ۱۲ بڑی فوجی گاڑیاں، ہوائی جہاز گرانے والی پانچ توپیں، چھ چھوٹی توپیں، ۱۰ انٹی ایئر کرافٹ، ۷۰۰ کلاشنکوفیں اور مزید گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ لگا۔

جب میں نے خیوہ کو فتح ہوتے دیکھا

اس معرکے کی مزید تفصیل مرکز الدعوۃ والارشاد کے پچاس سالہ مجاہد عبد الرشید کی زبانی سنیئے:

دسمبر ۱۹۸۸ء کا مہینہ تھا، جب میں پروفیسر حافظ محمد سعید، پروفیسر ظفر اقبال اور محمد صدیق بادشاہ بٹ حفظہ اللہ کے ہمراہ اسد آباد گیا۔ یہ تینوں بزرگ تو واپس تشریف لے آئے، جب کہ میں نے یہیں ٹھہرنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ چند دن کے بعد یہ پیغام ملا کہ خیوہ پر حملے کا پروگرام ہے تو میں بھی اس پروگرام میں نورستانی مجاہدین کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جب ہم کنڑ کے آخری گاؤں ''نور گل'' گئے تو وہاں سے حکم ملا کہ جیبوں میں روٹیاں اور چنے ڈال کر جہاد کے لیے تیار ہو جاؤ، وصیت نامے لکھ لو اور اپنے سامان کے تھیلے وغیرہ یہیں امانت خانے میں چھوڑ دو۔ چنانچہ ہم اس حکم پر عمل کر کے چل پڑے۔ اب دشمن قریب تھا۔ رات کا وقت تھا، لہٰذا امیر کا حکم ہوا کہ سڑک پر بھی نہیں چلنا، سڑک کے نیچے بھی نہیں چلنا کہ سڑک پر دشمن دیکھ رہا ہے، نیچے بارودی سرنگیں ہیں۔ لہٰذا کنارے کنارے چلنا ہے۔ اب عبد اللہ نورستانی جو کہ ہمارا کمانڈر تھا، کبھی کہتا ٹھہر جاؤ، کبھی لیٹ جانے کا حکم دیتا اور کبھی چل پڑنے کا حکم دیتا۔ عشاء کی نماز کے بعد ہم چلے تھے۔ اب چلتے ہوئے آدھی رات ہو چکی تھی۔ امیر نے

آہستہ سے ہمیں کہا کہ اس وقت دریا اور سڑک براہ راست ان کی زد میں ہیں۔ اب نہ کوئی کھانسے اور نہ ہی پیروں کی آہٹ ہو۔ ہاں تو اب روشنی والی گولیوں کی باڑ ہمارے سروں پر سے گزر رہی تھی۔ پچھلی رات کا وقت ہو گیا تھا۔ شہادت کے متلاشی چلتے چلتے اب تھک گئے تھے۔ اس وقت تو آسمان والا بھی آسمان دنیا پر نزول فرما کر اعلان کرتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا؟ میں اس کی مرادیں پوری کر دوں اور ہماری مراد تو کفر کا سر پھوڑنا تھا۔ لہٰذا ان مرادوں کو سینے میں لیے ہوئے اب ہم پہاڑ کی اوٹ میں آرام کرنے لگے۔ امیر کے حکم پر کچھ ساتھی پہرے کے فرائض سرانجام دینے لگے۔

دسمبر کا مہینہ تھا، سردی عروج پر تھی، دشمن کا خوف تھا اور جسم بھی تھکاوٹ سے چور تھا۔ چنانچہ کچھ دیر آنکھ لگ گئی اور ہم نے تھوڑا سا ہی آرام کیا تھا کہ صبح صادق ہو گئی۔ اب سورج کے راج کی ابتدا ہونے لگی۔ چنانچہ امیر نے حکم دیا کہ پہاڑوں کی اوٹ میں، جانوروں کے مسکنوں میں، جہاں بھی جگہ ملتی ہے چھپ جاؤ، کچھ معلوم نہیں کہ کب تک ہم یہاں ٹھہریں۔ میں گھر سے پنجاب کی پنجیری لے گیا تھا، اسے مجاہدوں کے سامنے بچھا دیا۔ اب پانی کی پیاس نے آلیا۔ پانی کی تلاش شروع ہوئی تو چھپتے چھپاتے ایک پہاڑ کی چوٹی پر سے پانی تلاش کر کے لے آئے۔ اب دوپہر ہو چکی تھی اور پھر شام...... ہمارے آنے سے پہلے مجاہدین کا ایک دستہ یہاں پہنچ چکا تھا، انہوں نے خیمہ بھی گاڑ رکھا تھا۔ میری بزرگی کو دیکھ کر انہوں نے مجھے رات خیمے میں گزارنے کی دعوت دی لیکن میں نے انکار کر دیا کہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر میں یہاں نہیں رہوں گا۔ مگر پھر اپنے ساتھیوں اور اصحاب خیمہ کے اصرار پر میں اس خیمے میں آ گیا۔ دوسرے روز دشمن کی پوزیشن معلوم کرنے کے لیے پہاڑ کی چوٹی پر جانا تھا۔ لہٰذا امیر صاحب کے حکم پر چند ساتھی پہاڑ کی چوٹی پر گئے۔ میں بھی اس ٹیم میں شامل ہو گیا۔ ہم نے وہاں دوربینوں سے اچھی طرح دشمن کی پوزیشن کا جائزہ لیا اور واپس آ کر امیر کو رپورٹ دی۔ پھر دوسری ٹیم گئی، میں اس میں بھی شامل ہو گیا۔ اب ان دونوں

ٹیموں کی رپورٹ دیکھنے کے بعد امیر صاحب نے یہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ ہم نے تقریباً یہاں پانچ دن بسر کیے۔

اب دشمن کے بالکل قریب پہاڑ کی اوٹ میں ہم نے جا کر ڈیرے لگا لیے۔ اس بار مجاہدین کا ارادہ بڑے زوردار حملے کا تھا۔ کیونکہ اس سے قبل دو بار مجاہدین کا حملہ ناکام ہو چکا تھا اور اب یہ تیسرا حملہ تھا۔ چنانچہ اب پہاڑ کے اوپر جا کر مجاہدین نے توپ کہ جسے ''ہاون'' کہا جاتا ہے، نصب کر دی۔

دریا سے ایک نالا نکلتا تھا اور یہ دشمن کے مورچوں تک جاتا تھا۔ وہ اس نالے کا پانی استعمال کرتے تھے۔ ہمارے امیر نے فیصلہ کیا کہ اس نالے کو بند کرنا چاہیے۔ اب بارش بھی ہونے لگی۔ سردی کڑاکے کی تھی۔ ہم نے ایک ترپال اوپر لے لی۔ کچھ مجاہدین ایک غار میں چلے گئے۔ وہاں پانچ چھ آدمیوں کی گنجائش تھی۔ اب اس سردی اور بارش میں ہر کوئی ڈرتا تھا کہ امیر صاحب مجھے حکم نہ دے دیں۔ مگر حکم تو جسے بھی دیا جاتا وہ عمل کے لیے فوراً تیار ہو جاتا تھا۔ مگر میں اس امیر کو کیسے بھولوں گا کہ جس نے کسی کو خبر ہی نہ ہونے دی، وہ چپکے سے رات کو اٹھا اور دریائے کنڑ پر جا کر دشمن کی طرف جانے والے نالے پر بند باندھ کر پانی بند کر دیا۔ اپنا یہ مشن سرانجام دینے کے بعد وہ بھیگتا ہوا پچھلی رات ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں الحمدللہ اپنا کام کر آیا ہوں۔ اب اس نے بھیگے ہوئے کپڑے اتارے۔ دوسرے کپڑے پہنے، مجاہدین کے لیے جو سوکھا راشن تھا وہ اس نے کھایا اور سو گیا۔

جب ہمارا امیر عبداللہ نورستانی شہید ہوا

اب تیسری رات تھی، اس رات کی صبح کو حملے کا پختہ پروگرام تھا۔ چنانچہ مجاہدین کو دس دس کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلی ٹولی کے بعد دوسری ٹولی میں میرا نام بھی امیر صاحب نے میرے اصرار پر شامل کر لیا۔ اب طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہاڑوں کی بلندیوں پر توپوں کے گولے چلتے ہیں اور نیچے سے دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس کے میدان کر اس

کر کے آگے جانا تھا۔ ابھی ہم پہاڑ سے اترے ہی تھے کہ توپوں نے آگ برسانا شروع کر دی۔ اس دوران ہمارے کئی مجاہد میرے آگے پیچھے شہید ہو کر گر رہے تھے۔ میں نے ایک پتھر کی اوٹ میں اپنا سر چھپا لیا۔ جب کہ باقی جسم تو غیر محفوظ تھا۔ کلمہ میں نے پڑھ لیا اور یقین کی حد تک خیال یہ تھا کہ اس لمحے بھی گیا اور اپنے مولا کے پاس پہنچا۔ بہر حال اب بمباری کافی کم ہو چکی تھی، حکم ملا کہ دوڑ کر میدان کراس کر لو۔ جب ہم نے میدان کراس کر لیا تو تھوڑی دیر بعد ہم نے دیکھا کہ سامنے والے پہاڑ پر ہمارا ایک مجاہد اپنے ساتھی کی لاش کو اٹھا کر نیچے آ رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد یہ لاش ہمارے سامنے تھی۔ یہ ہمارے امیر عبداللہ نورستانی کی لاش تھی۔ ہمارا یہ امیر اس قدر دلیر اور جفاکش تھا کہ وہ راکٹ لانچر اٹھائے اپنا ایک ساتھی ہمراہ لیے پہاڑ کے پیچھے سے دشمن کے مورچے کی طرف چڑھا۔ اس نے راکٹ لانچر کا ایک گولہ مورچے پر پھینکا۔ کمیونسٹ مورچہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اب عبد اللہ مورچے پر قبضہ کرنے کے لیے اور بھاگتے ہوئے کمیونسٹوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے آگے بڑھا تو اس کا پاؤں بارودی سرنگ پر آ گیا۔ عبد اللہ اپنے اللہ سے جا ملا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ عبداللہ کی منگنی ہو چکی تھی، اس کی شادی ہونے والی تھی۔ مگر کسے معلوم تھا کہ اس کی شادی تو جنت کی حوروں سے طے پا چکی ہے۔ ان شاء اللہ۔ عبد اللہ کا ساتھی سترہ سالہ زمان وہ بھی زخموں سے چور، آنکھیں بند کر کے وہیں جا پہنچا جہاں اس کا امیر پہنچ چکا تھا۔

مجاہدوں کی قربانیاں رنگ لائیں، اب راستہ کھل چکا تھا۔ کمیونسٹ ہلاک ہو چکے تھے۔ باقی بھاگ چکے تھے۔ لہذا اب مجاہدین شہر پر قبضہ کے لیے بھاگے۔ راستے میں ایک قلعہ آیا۔ یہاں عرب بھائیوں اور کمیونسٹوں کے درمیان زوردار معرکہ ہوا اور عرب مجاہدین کو اللہ نے فتح دی اور پھر انہوں نے کمیونسٹوں کو الٹا لٹا کر خنجروں سے ذبح کیا۔

اب ہم شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ فجر کے وقت ہم نے حملہ کیا۔ اب ناشتے کا وقت

ہوچکا تھا۔ جب ہم گھروں میں داخل ہوئے تو کمیونسٹوں کے تیار شدہ ناشتے، تازہ روٹیاں اورگرم دودھ موجود تھا۔ چنانچہ سوکھی روٹیاں اور وہ بھی فاقوں سے کھانے کے بعد اب اللہ نے مجاہدین کو سب کچھ دے دیا تھا۔ جب کہ جو ہم سے بچھڑ گئے تھے یا یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ جن سے ہم بچھڑ گئے، وہ ہمارے ساتھی شہید ہوکر اللہ کے مہمان بنے اور پھر فتح کے بعد ہمارے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت آیا۔

کنڑ اور جلال آباد کے گرم محاذ

جس طرح صوبہ کنڑ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے جہاد وہاں سے شروع ہوا، اسی طرح غیرملکی جرائد اور پاکستان کے تمام اخبارات کی خبریں اس بات کی گواہ ہیں کہ ۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کو سب سے پہلے کنڑ فتح ہوا۔ روسی سب سے پہلے یہیں سے بھاگے اور یہی وہ صوبہ ہے کہ جس میں امارت اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور اللہ کے قوانین کا نفاذ ہوا۔ کنڑ کے بعد ننگرہار کا علاقہ فتح ہوا اور پھر مجاہدین نے جلال آباد کا محاصرہ کرلیا۔ ان دنوں کہ جب جلال آباد کے محاصرے کو ابھی چند دن ہوئے تھے کہ راقم مفتوحہ کنڑ سے ہوتا ہوا جلال آباد کے محاذ پر پہنچا۔ اس دوران میں نے جو اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ پیش خدمت ہے۔

جلال آباد جانے کی وجہ

۱۰ مارچ ۱۹۸۹ء لاہور سے پشاور کے لیے روانہ ہوئے۔ افغانستان میں اہل حدیث کے امیر فضیلۃ الشیخ جمیل الرحمٰن ﷾ سے انٹرویو تھا۔ ۱۲ مارچ کی شام شیخ صاحب سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ آج ہی شیخ کے بھتیجے جلال آباد کے محاذ پر شہید ہوئے۔ چار افراد مزید شہید ہوئے ہیں۔ زخمیوں کی تعداد بھی کافی ہے۔ ایمبولینس انہیں لے کر آرہی ہیں۔

یہ سب کچھ سن کر میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ باوجود اس صدمے کے شیخ صاحب تو میرے ساتھ بڑے اطمینان اور وقار سے گفتگو فرما رہے تھے۔ بلکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ

میں اس مقصد کے لیے صبح حاضر ہو چکا ہوں، مگر ان سے ملاقات نہیں سکی تو انہوں نے کمال شفقت فرماتے ہوئے اپنی گاڑی بھیج کر مجھے میری قیام گاہ سے بلوایا۔ غرض ایسے ہی باقی مصروفیات بھی جاری تھیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

میں سوچ رہا تھا کہ ہمارے ہاں تو بڑے بڑے دیداروں کی نماز جمعہ شادیاں ضائع کروا دیتی ہیں اور یہاں شہادتیں ہیں کہ مجاہدین کے دینی کاموں میں خلل نہیں ڈال رہیں۔ بہر حال شادی اور شہادت کے اس فرق سے ہم اپنی اور ان کی ایمانی حالت کا امتیاز اور احتساب کر سکتے ہیں اگر ہم چاہیں تو......

چنانچہ میں نے شیخ صاحب سے ملاقات کے بعد ان کے صوبہ کنڑ کو دیکھنے اور جلال آباد کے محاذ پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

روانگی

پشاور سے بھائی طاہر عبد اللہ اور چند دیگر ساتھیوں کے ہمراہ عازم سفر ہوا۔ اڑھائی گھنٹے کے سفر کے بعد ہم پاکستان کے آزاد علاقے مہمند ایجنسی میں داخل ہو کر افغانستان کی سرحد سے ملحق ''چمرکنڈ'' کے علاقے میں داخل ہوئے۔ یاد رہے یہ وہی علاقہ ہے جس کا ذکر ہم اکثر شاہ اسماعیل شہید کی مجاہدانہ جدوجہد کے حوالے سے کتب میں پڑھتے ہیں۔

میں نے جیپ کے ڈرائیور سے پوچھا کہ بھئی! کیا آپ اپنے اس علاقے کی تحریک جہاد سے بھی واقف ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ ہاں! ہمارے بڑے بتلاتے ہیں کہ یہاں پر سلفیوں نے انگریزوں کے خلاف خوب لڑائیاں لڑی تھیں تو کیا آپ بھی سلفی ہیں؟ یہ ڈرائیور کا مجھ سے سوال تھا۔ مگر میں نے اس کا جواب دینے کی بجائے دوسرا سوال یہ کر ڈالا کہ کیا آپ سلفیوں کے بارے میں کچھ جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہوتے ہیں؟ تو اس نے کہا یہی وہابیان کو ہی سلفیان کہتے ہیں اور یہاں ہمارے علاقے میں سلفیوں نے کئی مدارس کھول رکھے ہیں۔ یہ مدارس کھولنے والا کون ہے؟ یہ میرا تیسرا سوال تھا۔ تب اس نے مولانا جمیل

الرحمٰن ؒ کا نام لیا اور کہا کہ کنڑ اور خیوہ میں انہوں نے بہت زیادہ جہاد کیا ہے، بڑے لڑنے والے لوگ ہیں۔

یہ باتیں کرتے کرتے ہم اس آزاد پاکستانی علاقے سے جسے ہمارے مؤرخین نے یاغستان کا نام بھی دیا ہے، ایک پہاڑ عبور کرکے افغانستان میں داخل ہوئے، یہ سوچ کر کہ ان شاء اللہ اب ڈیڑھ سو برس بعد پھر وہی پرانے وقت کی یادیں تازہ ہونے والی ہیں اور اس سرزمین سے پھر وہی مہک اٹھنے والی ہے جو شاہ شہید اور ان کے ساتھیوں کے دور میں آیا کرتی تھی اور اس کی ابتداء اللہ کے فضل سے شیخ جمیل الرحمٰن ؒ کی صورت میں ہو چکی ہے۔

افغانستان میں

طورخم کا راستہ چھوڑ کر باقی تقریباً سارے افغانستان کی سرحدی صورت حال کچھ ایسی ہے کہ آپ جہاں سے بھی افغانستان میں داخل ہونا چاہیں وہاں ایک بڑا پہاڑ ضرور عبور کرنا پڑتا ہے۔ مہمند ایجنسی کے شمال میں واقع باجوڑ ایجنسی سے اگر صوبہ کنڑ کی طرف جایا جائے تو تب بھی اور مہمند ایجنسی کی سمت سے جایا جائے تب بھی۔ پہاڑ بہر صورت عبور کرنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اسے عبور کیا اور پھر گھنٹہ بھر چلنے کے بعد ہماری جیپ دریائے کنڑ کے پل پر پہنچی، یہاں شیخ جمیل الرحمٰن ؒ کی جماعت کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اسی جماعت کی یہاں چیک پوسٹ تھی اور چند سلفی نوجوان یہاں اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اس چوکی پر چند دکانیں بھی بن چکی ہیں۔ یہاں پر ایک روسی ٹینک اور چند ناکارہ سی گاڑیاں مجاہدین کے ہاتھوں روسیوں کی بربادی کا پتا دے رہی تھیں۔

معرکہ ایمان والحاد کے نشانات

پل سے دائیں طرف ہم اسد آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ اس کا پرانا نام ''چغہ سرائے''

ہے، یہ یہاں سے نصف گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ روسیوں کے آنے سے پہلے یہ سڑک کشادہ اور بڑی عمدہ تھی۔ مگر اب یہ بڑے بڑے کھڈوں کی شکل اختیار کر چکی ہے اور یہ کھڈے اس تعداد میں ہیں کہ گاڑی تین سیکنڈ بھی نہیں چل پاتی کہ اسے کھڈے میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کھڈے کیوں پڑے ہیں؟ طاہر بھائی نے مجھ سے یہ پوچھا اور پھر خود ہی بتایا کہ دائیں بائیں دونوں طرف کے بلند و بالا پہاڑوں سے رات کے وقت مجاہدین کہنیوں کے بل رینگ رینگ کر یہاں آیا کرتے تھے اور یہاں بم رکھ کر واپس چلے جایا کرتے تھے۔ صبح جب روسی ٹینک، ٹرک اور جیپیں اس پر سے گزرتیں تو ان کے پرخچے اڑ جایا کرتے تھے۔ اب آپ ان کھڈوں کو شمار کریں اور ان کے مطابق روسیوں کی مالی اور جانی بربادی کا اندازہ کریں اور پھر مجاہدین کی جرأت، بہادری اور پر مشقت جد و جہد کو بھی ذرا ذہن میں لائیں۔

ہاں! یہی تو وہ قربانی ہے جو ایمان نے پیش کی، الحاد کے مقابلے کے لیے اور یہ وہ مقابلہ ہے جسے دیکھ کر آج پوری مادی دنیا انگلیاں منہ میں دبائے حیران و ششدر ہے۔

اسد آباد

یہ صوبہ کنڑ کا دار الحکومت ہے۔ افغانستان جیسے پسماندہ ملک کے لحاظ سے یہ درمیانے درجے کا شہر ہے۔ سرسبز و شاداب وادی میں دریا کے کنارے آباد ہے۔ یہاں روسیوں نے اپنے دس سالہ ظلم کے دور میں بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائی ہیں، مگر یہ قلعہ نما عمارتیں بھی مجاہدین کے حملوں سے محفوظ نہ تھیں۔ حتیٰ کہ گورنر ہاؤس جیسی پر حفاظت بلڈنگ بھی۔ ہم جب یہاں داخل ہوئے تو اس کے کئی حصے میزائل لگنے سے برباد ہو چکے تھے۔ اب یہ گورنر ہاؤس آباد ہو چکا ہے۔ گورنر صاحب اہل حدیث ہیں۔ پچھلے دنوں پروفیسر حافظ محمد سعید اور پروفیسر ظفر اقبال سلفی یہاں آئے تو گورنر ہاؤس کے ہال میں مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا گیا، جس سے حافظ صاحب نے خطاب کیا۔

جناب گورنر صاحب نے بجلی کے پاور ہاؤس کے ساتھ وہ جگہ بھی دکھلائی جہاں کمیونسٹوں نے بارہ سو مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو کسی بہانے یہاں بلایا اور پھر مشین گنوں کی باڑ سے سب کو ٹھنڈا کر دیا۔ ان میں سے بعض زخمی ہو کر زندگی اور موت کی درمیانی حالت میں تڑپ رہے تھے کہ ان سب کو زندہ اور مردہ حالت میں بلڈوزر کے ذریعے ایک گڑھے میں پھینک کر زمین کو ہموار کر دیا گیا۔

دس ہزار کی آبادی سے آباد یہ خوب صورت شہر آج اپنے مکینوں سے بے آباد تھا۔ مگر اب اس کی تمام سرکاری عمارتیں مجاہدین سے آباد نظر آ رہی تھیں۔ شہر کی اکثر بڑی عمارتوں پر جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ کے پرچم لہرا رہے تھے۔ اس سلفی جماعت کے اکثر مجاہدین اپنے مجاہدانہ کاموں میں مصروف تھے۔ ایک عمارت پر نورستان کی اسلامی دولت کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہ مولانا محمد افضل کی قرار گاہ ہے۔ یہ صوبائی سیکرٹریٹ کی ایک عظیم الشان عمارت ہے۔ اس پر مولانا جمیل الرحمٰن کی سلفی جماعت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اس کے سامنے ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور دیگر تباہ شدہ روسی جیپیں کھڑی اپنے ہم وطنوں کی داستان بربادی سنا رہی ہیں۔ اب ان پر مختلف مجاہدانہ نعرے درج کر دیے گئے۔

صوبہ ننگرہار

رات یہاں قیام کرنے کے بعد دوسرے روز دن چڑھے ہم نے یہاں سے ٹیوٹا جیپ کرائے پر لی اور جلال آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ یہاں سے جلال آباد تقریباً سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

جیپ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھی، سڑک کے دونوں طرف روسیوں کی وحشیانہ بمباری سے برباد ہونے والی آبادیوں کو ہم پیچھے چھوڑے جا رہے تھے۔ جگہ جگہ ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور فوجی ٹرک و جیپیں کھڑی تھیں۔ بعض بالکل درست حالت میں کھڑی معلوم ہوتی تھیں۔

چلتے چلتے جیپ ایک قلعہ نما عمارت کے سامنے جا کر رک گئی۔ یہ مولانا جمیل الرحمٰن ﷫ کی جماعت کی چیک پوسٹ تھی۔ یہاں سے آگے ایک قصبہ نورگل تھا۔ یہاں بھی سلفیوں کے پھریرے لہرا رہے تھے اور لہرا لہرا کر قرآن وحدیث کے غلبے کی نویدیں سنا رہے تھے۔ جتنے لوگ یہاں آباد ہیں اور جو آباد ہو رہے ہیں ان میں سے اکثر سلفی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

اس سے آگے صوبہ ننگرہار شروع ہو گیا۔ اب سڑک بھی پختہ اور قدرے اچھی حالت میں تھی۔ اس صوبہ میں بھی ہم نے کئی عمارتوں پر شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کی سلفی جماعت کے پرچم لہراتے ہوئے دیکھے۔

ہوائی جہازوں کی بمباری میں

اب خیوہ کا شہر ہم سے چار پانچ کلومیٹر دور رہ گیا تھا۔ مجاہدین کی گاڑیاں کار جہاد میں مصروف آ جا رہی تھیں۔ اکثر گاڑیوں پر ہوائی حملوں سے بچاؤ کے لیے خاکی جال تھے یا پھر مٹی کا لیپ کیا ہوا تھا جب کہ ہماری گاڑی ان دونوں خوبیوں سے عاری تھی۔ آج بادلوں کا بھی کوئی پردہ نہ تھا۔ سورج کی ننگی آنکھ ہماری گاڑی کو دیکھے جا رہی تھی۔ ادھر ناگہاں ہوائی جہازوں کا دستہ آ گیا اور جب گاڑی کے شیشے اور چھت کے رنگین روغن نے اپنی چمک دمک دکھائی تو وہ جہاز والوں کو بھا گئی۔ چنانچہ انہوں نے سلامیاں دینا شروع کر دیں۔ بس پھر کیا تھا، پوری وادی میں ان جہازوں نے آگ برسانا شروع کر دی۔ آگ لگانے والے نیپام بم جب سوکھی جھاڑیوں پر گرنے لگے تو جگہ جگہ آگ لگنا شروع ہو گئی۔ ایک بم ہم سے نصف فرلانگ کے فاصلے پر گرا، بم گرتے ہی آگ، دھوئیں اور مٹی کا ایک طوفانی بگولا اٹھا۔ ہم نے جلدی سے گاڑی کو وہیں چھوڑا، اس پر چادر ڈالی اور پہاڑ کی اوٹ میں ہو گئے۔ اسی اثناء میں ہماری گاڑی سے تھوڑی دور عین سڑک کے کنارے دوسرا بم گرا۔ ہمارے ساتھ چند اور مجاہد بھی تھے۔ سب کی زبان پر لا الہ الا اللہ کا ورد تھا کہ موت آئے تو زبان پر کلمہ توحید تو

جاری ہو۔ بہر حال ہمیں وہ اپنی طرف سے ختم کر کے اپنی راہ لیتے ہوئے چلتے بنے۔ اب ڈرائیور یہ منظر دیکھ کر آگے جانے سے انکاری ہو گیا اور جلدی سے بقیہ کرایہ وہیں پھینک کر واپس ہو لیا۔ تب ہم نے اللہ کا نام لے کر پیدل سفر شروع کر دیا۔ ابھی چند ہی منٹ چلے ہوں گے کہ پیچھے سے مجاہدین کی ایک گاڑی آ گئی۔ جنہوں نے ہمیں اپنے ساتھ سوار کر کے خیوہ پہنچا دیا۔

خیوہ (چھوٹا ماسکو)

خیوہ کا شہر انتہائی وسیع و عریض اور سینکڑوں ایکڑ رقبے پر مشتمل سرسبز و شاداب وادی میں واقع ہے۔ فوجی لحاظ سے یہ روسیوں کا بڑا اہم مرکز تھا۔ کمیونزم کا عام تحفہ عریانی اور فحاشی یہاں عروج پر تھی۔ اس لیے اسے چھوٹا ماسکو کہا جاتا تھا۔ مولانا جمیل الرحمٰن ؒ کی سلفی جماعت نے اسد آباد اور پشد فتح کرنے کے بعد حالیہ موسم سرما میں خیوہ کو فتح کرنے کا پروگرام بنایا۔ دیگر جماعتوں کے مجاہدین کے ساتھ ساتھ اس فتح میں نورستان کے اہل حدیث مجاہدین بھی شامل تھے۔

شہر خیوہ اپنے مکینوں سے مکمل طور پر خالی ہے۔ اب یہ مجاہدین کی مختلف جماعتوں کی چھاؤنی بن چکا ہے۔ جلال آباد کے محاصرے کے لیے اس کا فتح ہونا انتہائی ضروری تھا۔ کیونکہ یہاں سے جلال آباد صرف ۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جلال آباد کے محاذ کے لیے اس طرف کے مجاہدین کے لیے یہ ہتھیاروں اور خوراک وغیرہ کی سپلائی کا مرکز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر پر ہمہ وقت ہوائی حملوں اور میزائلوں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

ہم جب یہاں پہنچے تو نورستانی بھائیوں سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ہمیں اپنی قیام گاہ پر لے گئے۔ معلوم ہوا کہ یہاں نورستان کے اہل حدیث بھائیوں نے بھی جلال آباد کے محاذ پر اپنے مورچے بنا رکھے ہیں۔ ان کی کمان وسطی نورستان کے گورنر مولانا نعمت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ چنانچہ ہم مسجد میں پہنچے، مسجد کی چھت بم لگنے سے گر چکی تھی، برآمدہ باقی تھا۔ طاہر صاحب اور میں نے ظہر کی نماز ادا کرنا شروع کردی۔ دوران نماز ہی ہوائی حملہ شروع ہوگیا۔ بموں اور میزائلوں کے دھماکے کان پھاڑنے لگے، برآمدہ ہلنے لگا، دیواروں اور چھتوں کی مٹی گرنے لگی۔ کیا آج یہ برآمدہ ہم پر گرنے والا ہے اور اس کے ساتھ ہی خشوع وخضوع میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا، جس کا حالت امن میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ظہر کی دو رکعتیں تو یہیں مکمل کیں۔ جب کہ عصر کی دو رکعتیں پھر ہم صحن میں ادا کرنے کے بعد مولانا نعمت اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے جلال آباد کے محاذ پر پہنچنے کی گزارش کی گئی تو انہوں نے ہمیں چار بجے محاذ پر چھوڑنے کا وعدہ کرلیا۔

الحادی نظریہ کی ناکامی

یہاں دو گھنٹے ہم نے جس مکان پر قیام کیا اس کی دیوار کے ساتھ روسی لٹریچر بکھرا پڑا تھا۔ بعض کتابیں اٹھا کر دیکھیں تو ان میں فارسی اور پشتو زبان میں دینی اقدار اور اہل دین کا انتہائی بھونڈے انداز سے خوب مذاق اڑایا گیا تھا۔ جو کہ تصویروں سے صاف عیاں تھا مگر اس دینی تضحیک، ترغیب وتحریص اور جبر وتشدد کے سارے ہتھکنڈے جب ناکام ہو گئے تو آخر کار روس کو افغانستان سے بھاگنا پڑا اور افغانستان جیسے پسماندہ ترین ملک میں جب روس شکست سے دوچار ہوگیا تو اس کے ساتھ ہی الحادی نظریہ بھی دم توڑنے لگا اور ان شاء اللہ وہ وقت آنے والا ہے جب اسی جہاد کی برکات سے ہی یہ نظریہ آخری ہچکی ایمان کے ہاتھوں ماسکو کے ریڈ سکوائر میں لے گا اور ان شاء اللہ وہاں اقبال کے الفاظ کے مطابق ملا کی نہیں مجاہد کی اذاں گونجے گی۔

تازہ دشمن کون ہے؟

روس نے افغانستان میں آتے ہی طویل المیعاد منصوبوں پر عمل شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ چار سے آٹھ اور دس سال کے بچوں کو روس لے گیا اور وہاں انہیں الحاد کی تعلیم اور فوجی ٹریننگ سے آراستہ کر کے مکمل روسی بنایا۔

اب جب اس نے اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج واپس بلائی تو یہ بچے جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے انہیں واپس اپنی بلائی ہوئی فوج کی جگہ تعینات کر دیا۔ چنانچہ آج یہی بچے جنہوں نے شعور کی آنکھ روسی تہذیب میں کھولی ہے اور وہیں جوان ہوئے ہیں، یہ نسلاً تو افغانی ہیں مگر ذہنی اور فکری لحاظ سے اشتراکی ہیں اور اب یہ نئے روسی..... مجاہدین کے مدمقابل ہیں۔

ان افغانی روسیوں کی مدد بھارتی فوجی بھی کر رہے ہیں۔ اس کے شواہد محاذ جنگ میں اس وقت دیکھنے میں آئے جب مجاہدین نے دو طیارے مار گرائے تو ان کے پائلٹ بھارتی تھے جو واصل جہنم ہو چکے تھے۔

جلال آباد کی جانب

چار بجے مولانا نعمت اللہ کا پیغام ملا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ سنت کے مطابق وصیت لکھی، بوٹ پہنے، کمر بند باندھا، جس میں تین میگزینیں اور دو دستی بم تھے۔ کلاشنکوف کندھے پر رکھی اور اللہ کے حضور دعا کی:

> ”اے اللہ! اگر میرا واپس آنا میرے دین و دنیا کے لیے مفید ہے تو مجھے سلامت واپس لا اور دعوت و جہاد کے میدان میں اور زیادہ کام کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما اور اگر آپ نے مجھ جیسے گنہگار کے مقدر میں مقام شہادت لکھ دیا ہے تو پھر میں حاضر ہوں، میرے اللہ! پھر مجھ سے خوش ہو کر مجھے اپنے پاس بلا۔“

یہ دعا کرنے کے ساتھ مجھے اپنے اس عرب بھائی کے یہ الفاظ بھی یاد آ گئے جس نے پشاور سے روانہ ہوتے وقت جب ہمیں الوداع کیا تو کہا:

> ”بھائیو.....! تم میں سے جو بھی شہید ہو کر اللہ سے ملاقات کرے تو وہ اللہ کے

روبرو کلام کرتے ہوئے میرا ذکر ضرور کرے۔"

اب کامل توجہ اللہ کی طرف تھی اور نصف گھنٹے بعد جیپ محاذ جنگ پر تھی۔ پھر پندرہ بیس منٹ کی چڑھائی چڑھنے کے بعد ہم مجاہدین کے ہمراہ مورچوں پر تھے۔

محاذ جنگ پر

جلال آباد چاروں طرف سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں گرا ہوا ہے اور ان ہی پہاڑیوں پر مجاہدین نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ کمیونسٹوں کے پاس روس کا دیا ہوا اسلحہ بہت زیادہ ہے لہٰذا وہ اسے اندھا دھند طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ توپوں کے گولے میزائل اور راکٹوں کا استعمال بارش کی طرح کرتے ہیں۔ پہاڑ کے نشیب میں ہمارے مورچے تھے۔ چنانچہ ان کے گولے ہمارے سروں پر سے گزر کر جاتے تھے۔ جب کہ رات کے وقت روشنی کرنے والی گولیاں بھی عام استعمال ہوتی ہیں جو روشنی کی لکیریں بناتی اوپر سے گزرتی رہتی ہیں۔

پھر رات کے وقت روشنی کے گولے بھی فضا میں پھینکتے ہیں اور یہ گولے فضا میں آدھا آدھا گھنٹہ معلق رہتے ہیں۔ یہ گولے اتنی تیز روشنی والے ہوتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آفتاب نصف النہار پر آ گیا ہے۔ پھر اس روشنی کے بعد یہ فضا سے ہوائی حملہ شروع کر دیتے ہیں۔

دو ٹینکوں نے ہمارے مورچوں کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی مگر مجاہدین نے آگے بڑھ کر راکٹ لانچروں سے راکٹ داغے اور دونوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

اوپر والے مورچے میں چند منٹ بیٹھ کر جب نیچے آیا تو ایک افغان مجاہد کا ہاتھ جو کلاشنکوف پکڑے ہوئے تھا ذرا اوپر ہو گیا، ادھر سے گولی آئی اور اس مجاہد کے ہاتھ سے آر پار ہو گئی۔ پورا ہاتھ اللہ کے رنگ میں رنگ چکا تھا، تب اس پر پٹی کی گئی۔

نیچے والے مورچے کے ساتھ کچھ جگہ ہموار کر کے اسے مسجد کی شکل دی گئی ہے۔ توپوں

اور راکٹوں کی گھن گرج میں جب مجاہد اذان دینے کے لیے اللہ اکبر کہتا ہے، ادھر تیمم کر کے پھر جو نماز ادا کی جاتی ہے، اس حال میں کہ گولوں اور گولیوں کی باڑ سروں کے اوپر سے گزر رہی ہوتی ہے تو نماز کا عجیب ہی کیف و سرور ہوتا ہے۔ اللہ سے ملاقات، مناجات اور اس سے تعلق جوڑنے کے یہ جو لمحات ہوتے ہیں الفاظ انہیں پورے طور پر بیان نہیں کر سکتے۔

پھر پانی اور قہوے کے ساتھ یہاں چنے چبانا اور سوکھے ٹکڑے کھانا، راتوں کے پہرے اور پتھروں کے فرش پر سونا، ذرا سوچیے تو سہی! بھلا اس مقام سے بڑھ کر اور کون سا مقام ہے، جہاں لوگ فقر اور ولایت کی منزلیں ڈھونڈنے جاتے ہیں؟

یہاں ہماری ملاقات شہید خیوہ جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، کے بھائی سے ہوئی، جو یہاں کفار کے خلاف اپنے شہید بھائی کی طرح برسر پیکار تھا۔ ایک دوسرا مجاہد جو ان بھائیوں کے گاؤں کا رہنے والا تھا، بتلا رہا تھا کہ شہید کا نکاح ہو چکا تھا، رخصتی میں چند دن باقی تھے اور تیاریاں آخری لمحات پر تھیں کہ جب گاؤں میں یہ خبر پہنچی کہ دنیا کا دولہا اب تو جنت کی دلہن کا دلہا بن چکا ہے۔ ان شاء اللہ!

اور میں سوچ رہا تھا کہ جو قوم کلاشنکوف کی نالی سے جنت کے دروازے دیکھ رہی ہو، بھلا اس پر قابو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

وادی شہادت میں

فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم یہاں سے دائیں طرف ایک اونچی پہاڑی کے مورچے پر گئے۔ یہاں سے جلال آباد شہر کی روشنیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ جلال آباد شہر کا نظارہ کرنے کے بعد ہم نے مجاہدین کو فی امان اللہ کہا اور پہاڑیوں سے اتر کر وادی میں چلنے لگے۔ سڑک پر پہنچنے تک یہ آدھے گھنٹے کا پیدل راستہ ہے۔ مقررہ راستوں سے اگر ہٹ کر چلیں تو بارودی سرنگوں پر پاؤں پڑنے کا خطرہ ہے۔ پھر وادی میں توپوں کے گولے اور میزائل وغیرہ گرتے بھی زیادہ تعداد میں ہیں۔ دشمن کو معلوم ہے کہ یہاں مجاہدین کی

آمدورفت تو بہر حال یقینی ہے۔ چنانچہ وہ اندھا دھند بمباری سے نقصان پہنچانے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ بہر حال قرآن کی تلاوت کرتے، ذکر کرتے ہم اس وادی سے گزر رہے تھے، ہمارے سامنے ایک بڑی پہاڑی تھی۔اس پر شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کی جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ کے سلفی مجاہدین برسر پیکار تھے۔چونکہ ان کی پوزیشن اونچی ہونے کی وجہ سے بہت بہتر تھی۔ اس لیے دشمن کا یہاں بہت دباؤ تھا۔میزائل یہاں پھٹ رہے تھے اور توپوں کے دہانے یہاں آگ اور شعلے برسا رہے تھے۔مگر مجاہدین بھی آخر بڑی قربانی دینے کے بعد اس اہم پوزیشن پر کنٹرول حاصل کر سکے تھے اور اب تو وہ نہ صرف یہ کہ اسے مضبوط بنا چکے تھے بلکہ پیش قدمی کی تیاریوں میں تھے۔

بی بی سی کے حوالے سے ۱۸ مارچ کے جنگ اخبار کی خبر تھی کہ سینکڑوں عرب مجاہدین شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کے وہابی گروپ کے ساتھ جلال آباد کے محاذ پر برسر پیکار ہیں۔ہمیں بتایا گیا کہ ان لوگوں کا جذبہ جہاد قابل دید اور قابل رشک ہے۔خیوہ کی فتح کے دوران اموال غنیمت میں سے ایک سائیکل ایک مجاہد کے ہاتھ آیا اور جب اس نے ایک روسی ٹینک بھاگتا ہوا دیکھا تو کلاشنکوف سے اس کا شکار کرنے کے لیے سائیکل پر ہی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اب سائیکل اور کلاشنکوف کا بھلا ٹینک کے ساتھ کیا مقابلہ تھا؟ مگر یہ مقابلہ ہوا اور مجاہد اللہ کے راستے میں زخمیوں کی فہرست میں شامل ہوگیا۔آدھے گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد ہم سڑک پر پہنچے۔مجاہدین کی آمد و رفت حسب معمول سڑک پر اور اردگرد کی دونوں وادیوں میں جاری تھی۔ شہدا اور زخمیوں کو واپس لایا جا رہا تھا۔ ایک شہید کو یہیں دفن کرنے کی تیاریاں تھیں۔کندھا دینے کی سعادت سے اللہ نے ہم کو بھی بہرہ ور فرمایا۔

اللہ رے......! یہ کیا مقام ہے کہ نہ یہاں غسل کی ضرورت ہے، نہ کفن کی حاجت اور نہ جنازے کی کوئی احتیاج باقی ہے۔

سڑک پر تھوڑا سا آگے چلے تو ایک جدید ترین روسی ٹینک کھڑا تھا۔ یہ ٹینک بھی کمیونسٹ

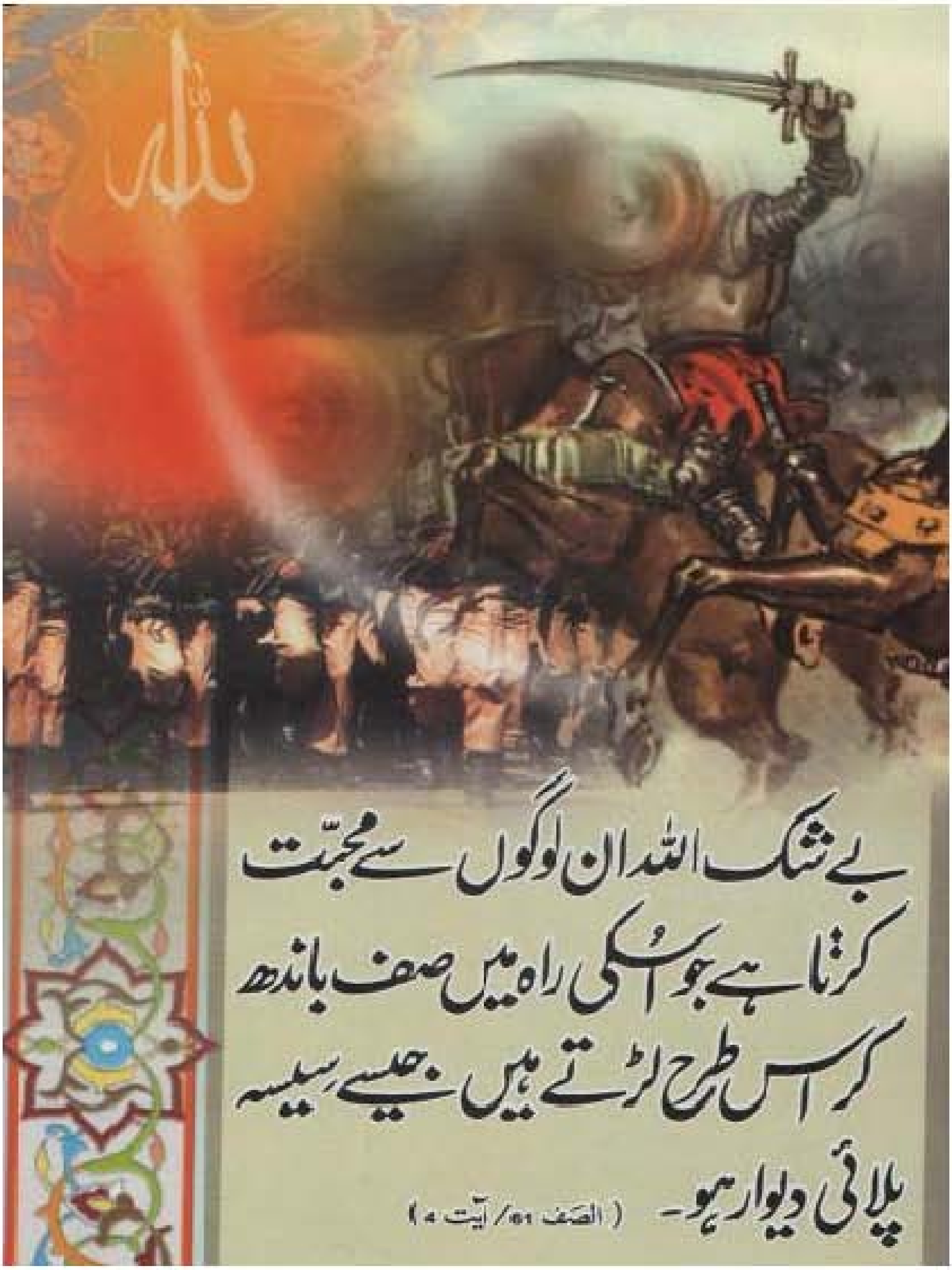
فوج سے بھاگ کر مجاہدین سے آ ملا تھا اور یہ کمیونسٹوں پر بمباری کرنے میں مصروف تھا۔ ہم ٹینک کے ڈرائیور کو سلام کہتے ہوئے آگے بڑھے تو ایک جیپ مجاہدین کو واپس لے جا رہی تھی، ہم بھی اس میں سوار ہو گئے اور ابھی ۵ منٹ کا فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ لڑاکا جہازوں نے بم برسانے شروع کر دیے۔ جیپ ہماری درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں کھڑی ہو گئی، جہازوں نے خوب بمباری کی۔ بم اتنے بڑے اور طاقتور تھے کہ ایک ایک ایکڑ زمین برباد ہو جاتی تھی۔ گہرے گڑھے پڑ جاتے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بھونچال آ گیا ہے۔ بہر حال ازاں بعد مجاہدین کی گاڑی ان کا انتظار کیے بغیر اپنے سفر پر گامزن ہو گئی، اس لیے کہ یہ تو ہر وقت کا کام ہے اور ان کی بمباری کی وجہ سے مجاہدین کھڑے ہو کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہی وہ مجاہدین کا طرزِ عمل ہے کہ جس کے سامنے آخر کار روسیوں کو بھاگنا پڑا۔ حالانکہ انہیں اپنی قوت پر فخر و غرور اتنا تھا کہ افغانستان پر فوج کشی کرنے کے بعد جب ساری دنیا نے روس کی مذمت کی تو اس وقت کے روسی صدر برزنیف نے ساری دنیا کو یہ متکبرانہ جواب دیا تھا: ''روسیوں کے ہاتھوں جو ملک ایک بار سرخ ہو جائے وہ سرخ ہی رہتا ہے۔'' مگر جب افغان مسلمانوں نے روسی سرخوں کو افغانستان کے پہاڑوں میں اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر سرخ کرنا شروع کیا تو ۲۵ فروری کو گورباچوف یہ کہتے ہوئے چیخ اٹھا: ''افغانستان میں فوجی مداخلت ایک گناہ تھا۔''

یعنی اب قوتِ ایمانی نے الحادی نظریے کے حاملین کے تکبر و نخوت کو خاک میں ملا کر انہیں اب گناہ کے مفہوم سے بھی آشنا کر دیا، جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر اسی گورباچوف کے ایک جرنیل نے افغانستان میں بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: ''روسی کہاوت ہے کہ کپڑے کو کاٹنے سے پہلے ہزار مرتبہ ماپ لو، اس لیے کہ کاٹنے اور کترنے کا موقع ایک ہی بار ملتا ہے۔''

یہی کہاوت سنا کر وہ کہتا ہے:

''افغانستان میں ہمیں یہ سبق ملا ہے کہ آئندہ کسی ملک میں ایسی مداخلت کرتے وقت ہزار بار سوچیں۔''

❁❁❁


اللہ
بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت
کرتا ہے جو اُسکی راہ میں صف باندھ
کر اس طرح لڑتے ہیں جیسے سیسہ
پلائی دیوار ہو۔
(الصف ۶۱/ آیت ۴)

نواں باب

اقامت دین اور معسکر پر حزب اسلامی کی یلغار

اقامت دین اور معسکر پر حزب اسلامی کی یلغار

کنڑ میں امارت اسلامی کا قیام

۱۷ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو جب کنڑ فتح ہوا تو اس کے بعد تمام افغان جماعتیں خصوصاً حزب اسلامی صوبے کا نظام چلانے کے لیے اکٹھی ہوئیں۔ تو حزب اسلامی نے انتخاب کی تجویز پیش کی جب کہ شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ نے انتخابات کی مخالفت کی۔ آخر کار مجبوراً شیخ کو ان انتخابات میں حصہ لینا پڑا۔ بعد میں امارت اسلامی کے امیر کی حیثیت سے جب ان سے سوال کیا گیا کہ آپ نے انتخابات میں کیوں حصہ لیا؟ تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"یہ انتخابات اسلام کی روح کے خلاف ہیں لیکن ہمیں انتخابات پر مجبور کر دیا گیا۔ ہم نے کہا کہ سب مل کر کسی متقی، پرہیز گار اور قرآن و حدیث پر عبور رکھنے والے شخص کو آگے لائیں، جس کی سارے مل کی بیعت کریں۔

لیکن حزب اسلامی والے کہنے لگے کہ نہیں ضروری ہے کہ ہر جماعت، انتخابات میں حصہ لے اور جو آگے بڑھے وہ حکومت کرے۔ اس لیے یہ انتخابات ہم پر ٹھونسے گئے ہیں، ہم نے بارہا کہا کہ یہ معاملہ شریعت کے ہاں ناپسندیدہ اور غیر مرغوب ہے بلکہ اس میں تو فساد ہی فساد ہے، منافقت، خود غرضی اور دشمنی بڑھتی ہے۔ ہم اس طریق کار کو خلاف شرع سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہماری مجبوری بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہم نے کفر کے غلبے کو تسلیم کر کے انتخابات میں حصہ نہیں لیا بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کے عذر کا موقع ختم کیا ہے۔ ہم سے یہ جو غلطی کروائی

گئی ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی طلب کرتے ہیں۔'' (مجلۃ الدعوۃ ، جولائی ۹۰ء)

بہر حال انتخابات کے بعد جماعۃ الدعوۃ نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کر لی۔ جس پر حزب اسلامی نے دھاندلی کا الزام لگا کر نتائج کو ماننے سے انکار کردیا اور دوبارہ الیکشن کروانے پر زور دیا۔ اس پر کافی لے دے کے بعد آخر دوسرے نمبر پر آنے والی حزب اسلامی شامل اقتدار ہونے پر رضامند ہوگئی۔ شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ امیر منتخب کر لیے گئے۔ شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کی امارت کی دستاویز بھی لکھی گئی تو حزب اسلامی کے پیڈ پر۔ چنانچہ اس کی کاپی اور ترجمہ ملاحظہ کریں۔

مورخہ ۱۳۶۸/۱۲/۲۱ھ ،ش مطابق ۱۴۱۰/۰۸/۱۴ھ ق بمطابق ۱۰ مارچ ۱۹۸۹ء کو حزب اسلامی حکمت یار اور جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ کے نمائندوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ مولوی جمیل الرحمٰن امیر جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ امارت اسلامی کنڑ افغانستان کے امیر ہوں گے۔ یہ فیصلہ حزب اسلامی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا۔ اس کا متن درج ذیل ہے:

سیاسی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی حکومت بنانے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا:

۱۔ دونوں تنظیموں کی مشترکہ تائید پر مولوی جمیل الرحمٰن ﷫ امارت اسلامی کے رئیس کی حیثیت سے اصول وضوابط اور مسلمہ قواعد کی روشنی میں کام کریں گے۔

۲۔ مولوی فقیر اللہ امارت اسلامی کے معاون کی حیثیت سے ہوں گے اور دونوں تنظیموں کی تائید سے ہوں گے۔ اس قرارداد پر مندرجہ ذیل افراد نے دستخط کیے ہیں۔

انجینئر وحید اللہ صاحب	حزب اسلامی
مولوی فقیر اللہ صاحب	حزب اسلامی
مولوی محمد ہاشم صاحب	حزب اسلامی (موصوف اس قرارداد کا محرر بھی ہے)
عبدالصبور توحیدی	حزب اسلامی

- مولوی رحمت خان — جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ
- حاجی روح اللہ — جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ
- مولوی عبدالبصیر — جماعۃ الدعوۃ الی القران والسنۃ
- شہید شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ نے اس قرارداد کی تائید میں یوں تحریر فرمایا ہے:

"جیسا کہ بھائیوں کا فیصلہ ہوگا ہمیں منظور ہوگا۔"

نقشہ

اس کے بعد اب وہ عہد نامہ ملاحظہ کریں جس میں حزب اسلامی کے پیڈ پر ہی امارت اسلامی میں حزب اسلامی کی شمولیت اور بیعت امیر کی تحریر موجود ہے۔

حزب اسلامی (حکمت یار گروپ) ولایت کنڑ افغانستان کے صوبائی شوریٰ کے اکثر ارکان نے اپنے معاہدات کے پیش نظر امارت اسلامی میں شمولیت اور امیر کی بیعت کر کے ایک تحریری عہدی نامہ لکھا تھا، جس کا متن درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم حزب اسلامی کنڑ کے صوبائی شوریٰ کے ارکان جہاد اور اتحاد سے محبت کرنے والے افراد اور کمانڈران حزب اسلامی افغانستان کے نصب العین کے مطابق اور اسلامی انقلاب کے دوام میں بہت سے تجربات اور گزارشات اور موجودہ سیاسی اور اجتماعی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ کے ساتھ (اکتوبر ۱۹۹۰ء کے ماہنامہ دعوت کے ۲۳ویں صفحے پر نشر ہونے والی دستاویز) عہد اور فیصلے کے مطابق اور اسلامی مصلحتوں کے پیش نظر ہم اپنا فریضہ سمجھتے ہیں کہ ہم درج ذیل طریقہ سے اعلان کریں۔ ہم حزب اسلامی افغانستان کے ساتھ اپنا عہد برقرار رکھنے کے ساتھ صوبہ کنڑ میں بنائی ہوئی امارت اسلامی کے ساتھ بیعت کا اعلان کرتے ہیں اور اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ کلام اللہ المجید اور

ارشادات نبوی کے نفاذ اور تعمیل کے لیے ہم کسی قسم کی مالی اور بدنی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

اس اعلامیہ پر جن افراد نے دستخط کیے، درج ذیل ہیں:

مورخہ ۲۸/۱۰/۱۳۶۹ھ ش بمطابق ۱۸ جنوری ۱۹۹۱ء

① نور محمد مجیدی ② انجینئر محمد نعیم

③ معلم محمد رحمان ④ مولوی محمد گل

⑤ معلم شہید اللہ ⑥ مامور میر احمد

⑦ مولوی محمد جالات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

حزب اسلامی صوبہ کنڑ سے مربوط ...... راہنما اور بھائیوں کا اعلامیہ اور امارت اسلامی کے ساتھ شرعی بیعت جو کہ انہوں نے اپنے معاہدات اور اسلامی مسئولیت کے تقاضوں کے پیش نظر کی ہے، ہمیں منظور ہے اور باقی بھائیوں سے امید رکھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے معاہدات اور اسلامی مسئولیت کے پیش نظر اپنے وعدوں کا ایفاء کریں گے۔

دستخط ......شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ

امارت اسلامی کے امیر منتخب ہونے کے بعد

الشیخ جمیل الرحمٰن شہید کا پہلا خطاب

شیخ رحمہ اللہ نے ۵ اشوال ۱۴۱۰ھ بمطابق ۹ مئی ۱۹۹۰ء کو کنڑ کے صوبائی ہیڈ کوارٹر اسد آباد میں امارت اسلامی کا افتتاح کیا۔ اگلے دن یہاں مرکزی دفتر کھول دیا گیا اور پھر شیخ نے اسد آباد کے جہاد چوک میں عوام سے خطاب کیا۔ خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد انہوں نے کہا:

میرے مجاہد بھائیو......!

دین اسلام کے دو حصے ہیں، ایک عقیدہ اور دوسرا شریعت وطریقہ۔ ایمان اور عقیدہ سوچ وفکر اور دل سے تعلق رکھتا ہے جب کہ ظاہری اعمال اور انسانی جسم کے بیرونی اعضا سے تعلق رکھنے والے اعمال کو شریعت وطریقہ کہا جاتا ہے۔

عقیدہ ہم اور آپ سب نے اجمالی طور پر ماں باپ سے سیکھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں، کتابوں، رسولوں، روز قیامت اور اس بات پر ایمان کہ تمام تر خیر وشر اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسل اور آسمانی کتابوں کی باتوں میں شک وتردد نہیں۔ اگر کوئی شک کرے گا تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اس ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے جس چیز سے منع کیا اور جس کے کرنے کی ہدایت کی، جبرائیل علیہ السلام جو امر و نہی اللہ کی طرف سے قرآن مجید کی صورت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور پیغمبر نے جو امر و نہی اللہ کی طرف سے اس کے بندوں تک پہنچائے اس کے مطابق زندگی گزارنا۔

یہ امر و نہی کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ میں موجود ہے۔ اللہ بندگی کے مستحق ہیں۔ آدمی جس سے محبت رکھے، جس سے خوف محسوس کرے، جس پر توکل اور بھروسہ کرے، جس کے سوا کسی اور سے نہ ڈرے کسی اور پر تکیہ نہ کرے، جس کی تمام باتوں کا یقین و اعتماد کرے اور جس کی بڑائی اور اکرام اس کے نفس میں ہو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس امر و نہی کا اظہار کیا ہے، اسی کا نام شریعت ہے، اس کا اتباع کرنا ایمان ہے۔ یعنی الوہیت بھی اس اللہ کے سوا کسی اور کی نہیں ماننا اور اللہ کو ماننا ہو تو اس طریقے کے مطابق جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ قرآن کا فرمان ہے کہ جب تک آدمی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ کا حکم نہ مانے، شریعت کی پیروی نہ کرے، وہ مومن اور مسلمان نہیں ہوسکتا۔

یہود ونصاریٰ نے اللہ کے احکامات چھوڑ دیے تھے، اپنے علماء اور نیک بندوں کو رب بنا لیا تھا، ان کے اقوال کو اہمیت دیتے تھے، ان کے بارے اللہ کا حکم ہے کہ ان سے جنگ و

قتال کرو۔ ائمۂ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ کامل اور مکمل یقین صرف اللہ اور رسول ﷺ کے قول کا کیا جانا چاہیے۔ جن علماء اور بزرگوں کے اقوال اس میزان پر پورے اتریں انہیں لو، باقی چھوڑ دو۔

جو لوگ زندگی کے کسی شعبے میں اللہ کے حکم سے نکلیں اور اسے خود پر لازم نہ سمجھیں وہ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ اللہ کے حکم کی تطبیق کی خاطر لوگوں کو دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور پیغمبر بھیجے۔ رسول ﷺ نے تیرہ سال تک مکہ میں دعوت دین کی تحریک چلائی، پیغمبر کی دعوت، ان کا کلام، لہجہ، خلوص، حکمت عملی، دلیل، محبت غرض آپ ﷺ کی دعوت میں قبولیت کی تمام شرائط موجود تھیں۔ لیکن تیرہ سالوں میں مکہ کے دوسو سے کم لوگ ایمان لائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو علم تھا کہ یہ جہل، تعصب اور عناد کے دلدل پر سوار لوگ صرف باتوں کے راستے سے اصلاح کی طرف نہیں آئیں گے۔ جب رسول مقبول ﷺ نے مدینہ ہجرت کی، علم جہاد بلند کیا، ہجرت کے آٹھویں سال جب مسلمانوں کا لشکر مکہ میں داخل ہو رہا تھا تو دس ہزار صحابہ کرام تھے اور پانچ روز بعد جب ہوازن کی جنگ میں مسلمانوں کا لشکر روانہ ہو رہا تھا تو اس میں مکہ کے دو ہزار جوان شامل ہو چکے تھے۔ اشاعت دین کے لیے تبلیغ کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن صرف تبلیغ سے بھی کام نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو، یہاں تک کہ دین، تابعداری اور حاکمیت صرف اللہ کے لیے رہ جائے اور فتنہ باقی نہ رہے۔ یعنی دعوت کے ساتھ ساتھ فتنہ وفساد، کفر اور ظلم وناانصافی کے خلاف جہاد وقتال بھی ضروری ہے۔

مجاہد بھائیو......! جہاد اس لیے فرض نہیں ہوا کہ ایک کمانڈر اس گاؤں میں امیر یا حاکم ہو جائے اور دوسرا کمانڈر دوسرے گاؤں کا امیر ہو جائے اور دور جاہلیت کی طرح ایک بار پھر گروہی اور قبائلی زندگی شروع ہو۔ بلکہ یہ جہاد اسلام کی حاکمیت کے لیے تھا، ظلم وجاہلیت اور غیر اسلامی نظام کے خاتمے کے لیے تھا، اس وقت افغانستان میں ایک بھی علاقہ ایسا نہیں

جہاں امن کی ضمانت ہو اور شریعت کی حاکمیت ہو۔

کنڑ آزاد ہے۔ اس میں کمانڈر، امیر اور مجاہدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے یہاں شریعت نافذ کریں۔ ہم اور آپ اس علاقہ میں شریعت کے نفاذ اور امن کے قیام کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، ہم نے جہاد اسی مقصد کے لیے شروع کیا تھا، اب اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو کیا ہم اللہ کے سامنے جھوٹے نہ ہوں گے؟ کیا اس کی ذمہ داری ہم دوسروں پر ڈال سکتے ہیں؟ اگر ہم خود ایسا نہیں کرتے تو قیامت کے روز ہم کسی پارٹی کے رہنما حکمت یار، سیاف وغیرہ کے گریبان میں ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔

مجاہد بھائیو......! روس افغانستان سے نکلا، یہ اللہ کے فضل اور نصرت سے ہوا، ہماری شہادت اور قربانیوں سے نہیں، اللہ نے روسیوں کی پسپائی سے ہمارے جہاد کا پردہ رکھا۔ اللہ کہتا ہے: ''تم بندگی کی حدود سے باہر نہ نکلو، نصرت و کامیابی کے اسباب میں فراہم کرتا ہوں۔'' اگر ہم ساری عمر سجدے میں گرے رہیں تب بھی اس احسان کا بدلا نہیں چکا سکتے کہ اللہ نے جہاد اور مجاہد کی آبرو رکھ لی۔ یہ جہاد تو اس لیے نہیں تھا کہ کمانڈروں کی ٹھیکیداری قائم ہو جائے۔ پغمان میں جا کر دیکھو کمانڈر آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایسے کمانڈر جہاد کی آخری کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ وہ امیر اور کمانڈر کہ جن میں ایمان، شعور، جرأت اور فہم و ادراک ہو، جہاد کی پشت پناہی کرتے ہیں مگر ایسے لوگ کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔ ہم نے ایسا نہیں کیا۔ کمانڈروں نے جگہ جگہ پھاٹک بنائے ہیں کہ جن کے ذریعے مال لیا جاتا ہے۔ اس بدنظمی، اللہ کے حکم سے بغاوت، نافرمانی اور جہاد کی اصل روح کو بھلانے کے نتیجے میں دشمن کامیاب رہا، مجاہدین کو جلال آباد کی فرنٹ لائن کے مورچوں سے پسپا ہونا پڑا۔

ہم کنڑ کے مجاہدین سے کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ پر لطف کیا کہ آپ کو سب سے پہلے جہاد کے لیے منتخب کیا۔ آپ لوگوں نے اس جہاد کو شروع کیا اور اب پھر آپ پر اللہ نے

لطف و کرم کیا ہے کہ سب سے پہلے اس صوبہ کنڑ کو آزاد کرایا۔ اس کے ساتھ ساتھ کیمپوں میں قرآن و حدیث کے درس وتدریس کا انتظام کرنے کی قوت دی۔ چنانچہ دینی فہم و ادراک جو کنڑ کے لوگوں میں ہے کسی اور قوم میں نہیں۔ یہ تمام نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں اس کا تقاضا ہے کہ ہم جہاد کو اس کے اغراض و مقاصد کے حصول تک جاری رکھیں۔ ان لوگوں کا ساتھ نہ دیں جو ذاتی اور مادی مفادات کے لیے اجتماعی معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم ہے، اس کا آخری پیغمبر ﷺ رحمۃ للعالمین ہے، اس کا قرآن اور دین انسانوں کے لیے رحمت ہے۔ جو لوگ ہمیں اس رحمت سے محروم کرنا چاہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ، ایک روز ایک معاہدہ کرتے ہیں اور دوسرے روز دوسرا۔ اگر ہم اپنی زندگی اور اپنا معاشرہ ان لوگوں کے تابع کریں تو نہ معاشرہ درست ہوسکتا ہے، نہ اس علاقے میں امن آسکتا ہے اور نہ ہی مہاجر کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی گزارنے والے مہاجرین واپس آسکتے ہیں۔ رکاوٹ کیا ہے؟ صرف یہی کہ ہر مجاہد چاہتا ہے کہ اس کی مرضی چلے۔ جو لوگ مادی مفادات پر اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہیں ان کے لیے رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”ایسے لوگ بد بخت ہیں، تباہ و برباد ہونے والے ہیں اور ان کے لیے دنیا و آخرت کی ناکامی اور رسوائی ہے۔“

آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے اس جہاد کا آغاز کیا تھا تو آپ کہتے تھے کہ ہم نے اللہ کے لیے جہاد شروع کیا ہے۔ اس جہاد کو تقریباً بارہ سال ہو گئے اب جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم حاکم نہیں، یہ معاشرہ اس کے احکامات و ہدایات کے مطابق نہیں۔

تو آیئے عہد کریں کہ افغانستان میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ اور ایک اسلامی معاشرے کے قیام تک جہاد فی سبیل کو جاری رکھیں گے۔

امارت اسلامی میں حزب اسلامی کا کردار

کنڑ میں امارت اسلامی نے اللہ کا قانون نافذ کردیا، حدود کا نظام جاری ہوگیا، شادی

شدہ مرد اور عورت کو سنگسار کیا گیا، اسی طرح ایک عورت نے اپنے خاوند کو ہلاک کر دیا، قتل کی اس سازش میں اس کا داماد بھی شامل تھا، چنانچہ اسلامی عدالت نے بیوی اور داماد دونوں کو سرعام پھانسی کی سزا دے دی۔ ۸ جنوری ۱۹۹۰ء کے نوائے وقت نے یہ خبر دیتے ہوئے یہ بھی بتلایا کہ اس علاقہ میں اسلامی عدالت دو برس سے آزادانہ کام کر رہی ہے۔

یہ ان آسمانی قوانین کی برکت تھی کہ کنڑ جیسا علاقہ جو ڈاکوؤں اور لٹیروں کا کبھی گڑھ ہوا کرتا تھا، پاکستان کے آزاد علاقوں کے بڑے بڑے مجرم بھی وہاں پناہ لیتے تھے، آج وہ اس قدر امن وسکون کا گہوارہ تھا کہ سارے افغانستان میں اس کی مثالیں پیش کی جانے لگیں۔ تجارت وہاں خوب ہونے لگی۔ مہاجرین واپس آ گئے۔ دیکھتے دیکھتے ہی یہ علاقہ ایسے ہو گیا جیسے یہاں کبھی جنگ ہوئی ہی نہ ہو...... چنانچہ حزب اسلامی نے خطرہ محسوس کیا کہ ہماری جماعت تو افغانستان کی بڑی جماعت ہے مگر کنڑ میں ہمارا ناک رگڑنے کے بعد یہ اہل حدیث تو سارے افغانستان پر چھا جائیں گے۔ چنانچہ کنڑ کا وہ علاقہ کہ جہاں داڑھی مونڈنے کے لیے حجام انکار کر دیتا تھا، سگریٹ وہاں نہیں ملتا تھا، ظاہری طور پر ایک پاکیزہ ماحول تھا، حزب اسلامی نے اسے آلودہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ کوششیں تو بڑی بھیانک تھیں مگر حلم وحوصلے کے کوہ گراں شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کی زبان سے محتاط لفظوں میں اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

سوال: ''گزشتہ دنوں حزب اسلامی اور جماعۃ الدعوۃ کے درمیان جھڑپوں کی خبریں آتی رہی ہیں، اختلافات کی اصل وجہ کیا تھی اور کیا اس سے مجاہدین کے موقف کو نقصان نہیں پہنچ رہا؟''

جواب: ''حزب اسلامی کے ساتھ ہماری کوئی لڑائی نہیں، کوئی اختلاف نہیں، آج بھی ہماری حکومت میں حزب اسلامی کے چار وزیر شامل ہیں، جو امارت اسلامی کی قیادت پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ جہاں تک جھڑپوں کا تعلق ہے تو دراصل ہوا یوں کہ اس علاقہ میں دو ڈاکو

تھے، جو مسافروں کو لوٹتے تھے، عام لوگوں کو تنگ کرتے تھے، پاکستان میں بھی انہوں نے ڈاکے ڈالے۔ اب امارت اسلامی اپنا یہ فرض سمجھتی ہے کہ اپنے شہریوں اور مسافروں کو مکمل تحفظ فراہم کرے۔ امارت اسلامی نے ان ڈاکوؤں کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے۔ بعد میں ان میں سے ایک ڈاکو نے صوبہ کنڑ سے باہر حزب اسلامی کے ایک مرکز میں پناہ حاصل کر لی۔ ہم نے حزب اسلامی کی قیادت سے مطالبہ کیا کہ اسے امارت اسلامی کے سپرد کیا جائے تاکہ اس کے خلاف اسلامی عدالت میں مقدمہ چلا کر فیصلہ کیا جائے۔ مگر حزب اسلامی کی قیادت ٹال مٹول سے کام لیتی رہی۔ اسی اثناء میں چنار ڈابہ کے مقام پر حزب اسلامی کے کچھ کمانڈروں نے ٹریفک روک کر راستہ بند کر دیا۔ امارت نے اس معاملہ کو سلجھانے کے لیے عرب بھائیوں کا ایک وفد بھیجا مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ پھر انہوں نے امارت کے سکیورٹی گارڈز پر فائرنگ کر کے دو سکیورٹی والوں کو شہید کر دیا۔ ہم نے مجرم طلب کیے مگر پھر وہی بے پرواہی برتی گئی۔ اس کے بعد امارت نے جماعت اسلامی پاکستان کی سربراہی میں ایک وفد مذاکرات کے لیے بھیجا مگر اسے بھی قبول نہ کیا گیا، بلکہ انہوں نے ایک مقام پر امارت کے چار آدمیوں کو جن میں عرب مجاہد بھی شامل تھے قیدی بنا لیا۔ اسی روز امارت کے ایک کمانڈر اگلے مورچوں سے واپس آرہے تھے کہ ان پر حزب اسلامی نے حملہ کیا اور تین افراد کو شہید کر دیا...... اب تک امارت اسلامی نے صبر سے کام لیا تھا مگر ان کی کارروائیاں بڑھتی ہی جارہی تھیں۔ وہ لوگ دراصل امارت اسلامی کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے ۲۰ مئی کو مجاہدین بھیج کر بغیر خون بہائے سب کو فتح کر لیا۔ اسی روز ''سرکانو'' کے مرکز سے حزب اسلامی نے میزائلوں سے امارت اسلامی پر حملہ کر دیا۔ پھر انہوں نے عربوں کے ایک مرکز پر بھی حملہ کیا۔ اب تک امارت اسلامی نے ایک گولی بھی نہیں چلائی تھی۔ اس کے بعد امارت اسلامی نے اپنے مجاہدین کو حکم دیا کہ ''سرکانو'' مرکز پر ہوائی فائرنگ کر کے اسے اپنی تحویل میں لیا جائے اور ایسا ہی ہوا مجاہدین نے ایک مختصر سے اپریشن کے بعد تمام صورتحال پر قابو پا

لیا اور ڈاکوؤں کو بھی گرفتار کر کے ان پر شرعی حدود نافذ کر دی گئیں۔ اب اللہ کے فضل سے امارت اسلامی میں مکمل امن ہے۔ اب یہ لوگ وہابی جیسے الفاظ استعمال کر کے تعصب پھیلا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجاہدین کے باہمی اختلافات کسی بھی طرح جہاد افغانستان کے لیے مفید نہیں۔ حزب اسلامی والے ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے درمیان اگر کوئی غلط فہمی ہو بھی جائے تو اسے مل بیٹھ کر باہمی بات چیت کے ذریعے حل کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو آپس میں گولی کی زبان زیب نہیں دیتی۔"

مگر...... جنہیں یہ ایک عرصہ سے زیب دیتی آئی ہے انہوں نے خفیہ منصوبے کے تحت گولی چلائی کہ جس کی توقع نہ تھی۔ پھر یہ گولی آخر کار امارت اسلامی کے سقوط کے چند ہی دن بعد امیر کے ماتھے کے نیچے دونوں آنکھوں کے درمیان پیوست ہو گئی۔ آج شاہ شہید کی یاد پھر تازہ ہو گئی کہ انہیں بھی پیشانی پر ہی گولی لگی تھی، جو اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر غلبۂ اسلام کی خواہشیں لیے خاک آلود ہوا کرتی تھیں...... کتنی پیاری لگتی ہو گی ایسی پیشانی اس کے بنانے والے کو۔ جس مصر کے اخوانی نے یہ گولی ماری اسے تو موقع پر ہی ہلاک کر دیا گیا۔ البتہ اس کی قدرے تفصیل ملاحظہ کر لیں۔

آج صبح (۳۰/۸/۹۱ء بروز جمعۃ المبارک) قاتل (اللہ اسے ذلیل و رسوا کرے) مولانا شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کے گھر ان سے سلام و دعا اور ملاقات کا شوق ظاہر کرتے ہوئے داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت حضرت الشیخ جماعۃ الدعوۃ اور حزب اسلامی کے درمیان صلح کے لیے بعض عرب بھائیوں کی طرف سے قائم کردہ صلح کمیٹی کے ساتھ ایک مجلس میں مصروف گفتگو تھے۔

لہٰذا وہ قاتل شیخ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ عبداللہ رومی نامی یہ قاتل اپنے ساتھ لوڈ کیا ہوا پستول بھی لایا تھا۔ شیخ کے باڈی گارڈز عربوں پر اعتماد کی وجہ سے ان کی تلاشی میں سختی نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی اعتماد سے فائدہ اٹھا کر وہ گھر میں داخل ہوا۔ صلح کمیٹی کے ساتھ گفتگو

سے فارغ ہو کر حضرت الشیخ نماز جمعہ کے انتظار میں گھر کے صحن میں آ بیٹھے۔ مجرم شیخ کی طرف بڑھا اور اس انداز سے قریب ہوا کہ وہ آپ سے گلے ملنا چاہتا ہے۔ جونہی حضرت الشیخ اپنے قاتل سے گلے ملنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اس نے ہاتھ اپنی جیب کی طرف بڑھایا، پستول نکالا اور شیخ پر فائر کھول دیا۔ دو گولیاں آنکھ اور ناک کے درمیان آپ کے چہرے پر لگیں اور تیسری گولی سر میں کان کے قریب پیوست ہوگئی۔ گولیوں کی آواز سنتے ہی باڈی گارڈز معاملہ کی تحقیق کے لیے فوراً اندر آ گئے۔ دریں اثناء قاتل نے بھاگنے کی کوشش کی، اس نے ایک باڈی گارڈ پر بھی گولی کا فائر کیا جو اس کے پیٹ میں لگی اور پشت سے نکل گئی۔ دوسرے باڈی گارڈ نے اس کو گھیرے میں لے لیا۔ جب قاتل بھاگنے سے مایوس ہو گیا تو اس نے خودکشی کے لیے اپنے آپ پر فائر کیا اور ساتھ ہی شیخ کے باڈی گارڈ نے بھی اس پر فائر کر دیا۔

حزب اسلامی کا اگلا قدم

پاکستان کے سلفی مجاہدین اپنے جہادی ادارے ''مرکز الدعوۃ والارشاد'' کے تحت افغانستان میں ٹریننگ حاصل کرتے تھے۔ کنڑ میں ان کا معسکر تھا اور جلال آباد کے محاذ پر جہات، تیسرے نمبر پر اب یہ معسکر تھا، جو حزب اسلامی کے لیے خطرے کا باعث تھا۔ چنانچہ یہ بات کہ......

کنڑ پر حزب اسلامی نے قبضہ کر لیا...... عربوں کو بے دریغ ذبح کیا گیا...... شیخ جمیل الرحمٰن کو شہید کر دیا گیا، معسکر طیبہ کے گرد گھیرا ڈال کر اسلحہ اور دیگر ساز و سامان پر قبضہ کر لیا گیا...... معسکر کے دو ذمہ دار ساتھیوں کو گرفتار کر کے زد و کوب کیا گیا اور اس طرح کی دیگر بہت سی خبریں سن کر آخر کار مجھ سے نہ رہا گیا...... اس لیے کہ کنڑ کے پہاڑوں پر ہم اس وقت بھی آئے تھے جب شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ روسیوں کے خلاف برسر پیکار تھے اور پھر جب کنڑ فتح ہوا اور جلال آباد کے محاصرے کو بمشکل ایک ہفتہ ہو پایا تھا...... میں نے اس وقت کا

کنڑ ،ننگر ہار اورجلال آباد کا محاذ دیکھا تھا۔ پھر جب اس زمین پر آسمانی قوانین کا شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ کے ہاتھوں نفاذ ہوا، امارت اسلامی کا قیام عمل میں آیا، اس وقت کنڑ پر جوموسم بہار تھا میں نے وہ بھی دیکھا تھا...... آج دل بے تاب تھا کہ اس کنڑ کو دیکھوں۔ چنانچہ میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۱ء کولاہور سے روانہ ہوا اور اسی روز عشاء کے وقت کنڑ میں معسکر طیبہ کے اپنے مجاہد بھائیوں کے درمیان تھا......مگر اب کنڑ کا موسم بدل چکا تھا۔ ارض کنڑ کی بدقسمتی کہ اب اس پر قرآنی اور آسمانی قوانین کا راج نہیں تھا۔ امارت اسلامی کا سایہ نہیں تھا...... جماعۃ الدعوۃ کا پرچم نہ تھا...... اورکنڑ کا یہ کیا حال ہوا کہ شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ کنڑ سے ہی نہیں بلکہ اللہ کی اس زمین سے چرخ نیلی فام کی طرف پرواز کر گئے۔ نواپاس کا پہاڑ جس کی چوٹی پاکستان اور افغانستان کے درمیان حد فاصل ہے، پاکستان کی طرف سے یہ پہاڑ چڑھ کر افغانستان میں جب اس کی اترائی ختم ہوتی ہےتو چند دن پہلے عرصہ دو سال سے دسمبر ۱۹۸۹ء سے یہاں بائیں جانب ایک بورڈ لگا ہوا تھا، اس پر یہ کندہ تھا...... ''معسکر طیبہ فاصلہ چھ کلو'' میٹر اب یہ بورڈ غائب ہو چکا تھا۔ بورڈ کے اس مقام پر اب چند ساتھی بھائی امانت کی امارت میں باہر ہی ڈیرے ڈالے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھا تو ''مجلۃ الدعوۃ'' زندہ باد کہہ کر بھائی امانت اللہ صاحب مجھ سے بغلگیر ہوئے۔ پنجاب کے میدانی لوگ جو ان پہاڑوں میں آبسے تھے، ان کے پہاڑوں جیسے حوصلے دیکھ کر، اپنے دینی بھائیوں کو سامنے دیکھ کر سچی بات ہے سفر کی تکان کافور ہوگئی۔

رات کا کھانا کھایا،عشاء کی نماز ادا کی، یہاں کے حالات کے بارے معلومات حاصل کیں اورسو گئے۔ صبح امیر صاحب نے تہجد کی اذان دی۔ اللہ کی قربتوں سے کچھ زیادہ ہی ہمکنار کرنے والی یہ نماز ساتھیوں نے ادا کی، پھر فجر پڑھی...... مجھے درس کا حکم ہوا......صحابہ کے واقعات ......محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی مشکلات اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا قافلہ جو نواپاس پہاڑ کے پار ہی لٹا تھا، وہ حالات بیان کیے،عزم وہمت کا درس ہم سب نے کچھ

یوں لیا......

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے (کنٹر کی بیرک میں درس)

جزیرۃ العرب جو کہ طوائف الملو کی کا شکار تھا، مختلف خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا ......شرک اپنی آخری بلندیوں پر تھا...... محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ اٹھے۔ ان ریاستوں میں سے ایک ریاست جس کا نام عیینہ تھا۔ اس کا حکمران عثمان بن معمر تھا۔ شیخ نے اسے توحید کی دعوت دی۔ اس نے قبول کرتے ہوئے شیخ کو اپنی ریاست میں کام کرنے کا موقع دیا۔ جب دعوت پھیلنے لگی تو اہل شرک کو ایک آنکھ نہ بھائی، حتیٰ کہ بیرونی آقاؤں کے ساتھ رابطہ قائم کیا گیا۔ چنانچہ عثمان بن معمر کو اپنی ریاست اور اقتدار ختم ہوتا دکھائی دیا تو اس نے محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو ریاست سے نکل جانے کا حکم دیا ...... شیخ نکل کھڑے ہوئے......عثمان اب اس حد تک بدل چکا تھا کہ اس نے شیخ کے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیجا کہ اسے راستے میں قتل کر دینا...... اللہ نے شیخ کو بچانا تھا، اس پر ایسی ہیبت پڑی کہ وہ قتل کیے بغیر ہی راستے سے واپس آ گیا۔ شیخ کئی دنوں کا ریگستانی سفر طے کرتے ہوئے درعیہ کی ریاست میں پہنچے۔ یہ نماز فجر کا وقت تھا۔ مسجد کا امام آیا ...... یہ شیخ کا شاگرد تھا۔...... شیخ کو اس وقت دیکھ کر حیران ہوا...... خیر اس نے نماز کے لیے شیخ کو آگے کر دیا...... شیخ نے دوسری رکعت میں ''سورۃ البروج'' کی تلاوت کی۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ شیخ کے شاگرد سمجھ گئے کہ میرے استاد کو ستایا گیا ہے......پھر یہ خبر محمد بن سعود تک پہنچی۔ اس نے شیخ کا احترام و اکرام کیا۔ پھر دونوں نے مل کر دعوت و جہاد کا کام کیا اور نجد سے آگے بڑھ کر کئی علاقوں کو فتح کیا اور جس علاقے کو فتح کیا وہاں اللہ کا قانون نافذ کر دیا۔

سعود حکومت کا یہ پہلا دور تھا جو اپنوں اور بیگانوں کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ چنانچہ ترکوں اور انگریزوں نے مل کر اس حکومت کا خاتمہ کیا...... پھر دوسرا دور، پھر تیسرا دور کئی عشروں بعد شاہ فیصل کے باپ شاہ عبدالعزیز کے ہاتھوں شروع ہوا...... جو اب تک جاری وساری ہے۔

اسی طرح شاہ اسماعیل شہید نے سرحد کے کئی علاقے فتح کیے، پشاور فتح کیا اور جو علاقہ فتح کیا امارت اسلامی قائم کر کے اللہ کا قانون نافذ کر دیا..... مگر اس قافلے کے ساتھ کیا ہوا۔ اس قافلۂ توحید کو اسی طرح وہابی مشہور کر دیا گیا جس طرح محمد بن عبد الوہاب ؒ کے قافلے کو وہابی مشہور کر کے بدنام کیا گیا۔ انگریزوں کی اس چال میں اپنوں نے بھی حصہ ڈالا، سکھ تو صف آراء تھے ہی۔ چنانچہ بالاکوٹ میں اس قافلے کو خاک و خون میں لتھڑا دیا گیا اور پھر وہابی اور باغی کے نام کو ایک گالی بنا کر قیام پاکستان تک اہل توحید مجاہدوں کو ہر طرح سے ستایا گیا۔

تاریخ نے اپنے آپ کو پھر دہرایا۔ کنڑ میں شیخ جمیل الرحمٰن ؒ تھا، اس نے جتنا علاقہ فتح کیا، امارت اسلامی قائم کر کے اللہ کا قانون نافذ کر دیا۔ مگر اس بار بھی وہی ہوا جو ہوتا آیا ہے۔ کنڑ کے سلفیوں کو وہابی مشہور کیا گیا...... بے سروپا الزامات عائد کیے۔ حزبی آگے آگے تھے، برطانیہ کا جانشین امریکی انگریز پشت پر تھا۔ حکومت پاکستان نے اپنے عمل سے ہمنوائی ثابت کر دکھائی۔ دیگر افغان جماعتوں نے بھی حزبیوں کا ساتھ دیا۔ امارت کے بعض لوگوں کو غدار بنا کر اپنے ساتھ شامل کیا گیا پھر عسکری یلغار کی گئی اور پھر کنڑ کے ساتھ وہی ہوا جو پہلے ہوتا آیا ہے۔ حکمت یار ایک جلوس لے کر جب نواپاس پہاڑ کو عبور کر کے کنڑ میں داخل ہوا تو آزاد قبائلی علاقے کے لوگ بھی ہمراہ تھے۔ ہزاروں کا یہ جلوس وہابی کافر کے نعرے لگاتا ہوا کنڑ میں داخل ہوا اور پھر جو ہاتھ آیا جی بھر کر لوٹا گیا۔ پھر عرب بھائیوں کی باری آئی ...... اور اب معسکر طیبہ کی ...... تو ساتھیو! یہ سارے دور آتے رہتے ہیں۔ یہ ہماری اصلاح کے لیے ہیں۔ اللہ ہر حالت میں اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ چنانچہ یہ دور جو آج گزر رہا ہے...... اس کے بعد اگلے دور کی تیاری کیجیے اور زیادہ عزم و ہمت سے اٹھیے...... ہم نے تو اپنے کام کی مزدوری کا اللہ سے اجر لینا ہے...... نتائج اس مالک کے حوالے ہیں۔ باقی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اہل حدیث کو جہاں کہیں کوئی علاقہ میسر آیا ہے، جس خطۂ زمین پر اللہ نے

انہیں اختیار دیا ہے، ان لوگوں نے فی الفور وہاں اللہ کا قانون نافذ کیا ہے۔ افغانستان کے اس وقت کتنے ہی علاقے آزاد ہیں، کسی نہ کسی تنظیم کو وہاں کنٹرول بھی حاصل ہے، مگر یہ توفیق کسی کو نہیں ہوئی کہ وہاں کتاب وسنت کا قانون نافذ ہو..... یہ توفیق تو صرف اللہ نے سلفیوں کو دی مگر اسے بھی ختم کر کے دم لیا گیا.....مگر ہماری جد وجہد ان شاء اللہ جاری رہے گی۔

اسد آباد کی طرف

درس سے فارغ ہو کر تین ساتھی امانت اللہ اور بھائی اشفاق اسد آباد کو روانہ ہوئے۔ وہاں جانے کے لیے ہمارے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ خیر ہم پیدل ہی چل دیے۔ تقریباً گھنٹہ بھر چلنے کے بعد سرکانہ پل کے قریب پہنچے تو پیچھے سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ ہم نے اسے ہاتھ دیا، گاڑی رک گئی اور ہم اس کے پیچھے بیٹھ گئے۔ جب پیچھے بیٹھے تو امانت بھائی کہنے لگے.....حمزہ بھائی.....! یہ معسکر طیبہ کی گاڑی ہے، ہم اس کے مالک ہیں۔ ہم پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کو غصب کرنے والے حزبی چلا رہے ہیں۔ اور وہ نسوار کھا رہے تھے، سگریٹ پی رہے تھے۔ بھائی امانت نے آہ بھر کر کہا ''معسکر طیبہ کی گاڑی..... اور اس میں نسوار اور سگریٹ .....!!'' مگر ایک گاڑی کیا، پورے کنڑ کا ہی عجب حال ہو گیا ہے۔

سلفیوں کے دور میں یہاں سگریٹ پینا ممنوع تھا، نسوار کھانا قابل تعزیر جرم تھا، گانوں کی کیسٹیں کوئی شخص نہ رکھ سکتا تھا نہ چلا سکتا تھا۔ کہیں سے آواز آتی تو امارت اسلامی کے سپاہی آگے بڑھتے اور پھر اسے دھر لیا جاتا..... ٹیپ گاڑی میں ہو یا کسی کے ہاتھ میں، اس پر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی یا کسی عالم کی تقریر ہوتی تھی.....مگر اب کنڑ کی اس قرآنی فضا کو گندے گانوں، سگریٹ کے دھویں اور نسوار کی تھوتھو کے جراثیموں سے مسموم اور آلودہ کر دیا گیا تھا۔

سرکانہ پل سے آگے بڑھے..... ''توپچی'' دکھائی دیا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں عرب

بھائی کمیونسٹوں سے جہاد کرنے کے لیے مشقیں کیا کرتے ہیں مگر اب اس جگہ پر حزبی پہرا دے رہے تھے اور یہاں پر بورڈ لگا دیا گیا...... ''لشکر ایثار'' ہاں......! حزب کا یہ وہی لشکر ایثار ہے جس نے یہاں ان عربوں کو شہید کیا جنہوں نے افغان جہاد میں اربوں ڈالر ہی نہیں خرچ کیے بلکہ اپنی ہزاروں جانیں بھی قربان کی ہیں......جن کے گواہ افغانستان بھر میں پھیلے ہوئے قبرستان ہیں اور جی ہاں......! حکمت یار کے اس لشکر ایثار نے جو کارنامے سرانجام دیے ہیں اب انہیں دیکھتے چلے جایئے۔

اسد آباد شہر میں

کنڑ کا دار الحکومت یہ وہی اسد آباد شہر ہے کہ جس میں روسیوں نے ۱۲ سو مسلمانوں کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ اس شہر کو جب شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ کے مجاہدوں نے فتح کیا تھا۔ میں اس وقت یہاں آیا تھا۔ ہر طرف بربادی کے نشانات تھے......پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ اس قدر آباد ہوا کہ ایک بہترین شہر بن گیا۔ یہاں بجلی کا بندوبست ہو چکا تھا۔ بازاروں کی رونق دیدنی تھی۔ مکانات مرمت اور نئے سرے سے تعمیر ہی نہ ہو چکے تھے بلکہ آباد بھی ہو چکے تھے۔اسد آباد کے چوک میں تو کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ اس قدر بازار میں رش ہوتا تھا مگر جب اذان ہوتی تو یہ سارے بازار بند ہو جایا کرتے تھے۔ امارت کی پولیس ''صلوٰۃ صلوٰۃ'' پکارتی دکھائی دیتی تھی اور پھر مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتیں۔

ایک دفعہ حزبیوں نے اعتراضات اور یہ افواہیں پھیلانا شروع کر دیں کہ یہ تو ڈنڈے کی نماز ہے۔ یہ تو جبر ہے...... اسلام میں جبر نہیں ہے وغیرہ وغیرہ ۔تب امارت اسلامی کے امیر کی طرف سے اعلامیہ جاری کیا گیا،جس میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے ایک فرمان سے لایعنی اعتراضات کرنے والوں کا منہ بند کیا گیا ۔آپ ﷺ نے نماز کی اہمیت کے بارے ایک بار اس طرح فرمایا: ''میرا جی چاہتا ہے کہ میں مصلے پر کسی اور کو کھڑا کردوں، پھر مدینے کے بازاروں میں چکر لگاؤں اور جو لوگ مسجدوں میں نہیں پہنچتے ان کے گھروں کو آگ

لگادوں، مگر پھر مجھے عورتوں اور بچوں کا خیال آ جاتا ہے جو گھر میں ہوتے ہیں۔''

امارت اسلامی کے دور میں نماز کے وقت بازار سنسان ہو جاتے تھے، مگر ان سنسان بازاروں میں اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی ایک خوشبو آتی تھی۔ مگر آج یہ بازار سنسان تھے اور اب یہ ہر وقت سنسان ہی رہتے ہیں۔ امارت اسلامی کے آخری دنوں میں چوک میں جو دھماکا ہوا تھا، جس سے سات سو اہل توحید کے لاشے تڑپ گئے تھے، یہ چوک آج بھی اسی ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اردگرد کی دکانیں اور ہوٹل تباہ حال تھے۔ انسانوں کی جلی ہوئی اور خستہ ہڈیاں ابھی تک کہیں کہیں پڑی دکھائی دیتی تھیں۔ پاکستان کی ایک پوری بس ہمراہ مسافروں کے یہاں تباہ ہوئی تھی، جو اسد آباد کے راستے سے چترال جا رہی تھی۔ اس لیے کہ پاکستان کے لواڑی ٹاپ پہاڑ کی نسبت پشاور سے چترال جانے کے لیے یہ راستہ آسان اور کم مسافت والا ہے۔ انجینئروں اور تکنیکی ماہرین نے اسی وقت یہ کہہ دیا تھا کہ یہ دھماکا نہ کسی سکڈ میزائل کا ہے اور نہ کسی اور میزائل کا، یہ تو ایک سازش ہے۔ اس کے شواہد یوں بھی ملے کہ یہاں ایک حزبی کی اسلحے کی بہت بڑی دکان تھی، یہ ساری دکان تباہ ہوگئی مگر حزبی بچ گیا۔ وہ اس وقت مسجد میں تھا۔ بہر حال بعد کے واقعات نے اس خدشے کو اب یقین کا روپ دینا شروع کر دیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ یہ کن کی کارستانی تھی۔

شہر کی ویرانی یہ بتلا رہی تھی کہ اسے کس قدر لوٹا گیا ہے۔ امارت اسلامی کے وہ ادارے جو عوام کی بہبود کے لیے تھے، ان کے بورڈوں پر حزب اسلامی لکھ دیا گیا، جگہ جگہ حکمت یار کی تصاویر لگا دی گئی ہیں...... مگر ان اداروں کو لوٹا جا چکا تھا، نہ ان سے استفادہ ممکن تھا اور نہ کوئی فائدہ اٹھانے والا یہاں دکھائی دیتا۔ اتنے بڑے شہر میں چند لوگ دکھائی دیے۔ دو چار دکانیں جو گاہکوں کو ترس گئی تھیں۔ ایک ہوٹل جس میں کوئی آدمی نہ تھا۔ ایک نانبائی کہ جو روٹیاں پکا کر بیٹھا تھا مگر خریدار صرف ہم ہی تھے...... ایک سلفی بزرگ یہاں نظر آیا۔ اس سے پہلے ہی تعارف تھا۔ بڑے تپاک سے ملا اور مغموم ہو کر کہنے لگا: ''کمیونسٹوں کے بعد اس شہر

کے ساتھ جو سلوک اپنوں نے کیا اور جو ویرانی پھیلائی وہ ایک ایسی داستان ہے، جس کا سننا اورسنانا دل گردے کا کام ہے۔''

اسد آباد کی جامع مسجد اور شہر سے روانگی

شہر سے جب ہم نکلنے لگے تو مین بازار کے دائیں طرف جامع مسجد دکھائی دی جو اب اپنے خطیب کو ترس گئی ہے۔ امارت اسلامی کا حکمران شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ یہاں خود خطبہ جمعہ دیا کرتا تھا۔ خلافت راشدہ کے حسین اور زریں دور کی ایک جھلک دکھایا کرتا تھا۔ مجھے ایک ساتھی نے بتلایا..... تو پکی کی مسجد تعمیر ہو رہی تھی۔ یہ بڑی خوبصورت اور پختہ مسجد ہے، شیخ صاحب کے محافظ دور دور کھڑے تھے اور وہ مسجد کے لیے بھاری بھاری پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ جب چند لوگ دیکھ کر وہاں پہنچے تو شیخ چل کھڑے ہوئے۔ ایک شخص نے کہا: ''شیخ صاحب ان لوگوں کو دیکھ کر کیوں چل پڑے؟'' تو کہا: ''پہلے صرف اللہ کی رضا کے لیے کر رہا تھا..... اب ریا ہو گی۔''

جامع مسجد جو زبان حال سے اپنی اداسی بیان کر رہی تھی..... تو ہم بھی اس پر ایک اداس نظر ڈالتے ہوئے اس شہر سے چل دیے اور واپس اسی بیرک میں پہنچ گئے جو نواپاس پہاڑ کے دامن میں ہے۔ اس کے قریب ہی کنڑ کے حزبی گورنر کشمیر خان نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے..... میں نے امانت بھائی سے کہا کہ ایک تو میں اپنے معسکر طیبہ ضرور جاؤں گا دوسرا جو وہاں علمی خزانہ اور قرآن وحدیث کی کتب اور تفاسیر پڑی ہیں وہ تو لیتا جاؤں گا۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ کشمیر خان کے پاس جاتے ہیں اور اس سے ان کتابوں کے لیے چٹ لیتے ہیں تاکہ نواپاس کی چوکی پار ہو سکے اور دوسرا یہ کہ معسکر کا ٹریکٹر بھی اس سے مانگتے ہیں جو انہوں نے ادھار کہہ کر لیا تھا مگر اب دینے کا نام نہیں لیتے۔

کنڑ کے حزبی گورنر کشمیر خان کے پاس

کتابوں کے لیے ہم نے ایک گاڑی پشاور تک کے لیے کرائے پر لے لی اور اسی گاڑی پر یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر کشمیر خان کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچے۔ پیغام بھجوایا اور پھر بھائی امانت اللہ اور میں اندر گئے۔ بھائی امانت نے دوٹوک لفظوں میں کشمیر خان سے کہا: ''تم نے ہم سے ادھار ٹریکٹر لیا تھا ابھی تک نہیں دیا، جب کہ ہماری گاڑی بھی تمہارے پاس ہے، ہمیں آنے جانے میں دقت ہوتی ہے تو آج ہمیں ٹریکٹر چاہیے اور دوسرا یہ کہ کتابوں کے لیے رسید بھی بنا کر دو۔ ہم نے کرائے کی گاڑی لی ہے۔'' اس نے رسید بنا دی مگر بھائی امانت نے کہا: ''اپنے پیڈ پر بنا کر دو۔'' تو وہ کہنے لگا: ''کوئی بات نہیں یہی ٹھیک ہے۔'' اور ٹریکٹر کا بھی اس نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا اور ساتھ ہی کہا: ''اگر تم سے کوئی چھین لے تو ہم ذمہ دار نہیں۔'' یعنی ان الفاظ سے ہی ان کی نیت کا پتا چل رہا تھا۔ کوئی پوچھے کہ تمہاری حکومت میں تمہارے آدمیوں کے علاوہ اور کون ایسا کر سکتا ہے؟

معسکر طیبہ میں

''معسکر'' عربی کا لفظ ہے جس کا معنی ہے چھاؤنی یعنی ایسی جگہ جہاں جہاد کی تربیت دی جائے۔ ''طیبہ'' مدینہ کا ایک نام ہے، تو ''معسکر طیبہ'' کے نام میں یہ فکر اور جذبہ کارفرما ہے کہ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ''مدینہ طیبہ'' میں جہاد و قتال کا آغاز کیا، صحابہ کو جہادی مشقیں کرتے ہوئے دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ خوش ہوتے تھے بلکہ صحابہ کی نشانہ بازی کو دیکھ کر فرماتے تھے: ''اے بنی اسماعیل......! خوب تیر اندازی کرو اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے اچھے تیز انداز تھے۔''

دنیا جانتی ہے کہ پھر طیبہ کی مشقوں اور جہاد نے کیا رنگ دکھلائے، چاروں براعظموں میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اپنے وقت کی سپر پاوروں قیصر و کسریٰ کے ایوان الٹا دیے۔

مرکز الدعوۃ والارشاد کے مجاہدین نے پہلے صوبہ پکتیا کے ایک مقام جاجی پہنچ کر وہاں معسکر بنایا چونکہ وہاں سردیوں کے دنوں میں چار پانچ ماہ تک شدید برفباری کی وجہ سے

راستہ بند ہو جایا کرتا تھا اور ادھر صوبہ کنڑ میں سلفیوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی، چنانچہ جاجی سے معسکر کو دسمبر ۱۹۸۹ء میں کنڑ کے ایک مقام ''ناگو'' میں منتقل کردیا گیا۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے پورے برصغیر کے سلفیوں کو جہاد کے لیے سرحد میں جمع کیا تھا۔ مگر آج کے دور میں آمد و رفت اور مواصلات کے ذرائع نے پوری دنیا کو مختصر اور باہم متعارف کرادیا ہے۔ چنانچہ معسکر طیبہ کا دائرہ اب دنیا بھر میں پھیلتا جارہا تھا۔ پاکستان کے ہزاروں سلفیوں نے اس معسکر سے ٹریننگ حاصل کی، جہاد افغانستان میں حصہ لیا اور اب مجاہدین کشمیر بھی بڑی تعداد میں یہاں سے ٹریننگ لے چکے تھے۔ سری لنکا اور فلپائن کے نوجوانوں نے یہاں سے تربیت حاصل کی۔ بنگلہ دیش اور انڈونیشیا کے نوجوانوں نے یہاں سے تربیت حاصل کی۔ امریکہ تک سے لوگ آئے اور یہ سلسلہ جاری تھا کہ ذرا غور کیجیے! سلفیوں کا یہ چھوٹا سا ادارہ دنیا بھر کی طاغوتی آنکھوں میں کیسے کھٹکتا تھا۔ بھارت نے سری نگر ٹیلی ویژن سٹیشن سے معسکر طیبہ کی پوری فلم دکھائی۔ یہ کام اس نے جاسوسی کے ذریعے کیا یا مواصلاتی سیارہ کے ذریعے، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کابل ریڈیو تو ہر روز پنجابی وہابی کی رٹ لگائے رکھتا تھا۔ ایک بار افغانستان کے جہاد کا ذکر کرتے ہوئے بی بی سی آف لندن نے پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب کا نام لے کر وہابیت کا پروپیگنڈا کیا۔ امریکی رسالے ''ٹائم'' نے کنڑ پر تبصرہ کرتے ہوئے وہاں کے اہل حدیث مجاہدین سے خطرے کی بو سونگھی اور کفر کو خبردار کیا...... ماسکو ریڈیو نے تو ایسے کئی تبصرے کیے۔ غرض معسکر طیبہ سب کی نگاہوں میں کھٹکتا تھا۔ کیونکہ کفر کو معلوم تھا کہ چودہ سو سالہ پرانی فضا جو نبی مکرم امام الانبیاء ﷺ کے طیبہ میں تھی وہ فضا پھر سے بننا شروع ہوگئی ہے۔ چنانچہ مختلف ذرائع سے جو کچھ ہمیں معلوم ہوسکا ہے اس کے مطابق کنڑ کی سلفی حکومت، عرب بھائیوں کا معسکر اور معسکر طیبہ یہ سب کفر کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے باقاعدہ منصوبے کے تحت اپنے نیو ورلڈ آرڈر کا یہاں اطلاق کیا اور وہابیت کے پرانے پروپیگنڈے سے کچھ لوگوں کو آلہ کار بنا کر یہ

کام کر دیا...... ان لوگوں کی عیاریاں اور چالیں اس قدر ہیں کہ آلہ کار بننے والوں کو بھی بسا اوقات معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کس کی خدمت بجالا رہے ہیں۔

معسکر طیبہ کی آزاد فضاؤں میں کتنے ہی لوگوں کی اصلاح ہوئی، کئی جوانوں نے دعوت توحید کو سینے سے لگالیا جو نام کے موحد تھے وہ باریش ہو گئے، پانچ وقت کے نمازی بن گئے، ماں باپ کے فرماں بردار ہو گئے، کئی ہیروئن کے مریض وہاں پہنچ کر صحت یاب ہو گئے...... یہ تو ایک روحانی شفاخانہ تھا جہاں امیر معسکر قرآن وحدیث کی تعلیم سے مجاہدوں کے تزکیہ کا کام کرتے تھے اور جو کوئی دعوت و ارشاد اور ترغیب وتحریض کے باوجود متجاوز ہوتا تھا اسے تعزیری سزائیں بھی دی جاتی تھیں۔ وہاں شرعی نظم قائم تھا۔

اس معسکر میں کتنے ہی عرب شیوخ اور دیگر ممالک کے علماء پہنچے...... شیخ جمیل الرحمٰن شہید رحمہ اللہ جب پچھلے سال وہاں پہنچے تھے تو ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس وقت پاکستان سے جانے والے جید علماء کا ایک قافلہ بھی وہاں موجود تھا۔ مرکز الدعوۃ والارشاد کے مدیر اور امیر معسکر بھی امارت اسلامی کے حکمران کو خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھے...... تب شیخ نے وہاں ایک یادگار تقریر کی۔ کنڑ کے خطۂ ارض کو دنیا بھر کے مجاہدین کی زمین قرار دے دیا......غرض یہ سارے ایمان افروز واقعات اب تاریخ کا ایک حصہ ہیں...... وہ جگہیں کہ جہاں مجاہدین کی کلاسیں لگا کرتی تھیں اور مجاہدین دوڑتے ہوئے اتر رہے ہیں، چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہہ رہے ہیں، اترتے ہوئے سبحان اللہ کا ورد کر رہے ہیں، اللہ کے رسول کی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ معسکر کے وہ کمرے میں دیکھ رہا تھا کہ جن میں پاکستان سے مجاہدات اپنے خاوندوں کے ساتھ آکر ٹھہرتیں اور مشقیں کرتیں...... اور رمضان کے وہ ایام جب حافظ عبد السلام بھٹوی صاحب یہاں دورۂ تفسیر کرانے کے لیے تشریف لاتے۔ گرمیوں کی چھٹیوں کے وہ دن جب اس قدر یہاں رش ہوتا کہ خیموں کی قطاریں لگ جاتیں۔

اب میں وسیع وعریض مسجد میں چلا گیا۔ اس کے اوپر سپیکر لگا ہوا تھا...... یہاں مجاہدین کا

نماز پڑھنا، رو رو کر قنوت کرنا، اللہ سے مدد کی دعائیں مانگنا...... آہ......! اب اس قدر بڑی اس مسجد میں نماز کون پڑھے گا؟ اس کے اوپر لگا ہوا سپیکر کہ جب صبح کے وقت صدائے اللہ اکبر شبستان کا سینہ چاک کر کے سپیدۂ سحر نمودار ہونے کا پیغام دیتی تھی...... پہاڑوں کے سکوت میں جب آواز توحید سے ایک گونج اور رعشہ سیماب پیدا ہوتا تھا، پہاڑ اب اس کے سننے کو ترس جائیں گے۔

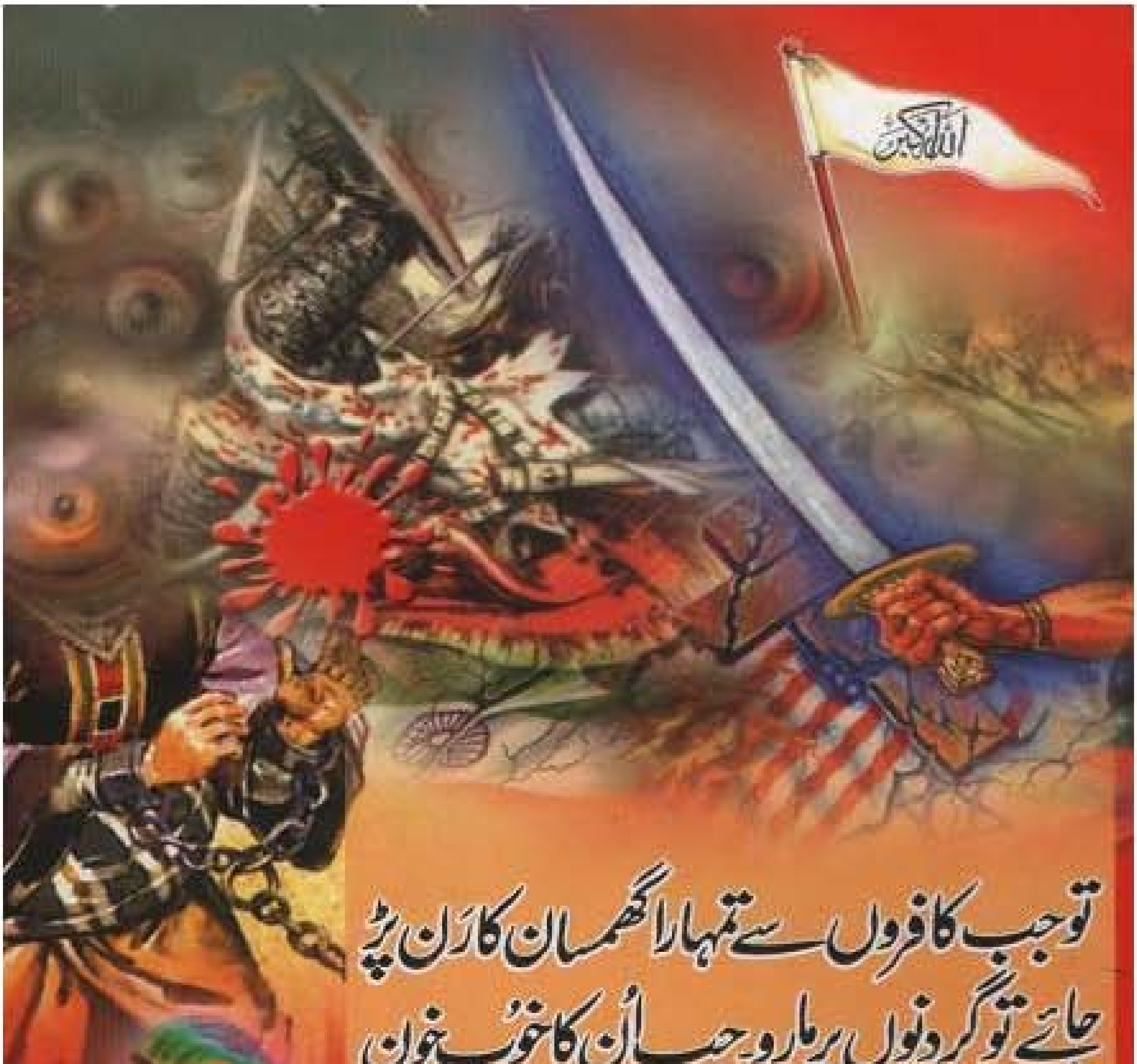
کبھی میری نظر معسکر طیبہ کے متاع جہاد پر جا پڑتی، جہاد کے گھوڑے دکھلائی دیتے اور کبھی مجاہدوں کی چائے کے لیے بھینسیں نظر آتیں، محاذ پر اسلحہ لے جانے والا ٹرک بھی سامنے کھڑا تھا...... گاڑیوں کی پوری ورکشاپ تھی۔ اسلحے کا ذخیرہ جو مجاہد کی سب سے محبوب شے ہے، وہ بکھرا پڑا تھا، کچھ لٹ گیا تھا، باقی لوٹنے کی تیاریاں تھیں مگر ان تیاریوں میں عیاریاں تھیں۔

معسکر طیبہ کا گھیراؤ

سانحہ کنڑ کے بعد امیر معسکر ضروری مشوروں کے لیے پاکستان آئے تو حزبیوں نے قائم مقام امیر معسکر اور بھائی جمیل کو پکڑا...... کشمیر خان کے ہیڈ کوارٹر کے پاس جیل میں لے گئے، انہیں مارا پیٹا۔ قتل کی دھمکیوں اور تشدد سے اپنی من پسند تحریر حاصل کی...... اور پھر ایک دن معسکر کے گرد اچانک گھیرا ڈال دیا گیا...... امیر معسکر سے کہنے لگے: "ہم سامان کو نوا پاس کے قریب منتقل کرنا چاہتے ہیں اور بس۔" چنانچہ سامان اٹھانے کی اجازت مانگی تو امیر نے کہا کہ ہم اجازت نہیں دیتے کہ یہ سامان ہمارا ہے، باقی آپ کا جس طرح دل چاہے۔ چنانچہ انہوں نے سامان اٹھانا شروع کر دیا۔ ساتھیوں نے مجھے بتلایا کہ جس کمانڈر کی قیادت میں یہ کام ہو رہا تھا...... وہ ایک معمولی سی شے اپنی سیٹ کے پیچھے چھپا رہا تھا۔ کوئی کیتلیں اٹھا رہا تھا۔ یہ سب لوٹ مار جاری تھی جب کہ وہاں صرف اسلحہ پہنچا اور جو راستے میں غائب ہوا وہ الگ ہے حتیٰ کہ سامان پر آپس میں بھی لڑ رہے تھے۔

اسعد بھائی نے کھانا پکایا، ہم چھ سات ساتھیوں نے کھانا کھایا..... اور پھر علم کے موتی گاڑی میں رکھنے شروع کر دیے کہ ان موتیوں کی انہیں کیا ضرورت تھی؟ گاڑی بھر گئی ......اور پھر آنسوؤں کے ساتھ بھری آنکھوں اور بھرائی آواز کے ساتھ میں نے ساتھیوں کو فی امان اللہ کہا: ”چند منٹوں کے بعد معسکر نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا..... رات پشاور پہنچے..... اگلے دن جماعۃ الدعوۃ کے امیر شیخ سمیع صاحب اور شیخ ولی اللہ صاحب اور شیخ جمیل الرحمٰن شہید ﷫ کے صاحب زادے سے ملاقاتیں کیں..... پھر لاہور چل دیا اور دو تین دن بعد خبر ملی کہ حزبی سارا سامان اٹھا کر لے گئے ہیں اور ساتھیوں سے یہاں سے چلے جانے کو کہہ دیا ہے۔ یہ سامان ایک کروڑ سے زائد مالیت کا تھا جو حزبیوں نے لوٹا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مجاہد کی زندگی ہی ہجرت و جہاد کے سفروں پر مشتمل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب مکہ چھوڑا تھا تو اس کی طرف منہ کر کے کہا تھا: ”اے مکہ! تجھے چھوڑنے کو دل تو نہیں چاہتا، اگر یہاں کے لوگ تجھے چھوڑنے پر مجبور نہ کرتے تو تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔“ مگر ہجرت کے بعد آٹھ سال بیت گئے پھر اللہ کے رسول ﷺ نے جہاد کا سفر کیا اور مکہ فتح ہو گیا..... اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں احد اور حنین کے واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ یہ کس قدر صحابہ کی آزمائش کے ایام تھے۔ غرض ان راہوں پر چلنے والوں کو ایسے حالات سے تو سابقہ پڑتا ہی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب ﷫ اور شاہ اسماعیل ﷫ کی تگ و تاز کا ہم ابھی ذکر کر چکے..... تو یہ راستہ تو اہل عزیمت کا راستہ ہے، وہ کہ جو صبر و استقلال کے پہاڑ ہوں، یہ ہجرت و جہاد ان کی راہ ہے۔ سو ہمارا کام اس راستے پر چلتے رہنا ہے..... سفر کے کسی موڑ پر وہ مرحلہ ان شاء اللہ ضرور آئے گا جب معسکر طیبہ دوبارہ آباد ہوگا۔ معسکر طیبہ پر مبنی فکر اور جذبوں کو ان کی جوانی مبارک، دنیا بھر میں طیبہ کی خوشبو کو پھیلنے سے روکنا اب کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔


تو جب کافروں سے تمہارا گھمسان کا رن پڑے
جائے تو گردنوں پر مارو۔ جب اُن کا خوب خون
بہا چکو تو مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو۔ پھر
اختیار ہے کہ خواہ اِحسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔
(محمد 47 / آیت 4)

دسواں باب

دیر (پاکستان) میں شیخ کی تحریک کے اثرات

دیر (پاکستان) میں شیخؒ کی تحریک کے اثرات

اقامت دین کا قیام جو جماعت اسلامی کی بھینٹ چڑھ گیا

پاکستان کے صوبہ سرحد کی ایک سابق ریاست مالاکنڈ ڈویژن کے ضلع دیر میں شریعت محمدی کا نفاذ کردیا گیا ہے مگر جماعت اسلامی مخالفت کر رہی ہے۔ میں دیر کے ایک سید کی بات سن کر چونک اٹھا۔ شاہ صاحب نے کہا:" ہاں، ہاں! یہ ایک حقیقت ہے، یقین نہ آئے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ آیے۔" خیر میں دورۂ افغانستان سے واپس آیا اور شاہ صاحب بھی ایک دوسرے ملک سے واپس آئے تو ہم بغیر کوئی دیر کیے "دیر" کی طرف چل دیے۔

قارئین کرام......! دیر جانے سے پہلے شاہ صاحب سے ان کی اپنی زبان میں جان پہچان کر لیجیے:

"۱۸ سال کا تھا کہ میں اسلامیہ کالج پشاور میں فسٹ ایئر میں داخل ہوا، وہاں شیخ جمیل الرحمٰن ؒ کا باڈی گارڈ باچا گل میری پھوپھی کا لڑکا تھا، میں اس سے ملنے جاتا تو شیخ سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ پھر میں شیخ کی مجلسوں اور دروس کی محفلوں میں بیٹھنے لگا، بس ان ملاقاتوں اور شیخ کی باتوں نے مجھے حنفی سے سلفی بنادیا۔

اب میں جماعۃ الدعوۃ کے ساتھ باقاعدہ طور پر منسلک ہوگیا، شیخ کے بھتیجے جناب ولی اللہ صاحب کی ریلیف ایجنسی میں عوامی رابطے کی ذمہ داری نبھاتا رہا، ایک سال بعد افغان اسلامک نیوز ایجنسی قائم ہوئی تو اس کا ڈپٹی ڈائریکٹر بن گیا، یوں اس حوالے سے میں شیخ کے اور زیادہ قریب ہوگیا، کنڑ میں مجاہدین کی خبریں اور شیخ کے انٹرویوز نشر کرتا رہا۔

میرے والد صاحب بہت بڑے گدی نشین تھے۔ ان کے ہزاروں مرید تھے۔ وہ فوت

ہوئے تو مریدوں نے ان کا مزار بنانا چاہا..... مگر اللہ کی توفیق سے میں نے گدی نشینی کے نام نہاد مقدس اور نفع بخش کاروبار کو ٹھوکر ماردی، باپ کا مزار بھی نہ بننے دیا اور دعوت توحید میں منہمک ہوگیا۔

اتفاق سے میں اس علاقے کا رہنے والا ہوں جس کی سرحد کنڑ کے ساتھ ملتی ہے اور دوسرا اتفاق یہ کہ شیخ نے پاکستان کے جس قبائلی علاقے باجوڑ میں اپنا ہیڈکوارٹر قائم کیا وہ بھی ہمارے پڑوس میں ہے، اس حوالے سے بھی میں شیخ کے اور قریب ہوگیا۔''

شاہ شہید کے بعد شیخ شہید کی دعوت کے اثرات

پشاور اور سرحد کے دوسرے کئی علاقوں سمیت دیر بھی سرحد کا وہ علاقہ ہے جہاں ڈیڑھ سو سال قبل شاہ اسماعیل شہید نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور یہاں اللہ کے قانون کا نفاذ کیا۔ یہ شاہ شہید کی دعوت اور جہاد کا نتیجہ ہی ہے کہ آج بھی توحید آباد، کالا باغ اور ہزارہ و گلیات کے کئی دیہات اہل حدیث ہیں اور یہ شاہ شہید کی تحریک دعوت و جہاد ہی کی برکت ہے کہ ریاست دیر میں اس وقت سے لے کر پاکستان میں شامل ہونے تک کسی نہ کسی صورت میں شریعت محمدی کے مطابق ہی فیصلے ہوتے رہے ہیں۔ دیر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقوں کا یہ وہ واحد ضلع ہے کہ جس میں کوئی غیر مسلم نہیں ہے اور یہ اعزاز یہاں کی ووٹر لسٹ میں بھی درج ہے۔

ایوب خان کے دور میں جب اس علاقے کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہوا تو یہاں بھی وہی انگریز کے قانون کی عمل داری ہوگئی۔ جمہوری الیکشن میں دیر کے عوام حصہ لینے لگے مگر چونکہ یہ لوگ مذہبی طور پر نمازی اور دیندار تھے، وہ انگریز کے قانون کو بھی پسند نہ کرتے تھے لہٰذا انہوں نے جماعت اسلامی کو دینی جماعت سمجھتے ہوئے ووٹ دینا شروع کیے۔ اسلام کے نام پر وہ جماعت اسلامی کو شروع سے لے کر آج تک اپنے سر کا تاج بنائے ہوئے ہیں۔ اس علاقے میں جماعت کی پانچ صوبائی اور ایک قومی اسمبلی کی مستقل سیٹیں ہیں،

جنہیں جماعت سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

دیر کی صورت حال کا ایک رخ اس حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوا کہ دیر کے پڑوس میں افغانستان کے صوبے کنڑ میں شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ روسیوں کے خلاف برسر پیکار تھے، کنڑ کے لوگ ہجرت کر کے دیر میں مہاجر بستیوں میں رہ رہے تھے۔ چنانچہ شیخ نے باجوڑ میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا اور کنڑ سے ملحق علاقوں مہمند، باجوڑ اور دیر میں شہداء کے یتیم بچوں اور بیوگان کی کفالت کے سلسلے شروع کیے۔ دار الایتام بنائے۔ مہاجروں کی خیمہ بستیوں میں مسجدیں بنائیں، مدرسے کھولے۔ دعوت کے پروگرام شروع کیے۔ پھر شیخ نے اپنے اس کام کو مہاجرین تک محدود نہیں رکھا بلکہ مقامی آبادیوں میں بھی اپنے اس کام کو پھیلا دیا۔ انہوں نے ''تیمر گرہ'' اور باجوڑ میں جامعہ سلفیہ کے نام سے مدارس قائم کیے۔ دیر سے اوپر کی ریاست چترال میں بھی مدرسے قائم کیے۔ دیہات وقصبات میں صحابہ کے ناموں سے مدارس قائم کیے...... اب یہ مدرسے محض مدرسے نہیں تھے بلکہ دعوتی مراکز بھی تھے۔ شیخ ان علاقوں کا دورہ بھی کرتے اور دعوتی پروگراموں میں شامل بھی ہوتے۔

دیر میں شریعت محمدی کی تحریک نے انگڑائی اس وقت لی جب شیخ نے کنڑ میں امارت اسلامی قائم کر کے وہاں اللہ کے قانون کو نافذ کردیا۔ اب دیر کے رہنے والوں نے سوچا کہ شیخ جمیل نے کنڑ کو فتح کرنے کے بعد وہاں اپنا کنٹرول حاصل کرتے ہی اللہ کا قانون نافذ کر دیا ہے تو یہاں دیر میں کیوں نہیں ہوسکتا؟ چنانچہ آج سے دو سال قبل جب شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ امارت اسلامی کنڑ کے حکمران تھے تو دیر میں تحریک نفاذ شریعت محمدی شروع ہو گئی۔ پاکستان میں ان دنوں بے نظیر بھٹو کی حکومت کے پہلے دور کے آخری ایام تھے۔ اب آیے! اس تحریک کے قائد مولانا صوفی محمد صاحب سے ملاقات کرتے ہیں۔

دیر میں عملی طور پر شریعت کا نفاذ کیونکر ممکن ہوا؟

تحریک نفاذ شریعت کے قائد سے ملاقات:

پشاور سے ہم تین گھنٹوں میں اس ضلع کے سب سے بڑے شہر ''تیمر گرہ'' میں پہنچے اور پھر دیر کے علاقے ''میدان'' میں مولانا صوفی محمد کے پاس ان کے مدرسے میں گئے جو کہ علاقہ میدان کی تحصیل لال قلعہ کے قریب واقع ہے۔

جولائی ۹۱ ء کی دوپہر تھی جب ہم ظہر کی نماز ادا کر کے مولانا کے پاس پہنچے۔ مولانا طالب علمی کے دور میں بھی شیخ جمیل الرحمٰن ﷾ کے ساتھی رہے ہیں۔ جب سوات کے مدرسے میں شیخ ﷾ اگلی کلاسوں کے طالب علم ہوا کرتے تھے.....مولانا سوات سے فارغ ہو کر علاقہ ''میدان'' میں آ گئے۔ وہ عرصہ ۳۰ سال سے اسی علاقے میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ۔یہ سارا وقت انہوں نے جماعت اسلامی کی خدمت کرتے ہوئے گزارہ وہ جماعت کے رکن بھی رہے اور دو دفعہ چار چار سال کے لیے ڈسٹرکٹ کونسل کے ممبر بھی منتخب ہوتے رہے۔

مولانا سے تعارف ہوا، یہاں آنے کا مقصد بیان کیا اور پھر گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مولانا فرمانے لگے:

''آج سے تین سال قبل ہم نے دیر میں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی اور مسلم لیگ کی جماعتوں سے سات سات سرکردہ آدمی لیے اور مالاکنڈ ایجنسی کے کمشنر جناب شکیل درانی سے ملاقات کی۔ اثنائے ملاقات درانی نے کہا: ''حکومت تو چاہتی ہے کہ جرگہ سسٹم ختم کرے اور سول لاء یعنی انگریزی قانون نافذ کرے۔'' اس پر ہم سب نے ان پر واضح کر دیا کہ ''ہم سول لاء چاہتے ہیں اور نہ ہی جرگہ سسٹم بلکہ ہم تو صرف اور صرف شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں۔'' چنانچہ کمشنر کے ذریعے حکومت تک یہ بات پہنچانے کے بعد ہم نے مالاکنڈ کا دورہ کرنا شروع کر دیا اور ہر جگہ عوام کے اجتماعات میں ہم نے حکومت پر زور دیا کہ پورے ملک میں شریعت کا نفاذ کرو جب کہ اس کی ابتداء عملی طور پر

''دیر'' سے کرو، ہم سب اس مقصد کے لیے تیار ہیں۔ اب جب حکومت نے ہمارے اس مطالبے پر کان نہ دھرا تو ہم نے ۹ جولائی ۱۹۸۹ء کی تاریخ کا الٹی میٹم دے دیا کہ اس تاریخ تک قانون نافذ کردو وگرنہ ہم خود کریں گے۔

چنانچہ حکومت نے جب ہماری دی ہوئی تاریخ تک دیر میں شریعت کا نفاذ نہ کیا تو ہم نے تیمر گرہ ڈی سی آفس کے سامنے بڑا کیمپ لگایا، اس کیمپ میں ''روزنامہ مشرق'' جو کہ سرکاری اخبار ہے، اس کی دی ہوئی رپورٹ کے مطابق اس کیمپ میں ۸۰ ہزار افراد نے شرکت کی۔

آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیمپ بارہ دن جاری رہا اور روزانہ لوگ ڈی سی آفس کے سامنے نعرے لگاتے کہ:

''موجودہ قانون کفر ہے، کفر ہے۔''

''موجودہ نظام نہیں مانتے، نہیں مانتے۔''

اس کیمپ میں جو ایک بڑی جلسہ گاہ تھی سب پارٹیوں کے لیڈر روزانہ تقریریں کرتے تھے اور مطالبہ کرتے تھے کہ ہم حکومت سے صرف اور صرف شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں۔

اس کیمپ کے بارہویں دن ہم نے جلوس نکالا، اس جلوس میں اخبار ہی کی اطلاع کے مطابق ڈیڑھ لاکھ افراد شریک ہوئے، اس جلوس کی قیادت جماعت اسلامی کے ایم پی اے اور سرحد اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر ڈاکٹر یعقوب خان نے کی۔ اسی طرح جماعت اسلامی ہی کے فتح اللہ جو کہ قومی اسمبلی کے ممبر تھے، وہ بھی اس جلوس کے قائدین میں تھے۔ یہ جلوس شیر گڑھ مردان تک گیا۔ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا جو حکومت سے کچھ نہیں مانگتا تھا، محض اپنے اوپر شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتا تھا...... اور جب وہ نہ مانا گیا تو ۲۱ جولائی ۱۹۸۹ء کو عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیا گیا اور شرعی عدالتیں قائم کر دی گئیں۔

عجیب منظر تھا، پھر اس کے بعد جو دیکھنے میں آیا کہ اے سی، ڈی سی اور دیگر عدالتوں

کے ساتھ ہی یا سامنے شرعی عدالتیں قائم کردی گئیں۔ تحریک نفاذ شریعت کے کارندے لوگوں کو سرکاری عدالتوں سے روکتے اور انہیں پکڑ کر شرعی عدالت میں لے جاتے اور وہاں شریعت کے مطابق فیصلہ ہوتا۔

جب عملاً یہ صورت حال ہوگئی تو حکومت نے ہم سے پوچھا: ''بتلایئے! کہ آپ فاٹا کے قوانین چاہتے ہیں، سول آئین چاہتے ہیں یا کہ شریعت......؟ ہم نے کہا: ''ہم تو شریعت ہی چاہتے ہیں کہ جسے ہم نے نافذ کر رکھا ہے۔'' چنانچہ اس پر حکومت نے ہمارے بائیکاٹ کو مان لیا اور صاف کہہ دیا کہ ٹھیک ہے آپ اپنے فیصلے شریعت کے مطابق کریں، ہم کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔

چنانچہ شریعت کے مطابق ہماری عدالتیں کام کرتی رہیں حتیٰ کہ بے نظیر کی حکومت ختم ہوگئی اور اب الیکشن سر پر آ گئے۔

شریعت کے نفاذ میں الیکشن کا پھندا کہ جس میں جماعت اسلامی پھنس کر رہ گئی

الیکشن کا دور شروع ہوا تو ہم نے سوچا کہ اب کیا کیا جائے، کیونکہ ہمارے علاقے میں شریعت کا نفاذ ہے، امن و امان بے مثال ہے، ہمارے مسائل حل ہو رہے ہیں تو اب اس الیکشن کا کیا فائدہ اور ہمیں شریعت کی نعمت کے ہوتے ہوئے اس سے کیا سروکار؟ چنانچہ ہم نے سب جماعتوں کے لیڈروں کو اکٹھا کیا۔ تیمرگرہ میں اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں سب جماعتوں کے لیڈروں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ الیکشن سے تحریک نفاذ شریعت کی تنظیم بکھر کر رہ جائے گی، اسے نقصان ہوگا لہٰذا الیکشن کا بائیکاٹ کر دیا جائے کہ ہم اسے نہیں چاہتے۔ اس فیصلے سے اختلاف کیا تو صرف جماعت اسلامی نے کیا کہ اس کے امیر سید عنایت اخون زادہ نے کہا: ''ہم تو بہر صورت الیکشن لڑیں گے۔'' ہم نے جماعت کو بائیکاٹ میں ساتھ دینے کی بہت کوشش کی مگر جماعت نہ مانی، آخر کار الیکشن میں اس کے ممبر کھڑے ہوگئے۔

ہمارے اس علاقے ''میدان'' کی صورتحال یہ تھی کہ جماعت اسلامی عرصہ بیس سال

سے اس علاقے کی قومی اسمبلی کی سیٹ جیتتے چلی آتی تھی جب کہ اس بار اس سیٹ سے جماعت اسلامی کا امیدوار فتح اللہ ہار گیا اور پیپلز پارٹی کا امیدوار نجم الدین جیت گیا۔ اب وہ اس علاقے کا ایم۔ این۔ اے ہے۔

ہمارے علاقے کے لوگوں نے الیکشن کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ یہاں کی آبادی ساٹھ ہزار ہے جب کہ جو ووٹ کاسٹ ہوئے وہ صرف انیس صد تھے اور یہ بھی جعلی تھے...... لوگوں نے واضح طور پر جماعت اسلامی کے لیڈروں کو کہا: ''پہلے تو ہم تمہیں اسلام کے لیے ووٹ دیتے تھے، اب جب وہ آ گیا ہے تو اب آپ کو کس مقصد کے لیے ووٹ دیں؟'' غرض یہ سیٹ تو جماعت اسلامی ہمارے علاقے میں ہار گئی جب کہ باقی صوبائی سیٹیں جماعت نے بہت کم ووٹوں سے حاصل کر لیں اور اس مقصد کے لیے طرح طرح کا لالچ اور نہ جانے کیا کچھ کیا گیا۔

قارئین کرام! اب یہ صورت حال بننے کے بعد تا حال جماعت اسلامی تحریک نفاذ شریعت سے (اقامت دین کے کام) سے نہ صرف یہ کہ الگ تھلگ ہو چکی ہے بلکہ شدید مخالفت کی وجہ سے اب نفاذ شریعت کا کام غیر مؤثر ہو کر رہ گیا ہے۔ تاہم ''میدان'' میں یہ اب بھی کسی نہ کسی حد تک موجود ہے اور مولانا متواتر اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ پچھلے دنوں اسی مقصد کے لیے انہوں نے اسلام آباد تک مارچ کا پروگرام بنایا تھا۔ چنانچہ جلوس جب اٹک میں پہنچا تو وہاں سرحد کے وزیر اعلیٰ میر افضل نے اپنے وزیر مذہبی امور حاجی جاوید کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''ہم آپ کے مطالبات مانتے ہیں لہٰذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔'' دو ماہ قبل انہوں نے وفاقی وزیر مذہبی امور وزیر قانون چودھری عبدالغفور اور وزیر سرحد امور سردار یعقوب سے بھی ملاقات کی مگر ان سب نے یہ کہا: ''ہم آپ کی بات مانتے ہیں، یہ سب ٹھیک ہے مگر دیر میں جو آپ کے جمہوری نمائندے ہیں ان میں سے کسی نے ہم سے ایسا مطالبہ نہیں کیا ہے۔''

انہوں نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا: ’’...... اگر اب بھی جماعت اسلامی ہمارے ساتھ مل جائے تو ایک ماہ میں دیر ہی کیا ساری مالا کنڈ ایجنسی میں اسلامی قانون کا نفاذ ہو جائے۔‘‘ ماضی کی طرف جھانکتے ہوئے انہوں نے کہا: ’’جب کنڑ میں شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کی امارت کو ختم کیا گیا تو یہاں بھی ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو گئیں۔‘‘

عبدالودود باچا خان کی باتیں

عبدالودود باچا خان دیر کے علاقہ جندول کے باثر زمیندار اور ممتاز سیاسی شخصیت ہیں۔ وہ سکول کے زمانے سے ہی اسلامی جمعیت طلبہ سے منسلک ہو گئے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں وہ ضلع کونسل کے رکن بھی رہے۔ وہ جندول ڈویژن میں جماعت اسلامی کے امیر بھی رہے۔ افغان جہاد شروع ہوا تو مہاجرین کی امداد اور تعاون کا شعبہ بھی انہی کے ذمہ تھا۔ ان سے ملنے کے لیے میں علاقہ جندول کی تحصیل ثمر باغ گیا اور وہاں سے آٹھ دس منٹ کے فاصلے پر ان کے گاؤں ’’کامبٹ‘‘ جا پہنچا۔ باچا صاحب گھر پر ہی مل گئے۔ شناسائی تو پہلے سے تھی، تپاک سے ملے۔ حج کر کے آئے تھے۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ بیٹھتے ہی ضیافت میں کھجوروں اور زم زم کا تحفہ ملا۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ ’’شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کے ساتھ آپ کیسے منسلک ہوئے؟‘‘

کہنے لگے: ’’ہمارے گاؤں کے مولانا ابو بکر صاحب کی موحدانہ تبلیغ کے اثرات تھے اور نورستانیوں کے ساتھ پندرہ بیس سالہ تعلق بھی تھا۔ ادھر شیخ نے ’’الجماعۃ السلفیۃ‘‘ کے نام سے تنظیم بنائی پھر اس کا نام ’’جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ‘‘ رکھا تو میں ابتداء ہی میں اس جماعت کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور شیخ نے مجھے حکومت سے روابط اور سیاسی امور کا نگران بنادیا۔‘‘ تحریک نفاذ شریعت میں جماعت اسلامی کی مخالفت کی بابت میں نے سوال کیا تو انہوں نے کہا: ’’یہ مخالفت محض الیکشن کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ نفاذ شریعت کے بعد فیصلہ یہ ہوا تھا کہ اب ووٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر جماعت کو اپنی پانچ چھ سیٹوں کا خوف

دامن گیر ہوگیا اور اس نے مخالفت شروع کردی۔'' درمیان میں لطیف الرحمٰن شاہ نے بات کرتے ہوئے کہا: ''حتیٰ کہ ۲۱ نومبر ۱۹۹۰ء کو الیکشن سے چند دن پہلے جماعت اسلامی نے تیمرگرہ میں جلسہ کیا تو اس میں قاضی حسین احمد نے یہاں تک کہہ ڈالا:

''یہ امریکہ کی پالیسی ہے کہ اس علاقے سے جماعت اسلامی کو نفاذ شریعت کی مہم کے نام پر ختم کر دیا جائے۔ یاد رکھیے! شریعت کالے اور سفید جھنڈے سے نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے جھنڈے سے آئے گی۔''

باچا خان سے میں نے پوچھا کہ دیر میں نفاذ شریعت کی جو تحریک چلی ہے کیا یہ شیخ رحمہ اللہ کی امارت اسلامی کے اثرات کی وجہ سے تو نہیں؟

انہوں نے کہا: ''کیوں نہیں؟ امارت اسلامی کا کنڑ میں قیام اور ہمارے علاقے میں شیخ صاحب کا کام یہ وہ اسباب ہیں کہ ان سے کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا جو یہاں تحریک نفاذ شریعت کا باعث بنے۔'' انہوں نے کہا:

''جن دنوں جماعت اسلامی اس تحریک کی مخالفت کر رہی تھی انہی دنوں یکم فروری ۱۹۹۱ء کو دیر میں زلزلہ آ گیا جس سے یہاں کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔ شیخ صاحب نے اپنی جماعت کی طرف سے بہت سا امدادی سامان دیا، جسے میں نے یہاں تقسیم کیا جب کہ باجوڑ میں روح اللہ نے تقسیم کیا۔''

شریک مجلس شاہ صاحب نے کہا کہ'' ایسے ہی دینی اور رفاہی کاموں کی وجہ سے تو شیخ کے یہاں اثرات تھے جو مخالفین کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔''

قارئین کرام! حقیقت یہ ہے کہ دیر سے تحریک نفاذ شریعت کو ختم کرنے کے لیے ضروری خیال کیا گیا کہ اس کے اصل سوتے اور سرچشمے کو بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ہم کسی پر الزام تو نہیں لگاتے مگر جب حالات دیکھتے ہیں تو وہ اپنا رخ خود بخود متعین کرتے ہیں کہ پہلے مہمند ایجنسی جو کہ پاکستان کا قبائلی علاقہ ہے اور یہیں سے نواپاس کے درے سے راستہ ہے جس

کے ذریعے کنڑ میں داخل ہوا جاتا ہے۔ یہی گاڑیوں کی آمد و رفت کا بنیادی راستہ ہے کہ جہاں سے اسلحہ اندر جاتا تھا اور یہ مہمند ایجنسی سے خریدا جاتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے کارروائی کرکے مہمند ایجنسی کی قبائلی حیثیت ختم کی گئی، اسے ضلع بنایا گیا۔ مقصد صرف اور صرف شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کی امارت کو زک پہنچانا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کو وہابی مشہور کیا گیا اور یہ بھی مشہور کیا گیا کہ شیخ دیر اور باجوڑ کے عوام کو بغاوت پر اکسا رہا ہے۔ ایسے پروپیگنڈے اور عملی کاموں کے بعد امارت اسلامی پر حزب اسلامی شب خون مارتی ہے۔ پاکستانی علاقے سے حکمت یار ہزاروں لوگوں کا قافلہ لے کر فاتحانہ طریقے سے کنڑ میں داخل ہوتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آئی ایس آئی کے بغیر حکمت یار یہ کام کرسکتا تھا۔ بالکل نہیں اور یہ کہ اس کے لیے راستہ ہموار کس نے کیا؟

مہمند ایجنسی کو ضلع بنا کر وہاں اسلحہ کی دکانیں کس نے ڈھائیں کہ جہاں سے شیخ کو اسلحہ سپلائی ہوتا تھا...... اور اس میں بھی کیا شک ہے کہ حزب اسلامی کو آئی ایس آئی سب سے زیادہ اسلحہ دیتی تھی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان میں حزب اسلامی کی پشت پر جماعت اسلامی ہے اور کنڑ میں حزب اسلامی...... جماعۃ الدعوۃ سے تنگ تھی تو دیر میں جماعت اسلامی...... الدعوۃ کے اثرات اور تحریک نفاذ شریعت سے سخت تکلیف میں تھی۔ غرض یہ حالات اور حقائق جب اکٹھے کیے جاتے ہیں تو (کنڑ افغانستان) اور دیر (پاکستان) کے سانحوں کا رخ خود بخود متعین ہوجاتا ہے۔

ایک اعتراض اور جواب

کئی لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کنڑ میں امارت اسلامی قائم کرکے بیٹھ گئے، جس سے اختلاف پیدا ہوتا تھا، کیونکہ مجاہد تنظیموں کے پاس اپنے اپنے

علاقے تو تھے ہی۔ اس سے کئی حکمرانیاں بن جائیں گی؟

خود اس اعتراض میں ہی جواب موجود ہے کہ مختلف مجاہد جماعتوں کے پاس اپنے اپنے علاقے موجود ہیں جن پر ان کا کنٹرول ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے وہاں کون سا نظام قائم کر رکھا ہے؟ لامحالہ انہوں نے ان علاقوں کو کنٹرول کرنے کے لیے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر رکھی ہیں جب کہ شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے علاقے میں شرعی نظام کا نفاذ کیا اور حدود اللہ کا اجراء کیا۔

باچا خان نے مجھے بتلایا کہ ایسے ہی ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے شیخ ﷫ نے مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''کنڑ کے چھوٹے سے خطے میں ابھی آپ کو اللہ کا قانون پسند نہیں تو کل کو سارے افغانستان میں کیسے ہوگا؟'' انہوں نے مزید فرمایا کہ'' اللہ کے رسول ﷺ کو جب مدینے میں غلبہ حاصل ہوا تو باوجود اس کے کہ مدینے میں یہودیوں کے بااثر قبیلے بھی تھے، منافقین بھی تھے، مشرکین کے حملوں کا خطرہ بھی تھا، جنگ احد اور احزاب ہمارے سامنے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں اللہ کا قانون نافذ کر دیا۔ یہ نہیں کہا کہ پہلے پورا جزیرۂ عرب فتح کرلوں یا کم از کم مکہ ہی فتح کرلوں پھر اسلامی قانون کا اجراء کروں گا...... نہیں بلکہ آپ نے فوراً اللہ کا قانون جاری کر دیا۔ اس لیے کہ اللہ کی واضح ہدایت موجود ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۝﴾ [الحج:۴۱]

'' وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔''

چنانچہ شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ نے بھی یہی کیا۔ انہیں جہاد کے بعد جس قدر علاقے میں اختیار حاصل ہوا، حکومت ملی، انہوں نے فوراً وہاں اللہ کا قانون نافذ کر دیا۔

باچا خان کہنے لگے: ''ہمارے یہاں اہل حدیث کے ساتھ اس قدر تعصب تھا کہ کسی کو گالی دی جاتی تو گالی میں اسے وہابی کا بچہ کہا جاتا۔

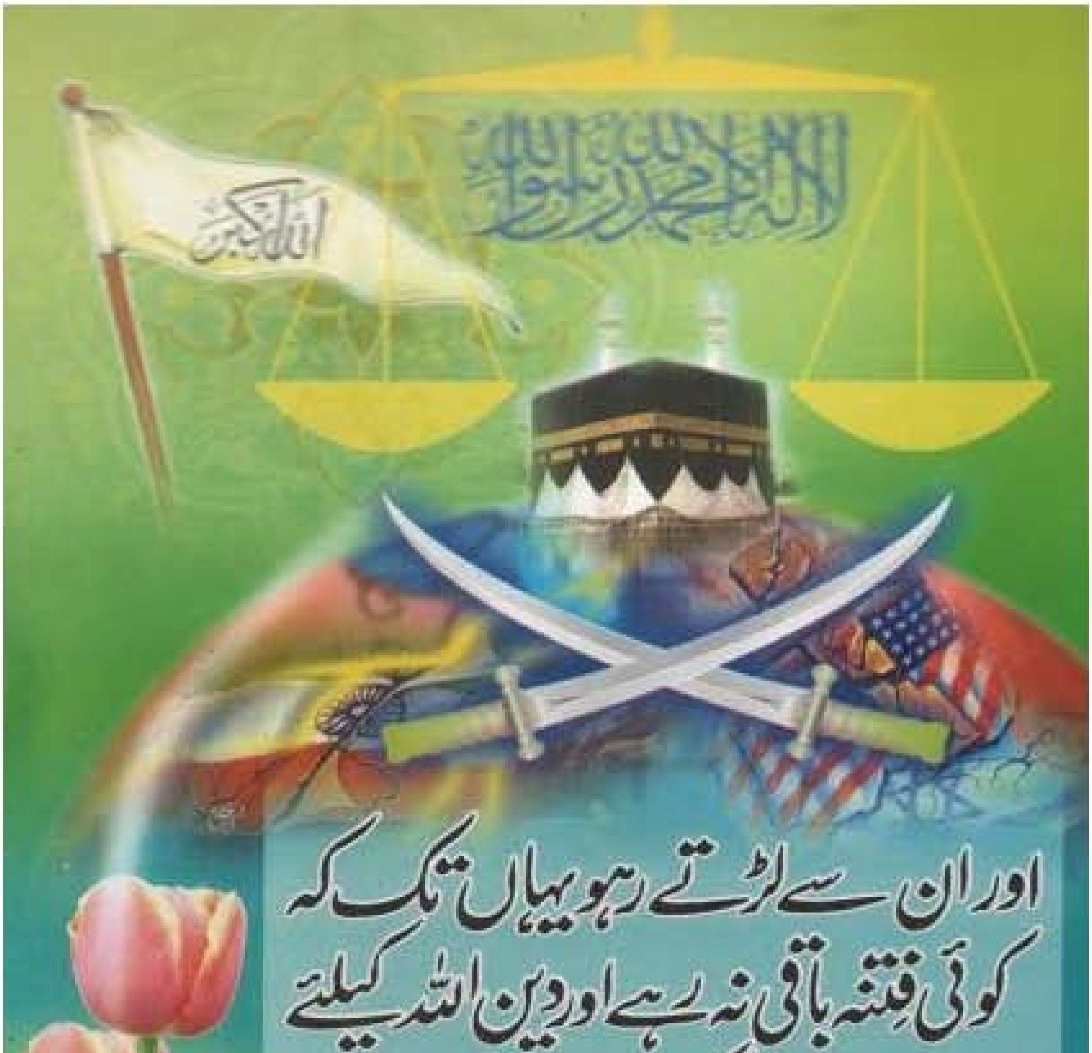
حمزہ صاحب......! مگر آج اللہ کے فضل سے صورتحال یہ نہیں ہے، لوگ اہل حدیث ہونے پر فخر کرتے ہیں اور شیخ کی شہادت پر ہمارے علاقے میں لوگوں نے اس قدر صدمے کا اظہار کیا کہ جمعہ کے دن ۳۰ اگست ۹۱ء کو شہادت کی خبر سنتے ہی سب لوگ سکتے میں آ گئے، لوگ پیدل ہی باجوڑ کی طرف چل دیے، جو لوگ وہاں نہ جا سکے وہ میرے گھر تعزیت کے لیے آئے۔ صوفی محمد صاحب جو تحریک نفاذ شریعت کے داعی ہیں وہ بھی وہاں گئے اور قبر پر جہری طریقے سے نماز جنازہ اپنے ساتھیوں سمیت پڑھی اور کہا کہ دعا کا یہ سنت طریقہ ہے۔

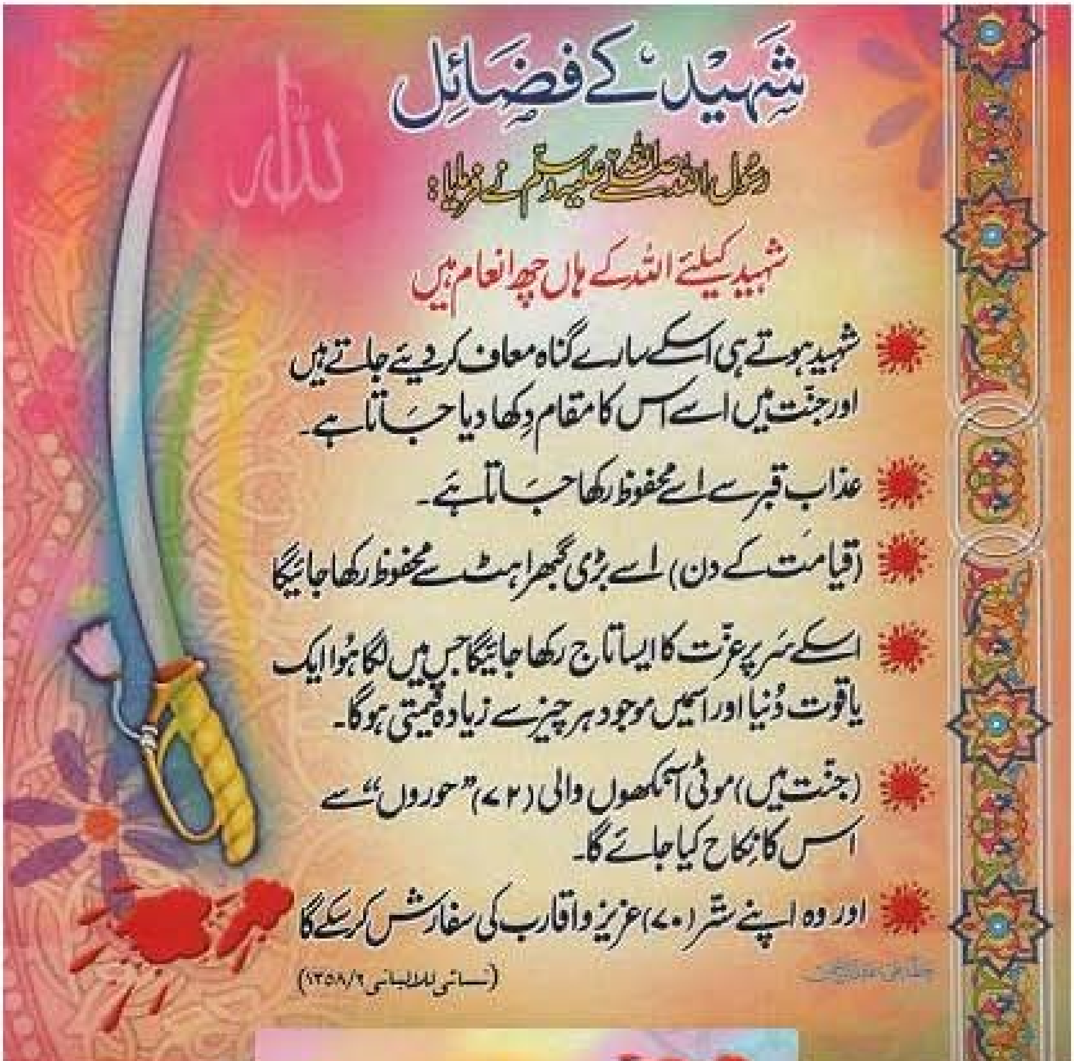
انہوں نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا کہ میرا باپ زندہ ہے مگر یقین جانیے میں شیخ کے بعد اپنے آپ کو یتیم خیال کرتا ہوں اور کیوں نہ کیا جائے کہ یہ شیخ کی دعوت اور کنڑ میں امارت اسلامی کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے ہی تو تھے کہ جنہوں نے دیر کی طرف جب رخ کیا تو نفاذ شریعت کی تحریک چل پڑی اور جب اس کا جلوس اسلام آباد کی طرف عازم سفر ہوا تو ٹریفک کا رخ تک بدل کر رہ گیا، بائیں طرف چلنے کی بجائے افغانستان کی طرح ٹریفک دائیں طرف چلنے لگی۔

ثمر باغ کی ایک معزز اور بزرگ شخصیت شاہ طہماس خان صراف اور شیخ عزیز الرحمٰن صاحب جو کہ سمجھدار اور ذہین اور معزز شخصیت ہیں، ان کے ہاں ہم نے دوپہر کو آرام بھی کیا اور کھانا بھی کھایا، وہ اپنی گفتگو کے دوران یوں گویا ہوئے:

''جندول سے جماعت اسلامی کے ایم پی اے سردار عالم......باچا اڑے خال سے ڈاکٹر شاہ ہارون ایم این اے......تیمر گرہ سے ڈاکٹر یعقوب خان ایم پی اے کمشنر کے پاس گئے اور کہا یہ تحریک نفاذ شریعت والے تخریب کار ہیں لہذا ان کا سد باب کرو۔ یہ متواتر تین

دفعہ کمشنر کے پاس اس مقصد کے لیے گئے ۔آخر کمشنر نے کہا کہ آپ کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے، آپ کیسے مسلمان ہیں کہ جو ہمیں ان لوگوں کے خلاف کارروائی کا کہہ رہے ہیں کہ جو ہم سے کوئی سرکاری مراعات طلب نہیں کرتے اور وہ صرف اپنے اوپر قانون الٰہی کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہا کہ میرا اپنا کیس پشاور ہائی کورٹ میں سولہ سال سے چل رہا ہے، دونوں فریق اجڑ گئے ہیں مگر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ مجھے یقین ہے اگر اللہ کا قانون ہوتا تو کب کا فیصلہ ہوگیا ہوتا۔کمشنر کی یہ بات سن کر تینوں خاموشی سے واپس آ گئے۔''


لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللہ اکبر
اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ
کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کیلئے
خالص ہو جائے اگر وہ باز آجائیں تو...
ظالموں کے علاوہ کسی پر دست درازی نہ کرو
(البقرۃ 2/ آیت 193)


شہید کے فضائل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
شہید کیلئے اللہ کے ہاں چھ انعام ہیں
شہید ہوتے ہی اسکے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور جنت میں اسے اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے۔
عذاب قبر سے اسے محفوظ رکھا جاتا ہے۔
(قیامت کے دن) اسے بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رکھا جائیگا
اسکے سر پر عزت کا ایسا تاج رکھا جائیگا جس میں لگا ہوا ایک یاقوت دنیا اور اسمیں موجود ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوگا۔
(جنت میں) موٹی آنکھوں والی (۷۲) "حوروں" سے اس کا نکاح کیا جائے گا۔
اور وہ اپنے ستر (۷۰) عزیز و اقارب کی سفارش کرسکے گا


جو شخص اللہ عزوجل سے سچے دل سے شہادت طلب کرے اللہ تعالٰی اُسے شہادت کے درجات عطا فرمائے گا۔ خواہ وہ اپنے بستر پر ہی مرے۔

گیارہواں باب

خادم الحرمین اور شیخ جمیل الرحمٰن کے ساتھ تعصب کیوں؟

خادم الحرمین اور شیخ جمیل الرحمٰن کے ساتھ تعصب کیوں؟

شیخ ۳۰ اگست ۹۱ءکو شہید ہوئے، ابھی چند دن ہی ہوئے تھے کہ حج سے آئے۔ وہاں خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبد العزیز سے ان کی خصوصی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔

مخالفین کو اس بات کا بھی قلق، دکھ اور حسد تھا کہ اب سعودی امداد شیخ کے پاس آئے گی اور یہ چیزیں کہ امارت کا مضبوط ہونا، افغانستان میں اس کا مقبول ہونا، سعودیہ اور گلف کی امداد ملنے کی توقعات، پاکستان میں اس کی شہرت، دیر میں اس کے عملی اور دور رس نتائج کا پھیل جانا، کسی طور بھی ان لوگوں کو گوارا نہ تھا کہ جنہیں بڑا جانا جاتا ہے۔ مزید سونے پر سہاگے کا کام یہ ہوا کہ خلیج کی جنگ میں پاکستان کی جماعت اسلامی نے سعودی عرب، کویت اور دیگر خلیجی ریاستوں کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور ملحد صدام حسین کی حمایت میں اس نے جلسوں اور اخباری بیانوں میں چیخ چیخ کر برا حال کر لیا۔ افغانستان کی جماعت اسلامی یعنی حکمت یار کی حزب اسلامی بھی قاضی حسین احمد کی ہم نوا تھی۔ اب خلیج میں صدام کی شکست کے بعد انہیں یہ فکر کھائے چلی جا رہی تھی کہ ہماری پالیسیوں نے ہماری سیاست بھی برباد کر دی۔ اقتصادی حالت بھی خطرے میں مبتلا کر دی اور مذہبی کیفیت بھی شکوک کا شکار کر دی کہ کمیونسٹوں سے لڑنے والے اور اس لڑائی کے لیے سعودیہ اور کویت سے امداد لینے والے اب ایک بہت بڑے زندیق ظالم اور کمیونسٹ کا ساتھ دے رہے تھے، وہ کمیونسٹ کہ جسے اہل شرک کا گروہ صلاح الدین ایوبی کا لقب دے رہا تھا۔

ان لوگوں کو یہ خیال تک نہ آیا کہ جس کی ہم مخالفت کر رہے ہیں وہ تو ہمارا محسن ہے۔ آیئے ایک نظر اس کے احسانات پر ڈالیں تو سہی۔ سعودیہ کا پیسہ کس قدر افغان جہاد میں صرف ہوا؟ پاکستان کی مقبول اور مستند ترین کتاب ''فاتح'' کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''عام تاثر یہ تھا کہ ساری امداد امریکہ سے آ رہی ہے جہاں سے اسلحہ کے بھرے ہوئے

جہاز پاکستان پہنچتے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس جتنی امداد امریکہ دے رہا تھا کم وبیش اتنی ہی سعودی عرب سے آ رہی تھی جہاں سے سینکڑوں لوگ ذاتی طور پر جہاد میں حصہ لینے کے لیے پاکستان اور پھر افغانستان پہنچتے تھے۔ اگر سعودی عرب سمیت کویت اور خلیجی ممالک کے ذاتی طور پر عطیات دینے والوں کی امداد شامل کردی جائے تو عربوں کی مدد بحیثیت مجموعی امریکہ سے بڑھ جاتی تھی۔ سعودی عرب کی سیکرٹ سروسز کے سربراہ شہزادہ ترکی باقاعدگی سے پاکستان کے خفیہ دورے کرتے اور آئی ایس آئی کے صدر دفتر میں جنرل اختر عبدالرحمٰن سے تفصیلی ملاقاتیں کرتے رہتے تھے، جہاں ان کی خواہش پر ان کے لیے کریلے کا سالن پکایا جاتا اور انار کے جوس سے ان کی تواضع کی جاتی۔ بہت سے عرب زکوٰۃ کی رقم مجاہدین کے لیے بھجواتے۔ آئی ایس آئی کے اعلیٰ افسروں کے بقول اگر سعودی امداد نہ ہوتی تو افغانستان سے روسی فوج کی واپسی کا ہدف کبھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

(فاتح:ص ۸۱، مصنف عبدالکریم عابد)

اب پاکستانی فوج کے برگیڈیر (ریٹائرڈ) محمد یوسف کی کتاب'' خاموش مجاہد'' کا اقتباس ملاحظہ کیجیے کہ جو آئی ایس آئی میں چار سال تک'' افغانستان بیورو'' کے انچارج رہے۔ بتلاتے ہیں:

''بین الاقوامی تعلقات کے دائرے میں وہ خطہ جس سے جنرل اختر کا خصوصی ربطہ و تعلق تھا وہ سعودی عرب تھا۔ سعودی عرب سے جہاد کے لیے وسیع مالی امداد مل سکتی تھی۔ جنگ کے سلسلے میں پشت پناہی کے لیے سعودی عرب کو قائل کرنے کے لیے ان کی شخصیت کلیدی اہمیت کی حامل تھی۔ امریکی انتظامیہ سی آئی اے کو اسلحہ کی خریداری کے لیے جتنے ڈالر فراہم کرتی تھیں اتنے ہی ڈالر سعودی حکومت بھی ادا کرتی تھی۔ اس مد میں سعودی عرب نے لاکھوں ڈالر ادا کیے۔ یہ اسی فیاضانہ سلوک کا نتیجہ ہے کہ مجاہدین آج بھی میدان میں ہیں جب کہ امریکی امداد انتہائی حد تک کم کردی گئی ہے (اور اب تو ختم کر کے مخالفت شروع کردی

گئی ہے) مشرق وسطیٰ کی صاحب ثروت شخصیات نے بھی خاص خاص پارٹیوں کو خاصی خطیر رقوم فراہم کیں۔ سعودی انٹیلی جنس سروس کے سربراہ شہزادہ ترکی اکثر اسلام آباد کا دورہ کیا کرتے تھے۔ جنرل اختر کے ساتھ ان کے مراسم انتہائی دوستانہ تھے۔ دونوں ہی اسلامی بھائی چارے کی اہمیت پر پرجوش ایمان رکھتے تھے جو علاقائی سرحدوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ مجاہدین سعودی عرب کی فراخدلانہ امداد کو کبھی بھی نہیں بھولے۔

جہاد افغانستان کے لیے شہزادہ الفیصل ترکی سعودی عرب کے سرکاری نمائندے تھے، وہ جنرل اختر اور افغان لیڈروں سے تبادلہ خیال کے لیے سال میں کم از کم دو بار خفیہ طور پر پاکستان کا دورہ ضرور کیا کرتے تھے، میں انہیں غیر معمولی شفیق، پر وقار اور افغان مسئلے سے گہری وابستگی رکھنے والی شخصیت کے طور پر ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اگرچہ انہوں نے شاہانہ ماحول میں پرورش پائی تھی، اس کے باوجود وہ بہت منکسر المزاج اور سادہ دل عرب شہزادے تھے۔ مغرب میں حاصل کی گئی تعلیم اور وہاں کے تہذیبی اثرات نے انہیں غیر عربوں کے ساتھ متعصبانہ رویے سے دور کر دیا تھا۔"

قارئین کرام! یہ ساری امداد آئی ایس آئی کے ہاتھوں افغانستان کی سات رجسٹرڈ جماعتوں کو دی جاتی تھی، جن میں سے زیادہ امداد حزب اسلامی وصول کرتی تھی۔ تفصیل ملاحظہ کریں۔

☆ حزب اسلامی (حکمت یار) ۱۸ سے ۲۰ فیصد

☆ جمعیت اسلامی (برہان الدین ربانی) ۱۸ سے ۱۹ فیصد

☆ اتحادی اسلامی افغانستان (سیاف) ۱۷ سے ۱۸ فیصد

☆ حزب انقلاب اسلامی (مولوی محمد نبوی محمدی) ۱۲ سے ۱۳ فیصد

☆ حزب اسلامی (یونس خالص) ۱۲ سے ۱۳ فیصد

☆ محاذ ملی افغانستان (سید احمد گیلانی) ۸ سے ۱۰ فیصد

☆ جبہ نجات ملی (صبغت اللہ مجددی) ۳ سے ۵ فیصد

یاد رہے! جہادی دور سے قبل ان ساتوں لیڈروں کی کوئی سیاسی یا قبائلی اہمیت افغان معاشرے میں نہیں تھی۔ یہ اہمیت اس وقت بنی جب انہوں نے جہاد شروع کیا اور جہاد میں جس لیڈر کو جتنی زیادہ امداد مل گئی وہ اتنا ہی بڑا لیڈر بن گیا، کیونکہ زیادہ امداد ملے گی تو وسائل زیادہ ہوں گے، وسائل زیادہ ہوں گے تو اسی قدر اس جماعت کے مجاہدین زیادہ ہوں گے اور معاشرے میں اثرات زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ حکمت یار کو بڑا لیڈر بنایا تو سعودی پیسے نے مگر افسوس کہ وہی حکمت یار اور اس کا ساتھی قاضی حسین احمد کہ جس کی جماعت کے ہیڈ کوارٹر منصورہ کی ایک ایک اینٹ میں سعودیہ، کویت اور گلف کی دولت پنہاں ہے وہ اپنے محسنوں کے حق پر ہونے کے باوجود، مظلوم ہونے کے باوصف، ظالموں کے ساتھ صدام کے ساتھ جا مل بیٹھے۔

ذرا غور کریں کہ اس قدر مالی فوائد کے باوجود بھی انہیں سعودی عرب کا ہم عقیدہ ایک شخص شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ ایک آنکھ نہ بھایا حالانکہ بیسیوں دوسری جماعتیں جن میں شیعہ کی کئی جماعتیں بھی شامل ہیں، وہ سب گوارا ہو گئیں، برداشت ہو گئیں۔

یہ ذرا غور تو کرتے کہ سعودی عرب کا سفارتخانہ اسلام آباد کس طرح ان کے لیے چشم براہ ہوتا۔ سعودی سفیر جناب محمد یوسف المطبقانی نے ان کے لیے اپنے دروازے کھول رکھے تھے۔ حج کے لیے انہیں ویزے دیے جاتے۔ عمرے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ افغان لیڈروں نے دنیا کے کسی کونے پر جانا ہوتا تو سعودی جہاز اور سعودی ٹکٹیں ان کے لیے حاضر کر دی جاتیں۔ حج کے موقع پر قربانی کا گوشت یہاں اترتا اور جناب محمد یوسف المطبقانی کی نگرانی میں ہر افغان کیمپ میں پہنچتا۔ سعودی عرب میں سربراہ کانفرنس ہو تو سیاف کو نمائندگی دی جائے اور وہ حرم مکہ میں تقریر کرے، سب سربراہ رو پڑیں۔ شیخ ابن باز کے پاس جائیں تو سعودی تجوریوں کے منہ کھل جائیں اور ان سارے کاموں میں جناب محمد یوسف المطبقانی اپنا

آرام اور چین بھی قربان کردیں کہ ہمارے افغان بھائی بے چین ہیں...... اور ان افغان مجاہدین کا سب سے زیادہ درد رکھنے کا ڈھنڈورا پیٹنے والی جماعت اسلامی کے" دار العروبہ" کے صدر جناب خلیل حامدی سعودی سفارتخانے جائیں،کویت میں جناب قاسم عمر یاقوت کے پاس جائیں تو جو ان کی زبان سے نکلے وہ پورا کریں......مگر ان کے برحق درد پہ......حزب اسلامی اور جماعت اسلامی کا یہ رویہ۔ ایسی طوطا چشمی (نعوذ باللہ) زمانے نے دیکھی نہ ہوگی۔

آخر انصاف کی آنکھ خون کے آنسو کیوں نہ روئے کہ جب روسی کمیونسٹ افغانستان میں ظلم ڈھائیں تو سعودی پیسہ ہی نہیں وہاں کے عوام اور شہزادے تک اپنی جانوں کو لے کر افغانوں کے ساتھ ہوجائیں مگر جب انہی روسیوں کا بغل بچہ،روسی بلاک کا بندہ صدام کویت میں ظلم ڈھائے تو مجددی اور ربانی تو اپنے مجاہد بھیجیں جب کہ حکمت یار اپنے مجاہد بھیجنا تو درکنار ربانی اور مجددی کی بھی مخالفت کرے۔قاضی حسین احمد بھی ان سے اختلاف کرے۔

جماعت اسلامی سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا اصول "اھون البلیتین" خلیج میں کہاں غرق ہوگیا تھا؟ ایوب اور فاطمہ جناح کے باہمی مقابلے میں تم نے اسی اصول پر فاطمہ جناح کی حمایت کردی مگر یہاں تمہارا "اھون البلیتین" کہاں گیا کہ دو برائیوں میں سے کمتر کو قبول کرلو۔

آہ......! تم نے پھول اور کانٹے یکجا کردیے۔تم نے شرک اور توحید کو ایک پلڑے میں رکھ دیا۔تم نے نجس اور پاک کو ایک رکابی میں سجا دیا۔ ایسی عقل پر جس قدر رویا جائے کم ہے کہ جس نے خادم الحرمین اور کریملن کے ناپاک جانور کو ایک صف میں کھڑا کردیا بلکہ دوسرے کو آگے کردیا۔

اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود، ان ساری خدمات کے باوصف سعودیہ کی مخالفت کیوں؟ وجہ ظاہر ہے۔ یہ مخالفت عقیدے کی مخالفت ہے۔شیخ جمیل

الرحمان کی بیعت کو توڑا گیا۔ اسلامی حکومت کے خلاف کنڑ میں بغاوت کی گئی تو اسی عقیدے کی وجہ سے کی گئی۔ وہاں اہل حدیث کو وہابی کہہ کر نفرت پھیلائی گئی۔ شیخ جمیل الرحمٰن کو مالدار ترین انسان کہہ کر ڈاکوؤں کو ترغیب دلائی گئی کہ یہ مال لوٹ لو۔ یہ پروپیگنڈا کرنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ ہم تو پہلے ہی سعودی عرب کے نمک خوار ہیں۔ اب اس کے نام پر پروپیگنڈا کر کے کس کو لوٹنے چلے ہیں..... اس کو کہ جس کی یہ ساری دولت مسلمانوں کے لیے تھی، اس کے اپنے لیے تو نہ تھی، اپنا تو اس کا جو حال تھا وہ دنیا نے دیکھ لیا۔

میرا خود اپنا تجربہ ہے، میں کئی دفعہ پشاور گیا، شیخ کے ہمراہ کھانا کھایا، ناشتہ کیا، عام سا کھانا پکتا اور پھر دستر خوان بچھتا تو جہاں ادارے کے تمام لوگ کھانا کھاتے وہیں ساتھ بیٹھ کر شیخ جمیل الرحمٰن کھانا کھاتے۔ لاہور میں آتے تو معمولی سے ہوٹل میں ٹھہرتے، اکثر نثار ہوٹل میں قیام کرتے۔ ان کے ساتھ پشاور میں ناشتہ کیا تو وہی ناشتہ جو عام افغانیوں کا ناشتہ ہے، قہوے میں سوکھی روٹی ڈبو کر ......تو یہ تھا دنیا کا امیر ترین انسان، یہ تھا دولت مند انسان۔

افغانستان میں شیخ جمیل الرحمٰن کے ایک ساتھی کی شہادت

قاتل کون ہے؟

۱۵ مئی ۱۹۹۲ء کو میں افغانستان اور تاجکستان کی سرحد پر دریائے جیحون کے کنارے ''دشت ارچی'' کے علاقے میں پہنچا۔ یہ علاقہ صوبہ قندوز میں ہے۔ یہاں ایک بستی ''باجوڑی'' میں پہنچا، اس بستی میں شیخ جمیل الرحمٰن کا ایک ساتھی مولانا عزیز اللہ رہتے تھے۔ پاکستان میں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ شیخ سے متاثر ہوئے اور پھر انہوں نے جماعۃ الدعوۃ کا مرکز اس علاقے میں قائم کیا۔ لوگوں کو وہ موحد بناتے پھر مجاہد بناتے، روسیوں کے خلاف لڑائی ہوتی، روس کے اندر بھی کارروائیاں ہوتیں۔ شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ اپنے اس

نوجوان کمانڈر سے بڑے خوش تھے کہ اس نے دعوت و جہاد کے لیے دن رات ایک کردیا تھا......جس قدر شیخ خوش تھے، اسی قدر کمیونسٹ خلقی ناخوش۔ چنانچہ ان کے قتل کے پروگرام بننے لگے اور پھر افغان جاسوسی کے ادارے ''خاد'' نے ۶۰ لاکھ افغانی کے انعام کا اعلان کیا کہ جو مولوی صاحب کو قتل کرے اس کو یہ انعام ملے گا۔ چنانچہ اس علاقے کا ایک باشندہ صوفی اسماعیل جو کہ حزب اسلامی کا تھا، وہ خلقی کمیونسٹ بنا اور ۱۹۹۱ء میں جب مولوی صاحب نماز عید پڑھا کر واپس مجاہدین کی قرارگاہ میں جارہے تھے تو ان پر حملہ کردیا گیا اور مولوی صاحب سمیت ان کے چار ساتھی کمانڈر مومن خان، ہارون خان، یعقوب خان اور بدخشاں کے ایک سلفی قاری موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

مولانا عزیز اللہ کی قرارگاہ کہ یہ ان کا اپنا گھر ہی تھا جسے انہوں نے قرارگاہ بنا رکھا تھا۔ یہاں ان کے جانشین کمانڈر مولانا عبدالباقی اور مولوی صاحب کے بھائی عبدالحمید نے بتلایا کہ مولوی عزیز اللہ کا قاتل صوفی اسماعیل اب دوبارہ حزب اسلامی میں چلا گیا ہے۔

قارئین کرام! اس طرز عمل سے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حزبیوں نے خلقیوں کے ساتھ مل کر یہ ڈرامہ رچایا ہو کہ پہلے اپنے آدمی کو خلقی کمیونسٹ بنایا، انعام بھی لیا، اپنے دشمنوں کو قتل بھی کردیا اور پھر کچھ عرصہ بعد اپنے اس آدمی کو واپس بھی لے لیا۔

اگر حزب اسلامی یہ کہے کہ یہ تو ایک شخص کا انفرادی فعل ہے تو پھر اس شخص کو واپس کیوں لیا؟ اور یہ کہ اس سے پانچ آدمیوں کے قتل کا بدلہ کیوں نہیں لیا؟

مولوی عزیز اللہ صاحب جب شہید ہوئے تھے تو اڑھائی صد لوگ جماعۃ الدعوۃ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ جب ہم قرارگاہ میں گئے تو ۴۰ کے قریب مجاہد موجود تھے جب کہ اس کے علاوہ بھی جماعت کی کئی قرارگاہیں اور مراکز تھے۔ صوبہ تخار میں جماعۃ الدعوۃ کے کمانڈر جناب عبدالہادی نے احمد شاہ مسعود کے ساتھ مل کر شمالی علاقوں میں روسیوں کو خوب ناکوں چنے چبوائے تھے۔

مولانا عزیز اللہ کے گھر جو کہ قرارگاہ نجم بن چکی ہے وہاں دعوت و جہاد کا ستارہ آج بھی جگمگا رہا ہے۔ میں مولانا کی مسجد میں بھی گیا، جس کے پہلو میں مورچہ تھا کہ جس میں مولوی عزیز اللہ کمیونسٹ کے خلاف برسر پیکار رہتا تھا اور مسجد میں خطبہ جمعہ اور دعوت کا کام کیا کرتا تھا۔

خلق اور حزب

یہ ہفت روزہ ''تکبیر'' ہے جو پاکستان کا کثیر الاشاعت اسبوعی مجلّہ ہے، اس کے ایڈیٹر صلاح الدین صاحب نے زندگی کا بیشتر حصہ جماعت اسلامی میں گزارا ہے۔ اس رسالہ کے مدیر منتظم رفیق افغان ہیں جو اپنے میگزین میں حکمت یار اور حزب اسلامی کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں۔

افغانستان فتح ہونے کے بعد ۱۹۹۲ء کا ''تکبیر'' اٹھایے، اس میں رفیق افغان کی رپورٹ ہے اور تصویریں بھی ہیں۔ تحریر اور تصویر دونوں کی شہادت ہے کہ کابل فتح ہونے سے قبل ۲۴ اپریل کو افغانستان کی خلق پارٹی کا جنرل رفیع اپنے پندرہ ساتھیوں سمیت حکمت یار سے ملنے صوبہ لوگر کے علاقے ''باجہ کلے'' میں آتا ہے، وہاں مذاکرات ہوتے ہیں۔

رفیق افغان کہتے ہیں کہ میں نے حکمت یار سے کہا کہ میں کابل جانا چاہتا ہوں تو حکمت یار نے وعدہ کیا کہ اگر میرے مذاکرات جنرل رفیع کے ساتھ کامیاب ہو گئے تو آپ کو ان کے ساتھ بھیج دوں گا۔ چنانچہ رفیق افغان ہیلی کاپٹر میں جنرل رفیع کمیونسٹ خلقی کے ساتھ کابل میں گئے، وہاں کابل دیکھا اور پھر رپورٹ بھیجی جو تکبیر میں شائع ہوئی اور یہ فتح کابل سے قبل کی ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہوا کہ حکمت یار اور کمیونسٹوں کے مذاکرات کامیاب ہو گئے تھے، تبھی تو رفیق افغان صاحب کابل میں ہیلی کاپٹر پر بیٹھ گئے۔ اس رسالے میں باقاعدہ تصویروں میں دکھلایا گیا ہے کہ جنرل رفیع ہیلی کاپٹر میں آ رہے ہیں اور پھر حکمت یار انہیں کامیاب مذاکرات کے بعد الوداع بھی کر رہے ہیں۔

اس سے کچھ ماہ قبل جب افغان صدر نجیب کے وزیر دفاع نے بغاوت کی تھی تو وہ بھی ناکام بغاوت کے بعد حکمت یار کے پاس ہی آئے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ کمیونسٹوں کے ساتھ محض اقتدار کے لیے حکمت یار کس قدر رابطے کر رہے تھے۔مگر ان کے رابطہ کرنے کے بعد جب احمد شاہ مسعود نے رابطہ کیا کہ حکمت یار اکیلا کابل نہ لے جائے تو اب حکمت یار ان پر کمیونسٹوں کے ساتھ ملنے کا الزام لگا کر کابل پر راکٹ داغنے لگا اور سینکڑوں بے گناہوں کو مار ڈالا۔ میں جب فتح کے بعد کابل گیا تو سب لوگ حکمت یار کے حملے سے خائف تھے۔

غرض بیان کا مقصد یہ ہے کہ حکمت یار کو کمیونسٹ بھی گوارا تھے کہ ان سے مذاکرات ہو رہے ہیں ۔کبھی جنرل شاہنواز تنائی کے ساتھ ملا جا رہا ہے اور کبھی جنرل رفیع کے ساتھ مگر دشمنی ہے تو صرف جماعۃ الدعوۃ سے کہ اس کے خلاف خونی یلغار کر کے ہی دم لیا اور جماعت اسلامی جو اقامت دین کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتی اس نے بھی جب وہاں اقامت دین کے ستون کو اکھاڑ دیا گیا، اس پر چپ سادھ لی، اس نے حکمت یار کی مذمت میں ایک لفظ کہنا تو در کنار الٹا اس کی حمیت پر کمر باندھ لی اور جب اسے افغانستان میں اقتدار کے لیے کچھ تاخیر ہوئی تو یہ جماعت ایسی جلدی میں تھی کہ پاکستان میں نواز شریف سے الگ ہو کر اپوزیشن کے بنچوں پر جا بیٹھی۔ کیونکہ اسے گلہ تھا کہ حکومت پاکستان نے حکمت یار کے سر پر صدارت کا تاج کیوں نہیں رکھا؟

حقائق بولتے ہیں

ہماری اب تک کی گفتگو سے چند ایک حقائق مترشح ہوتے ہیں، انہیں سامنے رکھا جائے تو سانحہ کنڑ اور شہادت شیخ جمیل الرحمٰن کا رخ متعین کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

- افغانستان کی حزب اسلامی اور پاکستان کی جماعت اسلامی ایک دوسرے سے تعاون کرنے والی عقائد و افکار کی سانجھی اور درحقیقت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔
- خلیج کی جنگ میں پاکستان کے اہل حدیث اور افغانستان کے اہل حدیث نے سعودی

عرب اور کویت کا ساتھ دیا اور صدام کی مخالفت کی۔

- حزب اسلامی اور جماعت اسلامی نے صدام حسین کا ساتھ دیا اور سعودیہ وکویت کی مخالفت کی۔
- صدام نا کام ہوگیا، سعودیہ اور کویت کامیاب ہوگئے لہٰذا سعودیہ کی حامی جماعتیں اس کے قریب اور مخالفت کرنے والی دور ہوگئیں۔
- شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ حج کرنے گئے، وہاں ان کی ملاقاتیں خادم الحرمین الشریفین، سعودی زعماء اور علماء سے ہوئیں۔ شیخ کا سعودی عرب میں زبردست خیر مقدم کیا گیا، جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ اب شیخ کی امارت اسلامی کو سعودیہ، کویت اور گلف کی حکومتوں کی طرف سے سیاسی اور مالی تعاون میسر آئے گا جس سے امارت اور زیادہ مستحکم ہوگی۔
- کنڑ میں اسلامی قوانین کے مبارک اثرات پاکستان کے علاقے دیر اور باجوڑ میں رونما ہوئے اور وہاں تحریک نفاذ شریعت شروع ہوگئی، یہاں جماعۃ الدعوۃ کے اثرات گہرے ہوتے چلے گئے۔
- ان وجوہات کی بنا پر شیخ کے حج سے واپس آتے ہی مہمند ایجنسی کے پاکستانی قبائلی علاقے کو ضلع بنایا گیا، اسلحہ کی دکانیں ختم کی گئیں، یہی علاقہ کنڑ کے مرکزی راستے نواپاس کے ذریعے کنڑ کو پاکستان سے ملاتا تھا، یہیں سے امارت کو اسلحہ سپلائی ہوتا تھا لہٰذا یہ سرحدی کارروائی کرکے کنڑ کے دفاع کو کمزور کیا گیا۔
- یہ مشہور کیا گیا کہ شیخ جمیل الرحمٰن ﷫ دیر اور باجوڑ کے علاقوں میں پاکستان کے خلاف بغاوت پھیلا رہا ہے۔
- وہابی مشہور کرکے بے سروپا الزامات عائد کیے گئے۔
- کنڑ پر مسلح یلغار کے بعد حکمت یار پاکستانی علاقوں سے ہزاروں کے قافلے میں فاتحانہ

کنڑ میں داخل ہوا، اہل حدیث کو وہابی کافر کہہ کر نعرے لگائے گئے۔

- حکمت یار کو نہ حملہ کرتے وقت اور نہ دوبارہ کنڑ میں داخل ہونے سے کسی نے روکا، نہ آئی ایس آئی نے نہ حکومت نے۔
- تو کیا حکومت بھی اس سانحہ میں حکمت یار کے ساتھ ہوگئی تھی، اس مشترک نقطے پر کہ جو دیر میں اسے نفاذ شریعت کی تحریک کی صورت میں سامنا کرنا پڑ رہا تھا؟
- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حکمت یار کی یلغار کی آئی ایس آئی کو خبر نہ ہو اور یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ پھر بعد میں حکمت یار آئی ایس آئی کی اجازت کے بغیر پاکستان سے قافلے لے کر فاتحانہ کنڑ میں داخل ہو؟
- مہمند ایجنسی کو ضلع دیر کا درجہ کس نے دیا؟
- اگر یہ عقیدے کی جنگ نہیں تھی تو پھر عربوں کو کیوں شہید کیا گیا اور ان کا کروڑوں کا مال کیوں ہڑپ کیا گیا۔
- اگر یہ عقیدے کی جنگ نہیں تھی تو پاکستان کے اہل حدیث کے ادارے مرکز الدعوۃ والارشاد کے جہادی شعبے معسکر طیبہ پر مسلح یلغار کیوں کی گئی؟ اس کا ایک کروڑ کا مختلف قسم کا سامان اسلحہ وغیرہ سمیت کیوں ضبط کیا گیا؟
- اس کے نوجوان کو کیوں مارا پیٹا گیا؟
- کنڑ پر یلغار کے چند ہی دن بعد شیخ کو شہید کردیا گیا۔
- جس نے شہید کیا وہ "اخوان المسلمون'' مصری تنظیم کا اخوانی کارکن تھا۔
- اس حقیقت سے کون بے خبر ہے کہ مصر کی'' اخوان المسلمون" پاکستان کی جماعت اسلامی اور افغانستان کی حزب اسلامی ایک ہی ہیں جس طرح کہ پاکستان کی اہل حدیث جماعت، افغانستان کی جماعۃ الدعوۃ اور سوڈان کی انصار السنۃ المحمدیہ یہ ایک ہیں۔

- دشت ارچی افغانستان میں شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ کے ساتھی مولوی عزیز اللہ کو کس نے شہید کیا اور یہ کہ شہید کرنے والا اب پھر حزب اسلامی میں ہے؟
- کنڑ میں حزبیوں کی یلغار کے وقت اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے لوگ بھی کنڑ میں حزب اسلامی کے جتھوں کے ہمراہ تھے کہ جن کو مرکز الدعوۃ کے مجاہدوں نے دیکھا تھا۔
- یلغار کے بعد حزب اسلامی والے یہ باتیں کنڑ میں عام کرتے تھے کہ تین چار دن بعد دیکھنا کیا ہوتا ہے؟
- وہ کیا ہونا تھا...... پتا نہیں وہ کیا تھا البتہ جو ہوا وہ یہ تھا کہ شیخ جمیل الرحمٰن شہید کر دیے گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

بعد کی صورتحال

صبغت اللہ مجددی کے بعد افغانستان کے صدر پروفیسر برہان الدین ربانی بنے، حکمت یار وزیراعظم بنے لیکن دونوں کے مابین تصادم جاری رہا۔ آخر کار طالبان برسر اقتدار آ گئے۔ حکمت یار کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس وقت وہ تہران کے گوشہ گمنامی میں بیٹھ کر کتابیں لکھتے ہیں جب کہ آج کل طالبان کے سربراہ ملا محمد عمر ہی افغانستان کے سربراہ ہیں۔ امریکہ اب ان کے خلاف ہو کر پابندیاں لگا چکا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ اس سرزمین کو کتاب وسنت کا مرکز بنائے۔ آمین!

افغانستان کی چوٹیوں پر قافلہ دعوت و جہاد

آیئے میں آپ کو افغانستان کے مجاہدوں، غازیوں اور شہیدوں کی ایمان افروز داستانیں سناؤں۔

- افغانستان کے علاقے نورستان کا سفرنامہ سناؤں کہ جسے سنتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ یہ بیسویں صدی میں پانچ سو سال پہلے کی دنیا کہاں سے نمودار ہوگئی۔
- کافرستان کی سیر کراؤں کہ جو پاکستان ہی کا اک دور دراز پہاڑی علاقہ ہے کہ جہاں کافر بستے ہیں۔
- جماعۃ الدعوۃ پاکستان کے جہادی کردار سے آگاہ کروں کہ جس نے سید بادشاہ کے قافلے کی یادیں تازہ کردیں۔
- شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ اور ان کی جماعت کا تعارف کراؤں کہ جو شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے روپ میں افغانستان کے افق پر توحید کا ستارہ بن کر نمودار ہوا اور امارت اسلامی کے نام سے تاریخ کا ایک باب رقم کرگیا۔
- ان "جہاد پیا" عربوں کا ذکر کروں کہ جنھوں نے اپنی جان اور مال افغانستان کی پہاڑی چوٹیوں پر اس لیے قربان کردیا تاکہ وہ اسلام کی چوٹی (جہاد) کو سر کرلیں۔
- پاکستان کی بات کروں کہ جو روسی الحاد اور طاغوتی یلغار کے سامنے مجاہدین اور مہاجرین کے لیے ڈھال بن گیا۔

یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے "قافلہ دعوت و جہاد" کی صورت میں یہ ایک تاریخی دستاویز ہے، ان اہل توحید کی جنھوں نے افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کیا اور ان کی جدوجہد کے نتیجے میں اللہ کی توفیق سے کمیونزم اور دھریت اپنی موت مر کر دفن ہوگئی، آج اس کا کوئی نام لیوا نہیں۔

دارالاندلس
اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز
4۔ لیک روڈ چوبرجی لاہور 042-7230549